غزوہ

بنی قریظہ



علامہ محمد احمد باشمیل

نفیس اکیڈمی

اردو بازار، کراچی

اسلام کے فیصلہ کن معرکے

غزوۂ بنی قریظہ

مولفہ:

محمد احمد باشمیل

ترجمہ:

مولانا اختر فتح پوری

نفیس اکیڈمی، کراچی

نام کتاب : ـــــــــ غزوۂ بنو قریظہ
مصنف : ـــــــــ محمد احمد باشمیل
ایڈیشن : ـــــــــ اوّل، مارچ ۱۹۸۶ء
ضخامت : ـــــــــ ۳۰۴ صفحات
مقام اشاعت : ـــــــــ نفیس اکیڈمی
اردو بازار کراچی
فون نمبر ۲۱۳۳۰۳

قیمت ـــــــــ روپے

مطبع : شکیل پرنٹنگ پریس، آرام باغ، کراچی

عرضِ ناشر

خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا اور عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے ختمی مرتبت سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور سیرت کے ہر موضوع اور ہر پہلو پر دنیا کی ہر ترقی پذیر اور تہذیب یافتہ زبانوں میں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اتنی کتابوں کے باوجود پڑھنے والے اہلِ ایمان کی تشنگی کم نہیں ہو رہی ہے بلکہ ان کے ذوقِ مطالعہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اگرچہ سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو جس کو ہم غزواتِ مقدس سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس پر مورخوں نے کم توجہ دی ہے اور دی ہے تو اس طرح کہ عام لوگوں تک اس کی رسائی دشوار اور مشکل ہو گئی ہے۔

اس وقت جب کہ دنیا تباہی کے دہانے پر کھڑی ہوئی ہے، انسان

انسان کے لہو کا پیاسا ہے، تمام کائنات پر جنگ کے سائے عفریت کی طرح منڈلا رہے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوات مقدس کا مطالعہ اور اُن کے دوران مسلمانوں کے ایثار، تحمل، صبر و برداشت، لطف و عطا، عدل و انصاف اور عفو و درگذر کی مثالیں، ایک غیر فانی مثالیں بن کر سامنے آتی ہیں، ہجرت کے بعد فتح مکہ تک اور اس کے بعد حضور کی وفات تک مسلمانوں نے اپنی جس بے مثال رواداری اور کردار کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، اس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

محمد احمد باشمیل جو عرب کے ممتاز مؤرخ ہیں اور انھوں نے اسلام کی فیصلہ کن جنگوں پر تفصیل اور پوری جزئیات کے ساتھ لکھا ہے اور اُن کے محرکات اور پس منظر پر انتہائی گہری نظر ڈالی ہے، اس لحاظ سے تبریک کے مستحق ہیں کہ اُن کے علاوہ کوئی اور یہ مہتم بالشان کارنامہ انجام نہیں دے سکا۔ ہمارا ادارہ اب تک ان کی کئی کتابیں شائع کر چکا ہے ان میں فتح مکہ، صلح حدیبیہ، جنگِ خیبر، جنگِ بدر، جنگِ موتہ اور زیر نظر کتاب "جنگِ بنو قریظہ" خاص طور پر لیں اہم ہیں کہ ان جنگوں نے مسلمانوں کی تقدیر میں نہ صرف انقلاب برپا کر دیا بلکہ دنیا کے پردے سے گمراہی اور ظلمتوں کی گھٹائیں بھی ہٹا دیں اور پھر ان مسلمانوں کی عظمتوں کی روشنی سے تمام عالم کرۂ مینارہ ہو گیا۔

غزوۂ بنو قریظہ کیا تھا، اس کو مختصر لفظوں میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی مہم سے فراغت پا کر مدینہ تشریف لائے اور اعلان کیا کہ جو لوگ سمع و طاعت پر قائم ہوں

بنو قریظہ کی آبادی میں پہونچیں اور اپنے مذہبی فرائض بجالائیں ۔
بنو قریظہ نے ابتدا میں اسے دھمکی سے محمول کیا پھر بدکلامی اور گستاخی سے پیش آئے ۔ لیکن جب اسلامی لشکر نے پہونچ کر اس آبادی کا محاصرہ کیا تو بنو قریظہ حواس کھو بیٹھے' پچیس دن حالتِ محاصرہ میں رہنے کے بعد انھوں نے درخواست کی کہ سعدؓ بن معاذؓ کو حکم بنایا جائے ۔ حضرت سعد بن معاذؓ جانتے تھے کہ بنو قریظہ نے غداری کی ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے ۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے تمام مرد قتل کردیئے جائیں ۔ شبلی کے بیان کے مطابق یہ فیصلہ بنو قریظہ کے رہنے والوں کے لئے اللہ کے حکم کے موافق تھا' چنانچہ اس لڑائی میں چھ یا سات سو عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو قتل کردیا گیا تھا کہ اُس نے قلعہ سے پتھر گرا کر ایک مسلمان کو ہلاک کیا تھا ۔
غزوۂ بنو قریظہ تاریخ اسلام میں اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کے ذریعے یہودیوں کا وہ غرور اور گھمنڈ یک لخت ختم ہوگیا جس کے تحت وہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کی درپردہ کوشش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اُن کو اپنے مذموم ارادوں میں کامیابی ہوگی لیکن مسلمانوں نے جس تدبر اور عملی برتری سے شکست دی اور اُن کا طلسم پاش پاش کیا اس کی وجہ سے ان کی کمر ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گئی ۔ احمد ہاشمیں نے اس کتاب میں اس واقعے کی پوری تفصیل لکھی ہے ۔ پورے اسباب' ماحول' اور حالات کا جائزہ لیا ہے اور اس کے لئے اُن کو تمام اُمہات الکتب کا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا اُن کا اندازِ بیان اس قدر دلچسپ اور مربوط کہ پڑھنے والے کو سمجھنے میں کوئی الجھن ہوتی ہے اور نہ کہیں اس کے تسلسل میں کسی قسم کا

فرق آتا ہے۔

مولانا اختر فتح آبادی نے اس کتاب کا انتہائی عام فہم اور آسان زبان میں ترجمہ کر کے اسے سب کے لئے قابلِ تفہیم بنا دیا ہے۔ ہمارا ادارہ ایک طویل عرصے سے بلکہ جس وقت سے قائم ہوا ہے، اس وقت سے اب تک مذہبی، علمی اور تاریخی کتابوں کی اشاعت کر رہا ہے اور اس کے ذریعہ پہلی مرتبہ عربی کی تمام اُمہات الکتب سامنے آئی ہیں، ہمیں اُمید ہے کہ اس کتاب کو بھی قبولِ دوام حاصل ہوگا۔

طارق اقبال گاہندری

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

غزوۂ بنی قریظہ سے حاصل ہونیوالے سبق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا الْمُرْسَلِیْنَ وَمَوْلَانَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اللہ تعالیٰ، اسلامی فتوحات کے لیڈروں اور افواج، اور فکر اسلامی کے قائدین اور ان کے لشکروں سے راضی ہو اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے قبل ازیں اس سلسلہ میں کام کیا۔ اور ان سے بھی ہو جو آج کل اس سلسلہ میں کام کر رہے ہیں۔ اور ان لوگوں سے بھی راضی ہو جو صدق و اخلاص اور عمدگی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور اقوام عالم میں ان کی سربلندی کے لیے کام کریں گے۔ تاکہ اللہ کا بول بالا ہو اور نور اسلام اور اسلامی ہدایت تاریکیوں اور ظلمتوں کو چیرتے ہوئے اور عدل و انصاف و مساوات کو پھیلاتے ہوئے اور لغت و عقیدہ کی رُو سے قرآن کریم کے جھنڈے بلند کرتے ہوئے مشرق و مغرب میں قلوب و عقول پر چھا جائے۔ امابعد،

میں نے معارک الاسلام الفاصلہ[1]۔ (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) کی چوتھی کتاب کو پڑھا

---

[1] بعض عرب افواج میں المعارک الفاصلہ کا مفہوم المعارک الحاسمہ لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سخرھا علیہم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما، الحسم کے معنے منحوس کے ہیں اور الحسم کے معنے مسلسل کام کرنے کے ہیں اور حسم الشئی کے معنے کاٹنے اور زائل کرنے کے ہیں اور المعرکۃ الحاسمۃ میں دشمن پر شکست اور اس کے وجود کے معنوم پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے المعارک الحاسمہ کے الفاظ، صحیح اور درواقعی مفہوم کی ادائیگی کے زیادہ قریب ہیں۔

جو غزوہ بنی قریظہ کے متعلق ہے۔ اس میں بہت سے فوائد اور غور و فکر کی باتیں پائی جاتی ہیں مجھے کتاب میں بیان شدہ مؤلف کی بعض آراء سے اتفاق نہیں ہے۔ اور بعض اوقات مجھے اس کے اسلوب عرض و تحلیل اور اخذِ نتائج سے بھی اختلاف ہوا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایسے وقت میں جس میں بہت سے مسلمان اپنے وسعت پذیر عقیدے اور قدیم تہذیب سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے اپنے عقیدے سے اخلاص اور اپنی امت کی قدیم تہذیب کی خاطر لکھا ہے۔

یہ لوگ جو کچھ سیکھ رہے ہیں وہ انہیں نقصان دے گا فائدہ نہیں دے گا[1] پس کوئی ہے جو اس جیسی کتاب کو جس میں مسلمانوں کے حال اور مستقبل کے لیے سبق پائے جاتے ہیں۔ خاص طور پر عربوں اور عام طور پر مسلمانوں میں پھیلائے۔

اسلام کے دورِ اول میں پہلے مسلمانوں نے اسلام سے تعلق رکھ کر عقیدہ و عمل، جانثاری و فداکاری، سیاست و اقتصاد، اخلاق، بلند مثالوں، اعزاز و عظمت اور نظریات و تہذیب میں اپنے دشمنوں،[2] یہودیوں، منافقوں، مرتدوں، رومیوں، اور ایرانیوں پر فتح پائی اور آئندہ بھی مسلمان اپنے دشمن پر اسلام کے بغیر فتح نہیں پائیں گے۔ کیونکہ اس میں جان نثاری و فاداری کی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے عربوں اور مسلمانوں کو اس ذہن بینی سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کے بغیر خواہ وہ جس قدر بھی جد و جہد کریں ہرگز سرفراز نہ ہو سکیں گے۔ پہلے مسلمان جو اپنے اس ذہن سے متمسک تھے جو آسمانی وحی سے پیدا ہوا تھا۔ دنیا میں قدردانی اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ اپنی تہذیب پر فخر کرتے تھے اور روشن افکار

---

[1] سورۂ بقرہ (۲ : ۱۰۲) [2] اولین عرب یہود کے لفظ کو یہودیوں کی تحقیر کے لیے (ال) تعریف کے بغیر بولتے تھے۔ یہود کے بارے میں سلف صالح کے الفاظ کو طبری اور ابن ہشام میں دیکھیے۔ ہمارے لیے نہایت مناسب ہے کہ ہم اس مفہوم کو تحریر و تقریر کے ذریعہ دوبارہ اذہان میں جاگزیں کر دیں تاکہ استخفاف پر دلالت کرنے والا مفہوم واپس آجائے خصوصاً جب کہ عرب زندگی یا اسرائیل کی موت کی جنگ میں مصروف ہیں۔

اور صائب آراء سے اس کا دفاع کرتے تھے۔ اور آئندہ بھی وہ اپنے دین سے تعلق کے بغیر دنیا میں قدر دانی اور احترام کی نگاہ سے نہیں دیکھے جائیں گے۔ انہیں اس کی تہذیب پر فخر کرنا ہوگا۔ اور اس کا دفاع کرنا ہوگا۔ اور علوم و آداب اور فنون کے میدانوں میں اس کے کارناموں کو اجاگر کرنا ہوگا۔

جب تک وہ اپنے تصرفات و سلوک اور اعمال میں اپنے دین کے اصولوں کا عملی نمونہ نہ بن جائیں اور زمین پر چلتا پھرتا مجسم عمل صالح نہ بن جائیں وہ دنیا میں احترام کی نگاہ سے نہ دیکھے جائیں گے۔ کیا ہم لڑکھڑاتے ہوئے اور عبرت زدہ ہو کر مشرق و مغرب سے اصول درآمد کریں۔ اور اپنے اصولوں کو پس پشت پھینک دیں اور اپنی تہذیب سے اعراض کر کے مغربی یا مشرقی تہذیب پر فخر کریں۔ مغرب میں مسیحی تہذیب ہے۔ اور مشرق میں ملحد تہذیب ہے جو اسلام سے اعلانیہ برسر پیکار ہے اور مسلمانوں کے خاتمے کے درپے ہے۔ کیونکہ مسلمان وہ خفتہ قوت ہیں جن کی گہری نیند سے بیداری پر مشرق و مغرب بیک وقت خائف و ہراساں ہیں۔ کیا ہم بہتر چیز کے بدلے میں ادنیٰ چیز لے لیں۔ کیا ہم یہ سب کچھ مقلد اور تابعدار بن کر دور نزدیک ہوتے۔ کھاتے پیتے اور گرتے پڑتے ہوئے کر رہے ہیں۔ اس صورت میں ہم مشرق و مغرب کی حقیر دم سے بڑھ کر کچھ نہ ہوں گے۔ اور دم اپنی حقیقت سے بڑی نہیں ہوتی وہ اپنے مالک کے پیچھے انجام کو سمجھے بغیر دوڑتی پھرتی ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ گمان ہے کہ مشرق و مغرب کے پیچھے ان کی ذلیل گراوٹ انہیں قوت و عقیدہ اور تہذیب کا مقام اور نوازش و مہربانی ان کا الوٹ انگ بنا دے گی وہ مکمل طور پر دھوکہ خوردہ بے وقوف اشکار ہیں۔ یا مکمل طور پر ان کے کارندے ہیں۔ کیا انگریزی زبان بولنے والے افریقی فرانسیسیوں کا الوٹ انگ بن گئے ہیں؟ کیا آہنی پردے کے پیچھے خستہ حال اشتراکی حکومتیں روس کا الوٹ انگ بن گئی ہیں؟"

انگریز انگریزی بولنے والی افریقی اقوام کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے حاکم، محکوم کی طرف دیکھتا ہے۔

اور فرانسیسی، فرنچ بولنے والی افریقی اقوام کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے متبوع، تابع کو دیکھتا ہے۔

اور جن اشتراکی حکومتوں نے اپنے متعلق سوچا سمجھا ہے اور پچھڑنے کے بعد اُٹھ کھڑی ہیں انہوں نے بڑی کاوش اور جدوجہد کے بعد سودیت اتحاد سے بیگانگی کا اظہار کیا ہے کیونکہ انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ انہوں نے اپنے امتیازی وجود کو کھو دیا ہے اور وہ غلام بن کر رہ گئی ہیں جیسا کہ چین[1]، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور البانیہ نے کیا ہے۔ بارش کی ابتداء قطرے سے ہوتی ہے اور پھر پانی بہہ پڑتا ہے۔

اسی طرح جن افریقی اور ایشیائی حکومتوں نے اپنے متعلق سوچا سمجھا ہے اور پھر پچھڑنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی ہیں انہوں نے فرانس، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ انہوں نے اپنے امتیازی وجود کو کھو دیا ہے۔ اور وہ ان بڑی حکومتوں کی غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ اور بعض افریقی اور ایشیائی حکومتیں ہمیشہ ہی استعماری نظریات سے اذیت اٹھاتی رہتی ہیں۔

اور یہ بات نہایت ہی افسوسناک ہے کہ جون ۱۹۶۶ء کے ایک عربی رسالے نے یہ بات شائع کی ہے۔ اور روس کا قومی ترانہ ایک عربی ملک کے ایک عربی ادارہ میں پڑھا گیا تو نعروں اور تالیوں سے اس کی پذیرائی ہوئی اور جب اس عربی ملک کا قومی ترانہ اس عربی ادارہ میں پڑھا گیا تو اس کی پذیرائی استہزاء و تمسخر سے ہوئی، اور اس خبر کو ایک عرب ریڈیو اسٹیشن نے ۲۵ جون ۱۹۶۶ء کی سوا سات بجے شام کی خبروں میں نشر کیا، یہ کیا بوقلمونی ہے۔ اور کیا یہ سب کچھ فروتنی اور گراوٹ کی مصلحت کی خاطر کیا گیا ہے۔

عرب اور مسلمان اپنے عقیدہ اور اپنی تہذیب سے بیگانہ ہو چکے ہیں اور جو قوم خود اپنا احترام نہیں کرتی یہ ممکن ہی نہیں کہ دوسری اقوام اس کا احترام کریں، آدمی جس جگہ

---

[1] عالمی امن کانفرنس جو جون ۱۹۶۶ء میں منعقد ہوئی اس میں چین کے نمائندوں نے روس پر انحراف، اقدامت پسندی اور استعماری ہونے کا الزام لگایا تھا۔

اپنے آپ کو رکھے وہیں ہوتا ہے اور قوم جس جگہ اپنے آپ کو رکھے وہیں ہوتی ہے۔
عربوں اور مسلمانوں نے اپنے آپ کو بدل دیا تو قومیں ان پر اس طرح پل پڑیں جیسے کھانے والے ثرید پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور وہ استعماری حکومتوں کے نفوذ کے علاقے بن گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اس سے قبل دنیا کے سردار اور قائد تھے۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے ان کے سینے عرب ملکوں میں ایک حکومت بنا دی ہے اور انہیں غلبہ حاصل ہو گیا ہے اور وہ ایک قوت بن گئے ہیں جس کی ایک شان اور وجود ہے۔
یہ لوگ پہلے بھی اور آئندہ بھی ہمیشہ ہی انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور بشریت کے ضمیر پر ذلت کا طمانچہ اور تمام عالم کے لیے عذاب بن کر باقی رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان بزدلوں کے ہتھیار، سیہ کاری اور دھوکہ بازی ہیں۔ اور ان کا سامان عہد شکنی اور غداری اور ان کی عادت، رذالت اور فریب کاری ہے۔
اسرائیلی حکومت کی پیدائش، عربوں اور مسلمانوں کے اپنے دین و تہذیب سے اعراض کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔ اگر عرب فی الواقعہ عرب رہتے اور مسلمان فی الواقعہ مسلمان رہتے تو یہود اپنے ماقبل اسلاف کی طرح کہتے کہ۔
"وہاں تو بڑی زبردست قوم رہتی ہے"
ذرا غور فرمایئے، اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ اور اس کے اردگرد کے یہودیوں اور خیبر کے یہودیوں کو چھوڑ دیتے ہیں تو کیا ہوتا وہ کھاتے پیتے، خوشی سے اتراتے، عہد شکنی اور سیہ کاری کرتے اور غداری کرتے اور آمر بن جاتے!
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس واحد زبان میں خطاب کیا جسے وہ سمجھتے ہیں یعنی طاقت کی زبان میں، جو ذلیل کرنے والی بات یا جلا وطن کرنے والی جنگ ہے[1] جیسا

---

[1] الخطۃ المخزیۃ یہ ہے کہ وہ اقرار کریں کہ ان میں سے جو قتل ہوگا وہ آگ میں جائے گا۔ اور جو ہم میں سے قتل ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔ اور "الحرب المجلیۃ" یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں سے نکل جائیں دیکھئے ابن الاثیر (۲/۱۲۷) اور البلاذری (۱۰۴) میں "الحرب المجلیۃ" و "السلم المخزیۃ" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کی تفاصیل قادۃ فتح العراق والجزیرہ (۸۵) پر دیکھئے۔

کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

پس عرب اور مسلمان کس وجہ سے یہ دعویٰ کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے نیک نمونہ ہیں جب کہ وہ نہ ان کے نمونے پر چلتے ہیں اور نہ ان کے اعمال کی اقتداء کرتے ہیں۔ ہم عرب ہیں لیکن شیشے کے بنے ہوئے ہیں۔ اور مسلمان ہیں لیکن جغرافیائی مسلمان ہیں۔

(۲)

۱۹۴۸ء میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان ارض فلسطین کے متعلق جو جنگ ہوئی اس میں میں علمبردار[1] فوج کا افسر تھا اور جنین شہر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میں نے وہاں یہودیوں کی بزدلی کے خوفناک حقائق کا مشاہدہ کیا۔

پہلی صلح سے قبل جسے اقوام متحدہ نے عربوں پر ٹھونسا تھا۔ عرب افواج اسرائیل کے دارالخلافہ تل ابیب کے دروازوں پر پہنچ چکی تھیں اور پہلی صلح کا ٹھونسنا، یہودیوں کو وہاں سے نکلنے سے بچانے کے لیے تھا۔

اور معرکہ جنین کے بعد جس میں ایک عراقی فوج[2] نے دس لاکھ سے بھی زیادہ یہودیوں کے مقابلہ میں نبرد آزمائی کی اس نے یہودیوں سے عفولہ اور صیفا کے شہر خالی کروا لیے اور یہودیوں نے پرشور مظاہروں کے ذریعے مطالبہ کیا کہ غیر مشروط طور پر جس قیمت پر بھی جنگ رک سکتی ہے اُسے رکوایا جائے۔ اور معرکہ جنین وہ واحد میدانی معرکہ ہے جس نے یہودیوں کو اس میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کسی میدانی معرکہ میں حاضر نہیں ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے پسچ فرمایا ہے کہ۔

وہ محفوظ بستیوں یا دیواروں کے پس پردہ ہوئے بغیر تم سے اکٹھے ہو کر جنگ

---

[1] علمبردار فوج، علم کے ہیڈکوارٹر اور تین افواج سے بنتی ہے جو توپخانہ، انجینئرنگ کور، شفاخانہ اور ٹرانسپورٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔

[2] بٹالین یونٹ جس کی تعداد ایک ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

آپس میں اگر شدید جنگ ہو گی تو انہیں اکٹھے خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل پراگندہ ہیں اس لیے وہ بے عقل ہیں۔ اور یہودی افسر جب اقوام متحدہ کے مصالحاتی نمائندوں کے جلوس میں عرب افسروں کے ساتھ مذاکرات کے لیئے آتے تو اس وقت تک حاضر نہ ہونے سے انکار کر دیتے جب تک انہیں یہ یقین نہ ہو جاتا کہ عرب آفیسرز نہتے ہیں۔

ایک اور یہودی گشتی دستے نے، خریف ۱۹۴۸ء کی ایک رات کو جلبون بستی پر حملہ کر دیا اور چھ مردوں اور دو عورتوں کو قیدی بنا لیا اور عراقی فوج نے جو جنین کے پاس پڑاؤ کیے ہوئے تھی اس نے بیسان کے قریب ایک کالونی "تل العمال" کو توپخانے کے صرف چھ گولوں سے تباہ کر دیا۔ اور یہ بات مشہور کر دی کہ یہ کارروائی یہودیوں سے انتقام لینے کی خاطر کی گئی ہے کیونکہ انہوں نے جلبون سے عربوں کو قیدی بنایا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں نے قیدیوں کو بہت جلد چھوڑ دیا۔ اور "تل العمال" کی کالونی کی تباہی پر ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ انہوں نے قیدیوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بھیج دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل نے ارض مقدس میں اپنے پاؤں مضبوط کر لیے اور لُدا اور رملہ میں تین بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ اتر گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی اسرائیل نے اپنے ارادوں کو عربوں پر ٹھونسنے کی طاقت پائی اور اسرائیل کے پس پشت جو عظیم حکومتیں تھیں ان کا بھی بے پناہ اثر تھا جس کی وجہ سے اسرائیل نے عرب علاقے اور دارالسلام کی مقدس زمین کو ہتھیا لیا۔ اور جو لوگ اسرائیل کی پشت پناہی کر رہے تھے انہوں نے اسرائیل یہودیوں کے ساتھ عربوں کی طاقت کا موازنہ کیا تو وہ ایک سو ملین یا اس سے زیادہ تھے۔ اور انہوں نے مسلمانوں کا جائزہ لیا تو وہ پانچ سو ملین یا اس سے زیادہ تھے جب کہ یہودی ان دنوں ڈیڑھ ملین تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ طاقت کی میزان میں یہودی، عربوں اور مسلمانوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ کیونکہ ان دنوں عرب سیلاب کے جھاگ کی طرح تھے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

اور جس دن عربوں اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ وہ صحیح معنوں میں مرد ہیں تو

وہ تمام عالم کو اپنی جانب پلٹیں گے۔ کیونکہ طاقت کی زبان ہی تمام عالم میں سنی جاتی ہے۔ اور جو قول اس حقیقت کے مخالف ہے وہ بکواس در بکواس ہے۔

۱۹۴۸ء میں عرب فوجیں پیشہ ور سیاستدانوں کی بوجھل بیڑیوں میں جکڑی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے دل عربوں کے ساتھ اور ان کی تلواریں استعماریوں کے ساتھ تھیں یہی وجہ ہے کہ میں نے عراقی فوج کے الوداعی جلسے میں جب کہ وہ فلسطین سے واپس عراق جارہی تھیں کہا تھا:

"عراقی فوج اور اس کے باسیوں کو ملامت نہ کرو، ہماری، تمہاری مصیبت ایک ہی ہے وہ نیزہ جو بزدل شخص کے پاس ہوتا ہے وہ نیزہ نہیں ہوتا۔ مجھے معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ کا دین، مسلمانوں کے لیے ذلت پسند نہیں کرتا۔ جو شخص جہاد کرتے ہوئے مرتا ہے وہی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ بزدلی کی زندگی گزارنے والے کو ہمیشہ زندگی نہیں ملتی"

یہودی صرف طاقت کی زبان کو سمجھتے ہیں۔ اور تلوار کے بغیر فلسطینی عربوں کی مشکل ہرگز حل نہ ہوگی۔

مجلس اقوام متحدہ سلامتی کونسل، بین الاقوامی کانفرنسیں، پرشور اجتماعات، تقاریر قصائد اور شور و غل ہرگز اس مشکل کو حل نہیں کرسکتے اور ان پر یہ مشہور عربی ضرب المثل صادق آتی ہے کہ۔

"میں نے انہیں گالیوں سے سیر کردیا اور وہ اونٹ لے کر چلتے بنے"

(۳)

یہ وہ اسباق ہیں جو یہود کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تاریخ سے عربوں کی عبرت کے لیے نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ اسباق اور یہ عبرتیں، عربوں اور مسلمانوں پر واجب کرتی ہیں کہ وہ ارض فلسطین سے اپنا چھینا ہوا حق واپس لیں۔ اور اگر ان اسباق اور عبرتوں کی یاد دہانی کے سوا، اس کتاب سے اور

کوئی فائدہ نہ بھی ہو تب بھی اس کتاب کے لیے یہ کافی فخر کی بات ہے اور اس کے مؤلف کے اجر کے لیے کافی ہے۔

میں استاد محمد احمد باشمیل کی بارآور مساعی اور ان کے مفید جہاد کو سلام کرتا ہوں۔"

والحمدللہ کثیراً وصلی اللہ علی سید القادات وقائد السادات رجل الرجال وبطل الابطال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(محمود شیت خطاب)

عرضِ مؤلف

نحمدک اللّٰھم وایاک نعبد وایاک نستعین ونسالک ان تصلی علی نبیک ورسولک
محمد الامین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الغرالمیامین

اے اللہ ہم تیرے حضور عاجزانہ طور پر عرض کرتے ہیں کہ تو ہمارے اعمال کو خالصۃً اپنے لیے بنا دے اور ہمیں غرور کی پھسلن اور ریاکاری و شہرت کے گڑھوں سے بچا، تو سمیع و مجیب ہے۔

یہ معارک الاسلام الفاصلۃ (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) کے سلسلہ کی چوتھی کتاب ہے ہم خدائے قدیر کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ہمیں اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ہم مخلصانہ طور پر امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پڑھنے والوں کے لیے مفید بنائے اور جو اس میں غلطی کی نشاندہی کرے گا ہم اس کے شکر گزار ہیں اور اس کی اصلاح کریں گے۔

(۱)

جس وقت سے نورِ اسلام طلوع ہوا اور جس وقت سے حضور علیہ السلام مدینہ پہنچے اس وقت سے یہود اسلام کے خلاف تدابیر کر رہے ہیں اور تورات کی وصیت کے برعکس جس میں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قابل اتباع نبی لکھا ہوا پاتے ہیں، حسد و سرکشی کرکے اس کے خلاف گردشِ روزگار کے منتظر ہیں۔

جب یثرب نے، اپنی حکومت کی باگ ڈور کلیتہً آپ کے سپرد کر دی تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے ان سے نرمی و در گزر کا سلوک کیا۔ اور

باوجود اس معاہدہ کے جو مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان مشترکہ دفاع کرنے اور باہم پرامن رہنے اور عدم جارحیت کا معاہدہ تھا یہودی اسلامی دعوت کا مقابلہ کرتے رہے اور اس دعوت کے علمبردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے اور آپ کی دعوت کی سچائی میں شکوک شبہات پیدا کرتے رہے اور اس سے نفرت کی غرض سے جھوٹی باتیں اور افواہیں پھیلاتے رہے۔ اور ہر اس شخص کی مدد کرتے رہے جو آپؐ سے جنگ کرتا یا آپؐ پر شبخون مارتا اور آپؐ کے اصحابؓ کے لیے مشکلات پیدا کرنا چاہتا تھا بلکہ وہ اسلام کے خلاف اس کی حکومت کو ختم کرنے اور اس کے رسولؐ کے خاتمے کے لیے آمریت اختیار کرتے رہے۔

انہوں نے آپ سے کیے ہوئے معاہدے کا کوئی پاس نہ کیا اور نہ پختہ میثاق کا لحاظ رکھا۔ کیونکہ یہود کے نزدیک ان معاہدات و مواثیق کی کوئی قیمت نہیں ہوتی سوائے اس کے ان کے تمسک و التزام سے خاص طور پر ان کا اپنا فائدہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یثرب میں ان کی حرکات و سکنات، ان کے معاہدات و امواثیق کے مطابق نہ تھیں بلکہ ان کی حرکات و سکنات ان حالات کے تابع تھیں جو شخصی مصلحت کی حدود میں آتی ہیں۔ پس اگر وہ حالات کو موافق پاتے تو بغض و عداوت کا اظہار کرتے اور مسلمانوں پر عیب لگانے کے لیے حرکت میں آجاتے۔ اور اگر انہیں موقع نہ ملتا تو سانپ کی طرح مناسب موقع کے لیے خاموشی اختیار کر لیتے۔ پس حق بات یہ ہے کہ یہود ہی وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے خبیث میکیاولی مذہب کی بنیادیں استوار کیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے یثرب میں چار سال کے طویل عرصہ کے دوران ان یہودیوں سے بہت سی تکالیف اور مصیبتیں اٹھائیں اور آپؐ بڑے حلم اور رفیاضی سے ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے ان لوگوں سے بھی درگزر کیا جنہوں نے ان یہودیوں میں سے آپ پر تسلط حاصل کرنے اور آپؐ کو قتل کرنے کی ٹھانی تھی۔ آپ ان سے درگزر کرنے میں انتہائی حد

تک چلے گئے۔ اوران کو صرف مدینہ سے جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا۔ حالانکہ جرم تسلط کے تسلیم کرنے اور غیر مشروط اطاعت اختیار کرنے کے بعد آپ کو ان کے تباہ کر دینے پر پوری قدرت حاصل تھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مقابلہ میں صرف اس وقت تک قطعی موقف اختیار کیا اوران کو خونریز تلوار کی زبان سنائی۔ جب ان میں سے ایک فریق (بنو قریظہ) نے عہد شکنی اور غداری کی تاریخ کا بھیانک اور ذلیل ترین جرم کیا، انہوں نے معاہدہ کو توڑا، اور میثاق سے غداری کی اور اپنے قول کی بے حرمتی کی اور احزاب کے خوفناک معرکہ میں قریش اور غطفان کے جانبازوں کے ساتھ جا ملے اوران کے انجام کی نہایت نازک گھڑیوں میں اپنے معاہدات ومواثیق کی پرواہ کیے بغیر مسلمانوں کو پیچھے سے ضرب لگانے کے لیے تیار ہو گئے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو کلیتہً نیست و نابود کر دیں۔ پس ان کو کلیتہً تباہ کر دینا ہی ان کی جزا تھی اور یہی وہ انجام ہے جس کی طرف انہوں نے مسلمانوں کو اس وقت دھکیلنے کا عزم کیا تھا۔ جب انہوں نے احزاب کے جنگ بازوں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیئے تھے اور قولاً اور عملاً مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کی تھی پس سزا کی سختی (احزاب کی جنگ کے خاتمے کے بعد ان یہودیوں میں سے آٹھ سو جانبازوں کا ایک دن میں قتل ہونا ہے) اس عظیم جرم غداری کے مطابق ہے جس کا ارتکاب ان یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف کیا تھا جو میثاق تحالف اور معاہدۂ عدم جارحیت اور یثرب میں ایک قوم کے طور پر رہنے کے عہد کے پابند تھے[1]

(۲)

اوراس وجہ سے کہ غزوہ بنی قریظہ وہ آخری اور عظیم معرکہ ہے جس کے ذریعہ یثرب

---

[1] مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے پانے والا معاہدہ کی رو سے یہودی اپنے دین پر رہتے ہوئے اور مسلمان اپنے دین پر رہتے ہوئے ایک قوم ہیں۔۔۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام جلد نمبر ا صفحہ ۵۰۳

سے یہودی قوم کا مکمل صفایا ہوا۔ اور اس خبیث عنصر سے اس مبارک خطے کی تطہیر مکمل ہوئی۔ نیز اس لیے بھی کہ یہود کا جزیرہ عرب سے قدیم تعلق ہے جو میلاد مسیح سے بھی کئی صدیاں پہلے کا ہے۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم وہ مکمل تفصیل تمام کریں اور اس کتاب کی پہلی اور دوسری فصل ہے جو جزیرہ عرب میں یہود کی مختصر تاریخ پر مشتمل ہیں پہلی فصل میں، جزیرہ عرب میں یہود کی اسلام سے پہلے کی مختصر تاریخ بیان کی گئی اور دوسری ظہور اسلام سے لے کر غزوہ خیبر تک کی مختصر تاریخ پر مشتمل ہے۔ یہ اسلام اور یہود کے دنگل کا آخری معرکہ ہے جو ہمارے اس سلسلے کی پانچویں کتاب کا موضوع ہوگا۔ انشاء اللہ۔

پہلی فصل میں ہم نے اختصار کے ساتھ (اور کبھی مفصل طور پر) یثرب، تیماء، وادی القریٰ، خیبر، ایلہ، اور دوسرے شمالی علاقوں میں یہود کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ اس طرح ہم نے اس فصل میں یمن میں یہودیت کے بارے میں بھی بیان کیا ہے۔ نیز عمومی طور پر ہم نے جاہلی عربوں کے درمیان یہودی دین کے اثرات کو بھی بیان کیا ہے۔ یہود اس حد تک عربی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوئے کہ وہ اپنی اسرائیلی ثقافت کو بھول گئے اور ان کی عبرانی زبان کی یہ کیفیت ہوگئی کہ سوائے چند عالموں اور کاہنوں کے اور کوئی اچھی طرح بول بھی نہ سکتا تھا۔

اور دوسری فصل میں ہم نے اختصار کے ساتھ اسلام کے مقابلہ میں یہود کے دشمنانہ مواقف کو بیان کیا ہے۔ اور گرم و سرد جنگ کے اُن تمام مراحل کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جنہوں نے یہود، اسلام کے خلاف، اس وقت سے، جب سے اس کا نور سطح ارض پر چمکا ہے۔ اختیار کرتے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ ہم قارئین کو اس عنصر کی حقیقت کے متعلق ایک واضح نظریہ دیں جو ہر زمانہ میں تخریب کاری اور فساد انگیزی کا نمائندہ رہا ہے۔

---

(۳)

اس غزوہ میں بنی قریظہ کے یہودیوں کے تقریباً آٹھ سو آدمیوں کے مارے جانے کے باعث اسلام کے تقلیدی دشمنوں جیسے بعض مغربی اور یہودی قلم کاروں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے ظالمانہ حملے اور تنگدلانہ انتقادات کیے ہیں اور اسی طرح ان کے شاگردوں نے بھی جو اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان سب کا خیال ہے کہ ان یہودیوں کی تباہی کی کارروائی، وحشیانہ اور سنگدلانہ فطرت کی نشاندہی کرتی ہے جو حقوقِ انسانی اور روحِ تمدن کے منافی ہے۔ ہم نے اس کتاب میں ایک خاص (چوتھی فصل) مختص کی ہے جس میں ہم نے ان تمام اتہامات کا جائزہ لیا ہے جو ان دشمنوں کیطرف سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے گئے ہیں۔ اور ہم نے مفصل مناقشہ کرکے حجت و برہان سے ان اتہامات اور انتقادات کا باطل ہونا ثابت کر دیا ہے۔ نیز ہم نے اس امر کو بھی واضح کیا ہے کہ بنی قریظہ کا قتل قانون و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہوا ہے۔ اور وہ ایک ایسا عمل ہے جسے آج تک کے تمام قوانین و ضوابط نے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ وہ ایک عادلانہ سزا تھی جو تین جرائم کے مرتکب لوگوں کو دی گئی اور اکنافِ عالم کے تمام بین الاقوامی قوانین بلا استثناء اس شخص کو موت کی سزا دیتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ پس جو بنو قریظہ کی طرح ان سب کا اکٹھے مرتکب ہو اس کا کیا حال ہوگا۔

اور اس فصل میں ہم نے بنو قریظہ کی عورتوں اور بچوں کے غلام بنانے کی بحث کے موقع پر عمومی طور پر اسلام میں غلامی کے موضوع کو بھی چھیڑا ہے۔ اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے جو اتہامات غلامی کے بارے میں اسلام کے مؤقف پر لگائے گئے ہیں ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ اسلام، غلامی کے متعلق قانون سازی کرنے والا پہلا مذہب نہیں اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کرنے والا ہے بلکہ یہ وہ دینِ وحید ہے جس نے غلامی کے مختلف طریقوں کے خلاف جنگ کی ہے

اور سوائے ایک نوع کے اس کے تمام سوتوں کو بند کر دیا ہے اور اس ایک نوع کو بھی اس نے ایک نہایت تنگ دائرہ میں محصور کر کے اسے باقی رکھا ہے۔ اور یہ غلامی ان عادلانہ جنگوں سے وجود میں آتی ہے جن میں مسلمان، اسلام دشمنوں کے خلاف حصّہ لیتے ہیں۔ اس نوع غلام کو اسلام نے ایسے ہی روا رکھا ہے جیسے کہ مقابل جنگجو نے اسے روا رکھا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ یہ جیسے کو تیسے والا معاملہ ہے۔ اور مسلمانوں کے لیے دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں اسے جاری رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے قبضہ میں جو مسلمان قیدی آ جاتے ہیں وہ بھی انہیں غلام بنا لیتے ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں۔ اور ہم نے اس فصل میں ثابت کر دیا ہے کہ باوجود یہ کہ اسلام نے اس نوعِ غلامی کو باقی رکھا ہے، اس نے غلام کو حقوق دیئے ہیں۔ اس کی حفاظت و ضمانت کا کفیل بنا ہے۔ یہ حقوق دنیا کے کسی قانون نے غلام کو نہیں دیئے۔ اسلام تو اُسے اس بلند درجہ تک لے گیا ہے کہ اس نے اس کے اور اس کے مالک کے حقوق عامہ کو برابر قرار دیدیا ہے۔

(۴)

اس کتاب میں قارئین کو عنقریب معلوم ہو گا کہ جب سے اس قوم پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے لعنت پڑی ہے اس کے اخلاق کس قسم کے ہو گئے ہیں۔۔۔ وہ دیکھیں گے کہ جزیرہ عرب میں اور خصوصاً مسلمانوں اور ان کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اس قوم کے تصرفات میں مختلف اقسام کی کمینگی اور مختلف رنگوں کی عہد شکنی اور غداری اور موقع پرستی اور بدعہدی کے غمناک نمونے پائے جاتے ہیں۔ جو ذلت و رسوائی کا مجموعہ اور رذائل کا ایسا خوفناک بیلنس رکھتے ہیں جس کی مثال کسی مغضوب قوم کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ ہاں اب تاریخ ان کا ریکارڈ رکھ رہی ہے۔ ہائے افسوس، عرب علاقے میں لوگوں کا ایک چھوٹا سا گروہ، جس نے میکیاولی لااخلاقی مذہب کی شاگردی کی ہے وہ عہد شکنی اور موقع پرستی میں یہود کے نقش قدم پر چلنے لگا ہے۔ جب انہیں خیال

ہوتا ہے کہ معاہدے کی پابندی اور پختگی میں ان کا فائدہ ہے تو وہ لوگوں کو معاہدات کی پختگی اور پابندی کی دعوت دیتے ہیں۔ اور جب انہیں پتہ چلتا ہے کہ انہیں اس معاہدہ میں جس کی پختگی اور پابندی کی انہوں نے دعوت دی ہے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ تو وہ اسے پاؤں تلے روندتے جاتے اور دیوار کے ایک گوشہ میں پھینک دیتے ہیں۔ بلکہ ایسے وحشیانہ اور رذیلانہ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں جن جیسے اعمال کا کوئی آدمی کبھی مرتکب نہیں ہوا۔ یہ دسیوں ہزار مسلمان عورتوں اور بچوں کو تباہ کر دیتے ہیں اور الگ تھلگ پر امن بستیوں کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ تاکہ خود دار اور سخت مسلم قوم کو خوفزدہ کر دیں جو اپنے اجداد کی بلند عسکری تاریخ کے کندھوں پر کھڑی ہے۔ ان حرکات سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اس طاقتور اور مضبوط قوم کو تابع فرمان اور نو آبادی بنا دیا جائے۔ جس نے صدیوں ہر بار تابع فرمان اور نو آبادی بنانے والے جارحیت پسندوں اور جنگجوؤں کو فنا کر کے رکھ دیا ہے۔

پس یہ قوم کسی قسم کے غیر ملکی تسلط کو تسلیم نہ کرنے اور ثابت قدم رہنے میں ضرب المثل بن گئی ہے۔ یہاں تک کہ غیر ملکی تمام اقوام میں اس کا نام جنگ بازوں کو فنا کرنے والی اور باغیوں کو ادب سکھانے والی اور سرکشوں کو رام کرنے والی قوم پڑ گیا ہے۔ مگر جب کوئی باغی اور طالع اس سے زیادتی اور جنگ کرتا ہے تو وہ اس کی جنگجو فوج کو دفن کر دیتی ہے اور اس کی آرزوؤں اور امنگوں پر پانی پھیر دیتی ہے اور اس کی فوج کو خواہ وہ کس قدر مضبوط اور زیادہ ہو جن وانس کے لیے اکٹھا کر اور بعد میں آنے والی اقوام کے لیئے عبرت کا موجب بنا دیتی ہے۔ اور آج بھی اس مضبوط، طاقتور اور خود دار قوم کے علاقے میں تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔"

(۵)

جو شخص یہودی اخلاق سے نا آشنا ہے اور جسے اس نوع بشر کے ساتھ جو بشریت کے جسم میں غیر مانوس ضرر رساں جسم کی طرح ہے، رہنے کا موقع نہیں ملا۔ اور نہ

ہی اس کی تاریخ کی حقیقت سے واقف ہیں، وہ ان مصائب کو، جو اسے اقوام کی طرف پہنچے ہیں یا پہنچتے ہیں۔ بہت عظیم خیال کرتا ہے۔
اور بسا اوقات جب اس پر قتل یا جلاوطنی کی سزا نازل ہوتی ہے تو وہ اسے بہت بڑا خیال کرتا ہے۔

لیکن یہودی قوم کی نفسیات کے ماہر اور صدیوں سے اس کی تاریخی حقیقت کے واقف کار کسی قسم کے شک کی گنجائش کے بغیر تاکید کرتے ہیں کہ یہ وہ واحد قوم ہے کہ جس کے ہر فرد کے ذہن اور تحت الشعور میں یہ بات رچی بسی ہے کہ زندگی میں اس کا سب سے بڑا کام ہر غیر اسرائیلی کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ اخلاقی بگاڑ، عقائدی انحراف اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں خوفناک قتل عام اور اقوام کی زندگی میں تباہ کن انقلابات اور اقتصادی بندشیں صرف اور صرف یہودی غور و فکر اور منصوبہ بندی کی تیار کردہ ہیں۔

اس کی دلیل میں یہی بات کافی ہے کہ مارکسی اشتراکی تحریک کے راہنماؤں نے قتل و تعذیب اور تباہی کے وہ جرائم کیے ہیں اور اس حد تک دہشت و بربریت کی ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے تاریخ نے اس کی مثال نہیں دیکھی۔ بشریت کو مختلف زمانوں میں جو مصائب پہنچے ہیں وہ اس کی تحریک جیسے نہیں، یہ مصیبت یہودی مفکرین کے پروٹوکول کے مطابق آتی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں کہ اشتراکی مذہب کی بنیاد رکھنے والا (کارل مارکس) مجرم اور کینہ توز یہودی تھا۔

اسی طرح تاریخ نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ انقلاب فرانس کے اوائل زمانے میں جو خوفناک اور دہشت ناک قتل عام کے جرائم ہوئے ان کے منصوبہ ساز اور مدبر محرک وہ یہودی تھے جن کی طبیعت غیروں کی تباہی و بربادی دیکھ کر لذت حاصل کرتی ہے اور جن لوگوں کی طبیعت اس قسم کی ہو وہ دوسری اقوام کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اور اگر ان کے ساتھ رہیں گے تو انکی تباہی و بربادی کرنا شروع کر دیں گے۔ جیسا کہ تمام اقوام عالم کو معلوم ہے۔ ہمیشہ سے ہی یہودی پر جلاوطنی اور تباہی کی سزا نازل ہوئی ہے وہ ہر دور اور ہر زمانے میں اس کی شکایت کرتے ہیں۔ وہ اکثر انہی جرائم، غداریوں

اور تخریبی کاروائیوں کا سخت رد عمل ہوتا ہے جو وہ ان اقوام کے ساتھ کرتے ہیں جن میں وہ رہ رہے ہوتے ہیں اور بنو قریظہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو سزا ملی وہ بھی خود یہودیوں ہی کا کیا دھرا تھا۔

تمام لیڈر اور ذمہ دار حضرات جو اپنے وطن اور قوم کی سلامتی کے خواہاں ہیں ہزارہا سال سے اپنے وطنوں اور معاشروں کو ان یہودیوں سے پاک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیونکہ وہ بشریت کی اس خطرناک نوع کی نفسیات کی حقیقت سے واقف ہیں جو اپنی ہم جنس قوم کے سوا کسی دوسری قوم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اور اگر اس کے ساتھ رہے گی تو اپنے خاص وسائل سے اُسے تباہ و برباد کر دے گی۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک نہایت اہم دستاویز پڑی ہے۔ جو ان یہودیوں کو حکم دیتی ہے کہ وہ جہاں رہیں وہاں پر تخریب کاری اور فساد انگیزی کریں اور اس دستاویز کی اہمیت اس امر سے واضح ہے کہ اس کا بانی صدر بنجمن فرنکلن ہے۔ جو اٹھارویں صدی میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے عظیم لیڈروں میں سب سے بڑا لیڈر تھا۔

اور اس دستاویز کی اہمیت کے پیش نظر جسے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ایک صدر نے جاری کیا ہے ہم اس کے انگریزی متن کو اردو کے ترجمہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

دستاویز کا اُردو ترجمہ[1]

۱۷۸۹ء میں صدر بنجمن فرنکلن نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کا دستور بناتے وقت ایک تقریر کی جس میں یہ بیان کیا کہ۔

---

[1] اس اہم دستاویز کی اشاعت کی سعادت ایک سعودی نوجوان استاد حسین ابوبکر قاضی کے حصے میں آئی ہے جو اسلامی تعلیمات کا سپشلسٹ اور سیاسی علوم اور بین الاقوامی قانون کا ایم اے ہے۔ جب یہ فاضل نوجوان امریکہ میں ہاسفیک یونیورسٹی کا طالب علم تھا اسے دمشق یونیورسٹی کے استاد علامہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اس دستاویز پر مطلع ہونے کے بعد عربی زبان میں لکھا کہ اسے اصل انگریزی متن کے ساتھ ملایا جائے مجھے استاد حسین قاضی نے بتایا کہ جب ریاست پنسلوینیا میں بنجامن فرنکلن کے ادارہ میں اس متن کو حرفاً حرفاً

"اس وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ کے لیے ایک عظیم خطرہ ہے اور وہ عظیم خطرہ یہودیوں کا خطرہ ہے۔"

احباب کرام، جس علاقے میں بھی یہودیوں نے بود و باش اختیار کی ہے۔ انہوں نے اخلاق اور تجارتی دیانت کو تباہ برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ الگ تھلگ رہتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتے۔ اور ان کا ظلم عملاً یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ انہوں نے مالی طور پر اقوام کا گلا گھونٹ دیا ہے جیسا کہ سپین اور پرتگال کا حال ہے

۰۰ ۱۷ سال سے زیادہ عرصہ گزر دہ اپنی بد قسمتی کا رونا رو رہے ہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ان کے آباؤ اجداد کے ملک سے نکال دیا گیا ہے لیکن میرے دوستو، اگر آج حکومتیں انہیں فلسطین اور ان کی جائدادیں واپس کر دیں تو وہ فلسطین واپس نہ جانے کے لیے مؤثر وجوہات تلاش کر لیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ طفیلی ہیں۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ ان کے لیے مسیحوں وغیرہ میں

نقل کرنے کے لیے گیا۔ اور جب میں نے صدر امریکہ بنجامن فرنکلن کی تقریر کا مطالعہ کیا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس دستاویز کی عبارت کو امریکہ کے صدر کی تقریر سے کلیتہً حذف کر دیا گیا ہے میں نے اسی ادارہ کے ذمہ دار حضرات سے گفتگو کی اور جب انہیں معلوم ہوا کہ کسی مجرم یہودی نے یہ عظیم جرم کیا ہے تو وہ دہشت زدہ ہو گئے۔ پھر کہنے لگے یہ خوش قسمتی کی بات ہے۔ اور تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ عجائب گھر میں اس تقریر کا ایک مکمل نسخہ موجود ہے جس تک مفسد ہی کا ہاتھ نہیں پہنچا تو میں نے یہ انگریزی میں یہ عبارت نوٹ کر لی جو یہودی خطرے سے متعلق ہے" استاد قاضی نے امت اسلامیہ اور دین کی خدمت کے لیے انگریزی زبان میں اس دستاویز کو ہزاروں کی تعداد میں شائع کیا ہے۔ اور اسے بین الاقوامی مجالس اور امریکہ اور دوسرے ممالک کی سیاسی اور علمی مجالس میں بھی تقسیم کیا ہے۔ استاد قاضی کی کوشش سے یہ دستاویز رسالہ "المسلمون" نے اپنے ایک شمارہ میں شائع کی ہے۔ اس طرح رسالہ "التمدن اسلامی" نے اسے جلد ۲۵، اور ۲۶ میں اور اخبار "الصندوق" نے اپنے شمارہ ۱۱۵ بتاریخ ربیع الاوّل ۱۳۸۰ھ میں شائع کیا ہے۔ ہم استاد حسین زغنی کے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان مسلمانوں میں اس جیسے جوان بکثرت بنائے تاکہ وہ جہاں بھی جائیں اپنے دین کے اچھے سفیر ہوں۔

رہنا ضروری ہے جو ان کی نسل سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔

اگر دستور کے مطابق انہیں ریاستہائے متحدہ سے نکال باہر نہ کیا گیا تو سو سال کے اندر اندر امریکہ میں ان کا اس قدر سیلاب آ جائے گا کہ وہ ہماری قوم کے حاکم بن جائیں گے اور اسے تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ اور ہماری اس حکومت کی شکل بدل کر رکھ دیں گے۔ جس کے لیے ہم نے اپنے خون اور جانیں اور اموال اور شخصی آزادی کو قربان کیا ہے اور ابھی دو سو سال نہیں گزریں گے کہ ہمارے پوتے کھیتوں میں یہودیوں کے لیے خوراک مہیا کریں گے۔ جب کہ یہودی کمرشل ہاؤسوں میں رشک سے ہاتھ ملتے رہتے ہیں احباب کرام میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ کے لیے یہودیوں کو نکال باہر نہ کیا تو تمہاری قبروں پر تمہارے بیٹے اور پوتے لعنت کریں گے ا یہودی خواہ دس نسلوں تک ہمارے درمیان رہیں وہ کبھی بھی ہماری بلند روایات کو اختیار نہیں کریں گے، بھیڑیا اپنی چتکبری کھال کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا، جب یہود کو اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت دے دی گئی تو وہ اس ملک کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ وہ ہمارے اداروں کو ختم کر دیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انہیں دستور کے مطابق نکال باہر کیا جائے۔

میں مسلم نوجوانوں اور تمام انسانوں کی خدمت میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل و فکر کی آزادی سے سرفراز فرمایا ہے اور گروہ گیری اور عناد اور خواہشات کے گڑھوں میں گرنے سے بچایا ہے یہ جدید کتاب پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے فائدہ پہنچائے اور ہم پر اپنی دائمی رضامندی سے اپنا فضل فرمائے اور وہ بہت فضل کرنیوالا ہے۔

واللہ اکبر والعزۃ اللہ ورسولہ وللمومنین

محمد احمد باشمیل

جدہ .... مملکت سعودی عربیہ

۵ ماہ صفر ۱۳۸۶ھ - مئی ۱۹۶۶ء

فصلِ اوّل

- ــــــ جزیرہ عرب میں، اسلام سے پہلے یہود کی مختصر تاریخ
- ــــــ یثرب، خیبر اور شمال میں یہود کی آمد
- ــــــ یہود کے غلبہ کی مدت
- ــــــ یمانیوں کا اسلام سے قبل ان کی قوت وشوکت کا خاتمہ کرنا
- ــــــ یمن میں یہود کی آمد
- ــــــ جزیرہ میں یہود شعراء

یہود کا نسب نامہ

اسرائیلی یہود کا نسب یعقوب علیہ السلام سے ملتا ہے جنہیں اسرائیل کہتے ہیں۔ "الیھود" کے لفظ کا اشتقاق ان کے قول ھاد سے ہوا ہے جس کے معنی واپس لوٹنے کے ہیں۔ اور انہوں نے اس نام کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے قول "انا ھدنا الیک" سے ثابت کیا ہے جس کے معنی ہیں ہم واپس آئے اور ہم نے عاجزی اختیار کی۔ اور اس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی شریعت سے تمسک کرنے والے یہود منسوب ہوتے ہیں۔ اور یہ بنی اسرائیل سے اعم ہیں۔ کیونکہ ہر یہودی اسرائیلی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ حقیقت میں اسرائیل وہ ہے جس کا نسب، حضرت یعقوب علیہ السّلام (جو اسرائیل ہیں) کی طرف راجع ہو۔ اور بہت سی عربی، اردلی اور دیگر اقوام، یہودیت میں داخل ہوئی ہیں۔ حالانکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں[1]

[1] صبح الاعشیٰ جلد ۱۳ صـ ۲۵۳

اسی طرح بہت سے اسرائیلی نسب کے لوگوں نے یہودیت کے سوا دوسرے دین اختیار کر لئے ہیں۔ جیسے اسلام اور مسیحیت لہٰذا نہ ہر یہودی، اسرائیلی ہے اور نہ ہر اسرائیلی یہودی ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعدد بیٹے تھے جو مختلف ممالک میں بہت سی قوموں کے آبا بنے جنہیں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ سب سے اہم ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ملک عرب میں سکونت اختیار کی اور آپ کی اولاد میں سے عرب مستعربہ ہیں۔ اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے وفات تک اپنے باپ کے ساتھ قیام کیا۔ آپ عبرانیوں کے دوسرے دادا ہیں آپؑ نے اپنے پیچھے دو بیٹے عیسو اور اسحاق چھوڑے۔ پس عیسو جلا وطن ہو گیا اور یعقوبؑ اپنے باپ کا قائم مقام بنا اور اسرائیل کے لقب سے ملقب ہوا۔ اور آپ کی طرف ہی سب[1] اسرائیلی منسوب ہوتے ہیں جن میں وہ یہودی بھی شامل ہیں جنہوں نے جزیرہ عرب میں یثرب وغیرہ کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔

یثرب میں یہودی قبائل

یہودیوں کے کئی قبائل اور بطون تھے جو مختلف ناموں سے موسوم تھے اور یثرب میں بارہ قبائل تک پہنچ گئے تھے جو یہ ہیں۔

بنو عکرمہ، بنو ثعلبہ، بنو محمر، بنو قینقاع، بنو زید، بنو نضیر، بنو قریظہ بنو بہدل، بنو عوف، بنو قصیص، بنو مرانہ، بنو ناعورا، اور یہ سب نام (زاعورا[2] کے سوا) خالص عربی نام ہیں۔

یہود کے درمیان حسب نسب کا نظریہ

مؤرخین کا بیان ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر، یہودیوں کے درمیان "کاہنون" کے نام سے معروف تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو اپنے جد کی طرف منسوب کیا ہے جسے "کاہن" کہا جاتا ہے۔

اور ان کے نزدیک کاہن وہ ہے جسے بعض مؤرخین کے خیال کے مطابق کاہن بن

---

[1] الیہود فی القرآن ص ۹۵، [2] الاغانی جلد ۱۹ ص ۱۹۶

ہارون بن عمران کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ایک بلند اور شریف نسب سے تعلق رکھتے ہیں جو انہیں یہود کے بقیہ گروہوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس نسب پر فخر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اپنے دوسرے دینی بھائیوں پر شرافت و سیادت کا حامل سمجھتے ہیں۔[1]

یہود یثرب میں کیسے آئے

کوئی شخص قطعیت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ یہودی جزیرہ عرب کے اس علاقے میں کب اور کیسے آئے، ہاں ایک بات جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور مؤرخین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہودی اس عرب علاقہ میں، اسلام سے صدیوں پہلے موجود تھے۔ اسی طرح یہ بھی متفقہ بات ہے کہ یہودی قوم جزیرہ عرب میں ایک دخیل قوم ہے جو بہت دور سے آئی اور اس جزیرہ کے باشندوں سے دین، زبان اور خون کا کوئی رشتہ نہیں رکھتی۔

اب رہی بات یہ کہ یثرب کے علاقہ میں یہودی کب آئے، مورخین نے اس کی تحدید میں اختلاف کیا ہے۔ ہاں اس امر پر اتفاق ہے کہ یہودی، یثرب کے علاقہ میں ایسے زمانوں میں آئے جن کے درمیان بہت دوری پائی جاتی ہے، ان مؤرخین کے بیان کے مطابق جب یہود پہلی بار یثرب کے علاقے میں آئے، وہ زمانہ ۱۲۰۰ قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آخری زمانے اور یوشع نبی کے اوائل زمانے کی بات ہے۔ اور دوسرا عظیم زمانہ جس میں یہود کی بہت بڑی تعداد یثرب کی طرف ہجرت کر آئی وہ ہے جو ان کے ہیکل کی تباہی جو ۷۰ء میں ہوئی اور یہودیوں کو ہدریان کے عذاب دینے واقعہ کے درمیان کا ہے جو ۱۳۲ء میں ہوا۔[2]

اور جن عربی مصادر میں یہ تحدید بیان ہوئی ہے ان میں مشہور مؤرخ ابوالفرج اصبہانی کی مشہور کتاب الأغانی بھی ہے۔[3]

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ صـ ۱۳ ، [2] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ صـ ۱۴ ، [3] الأغانی جلد ۱۸ ، صـ ۱۹۱ ،

کتاب کے مؤلف نے مذکورہ کتاب میں بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے شام کی طرف واپس آتے ہوئے اطلاع ملی کہ مدینہ کے علاقہ میں عمالقہ[1] کی سرکش قوم نے بغاوت کر دی ہے اور لوگوں کو بہت دکھ دیا ہے تو آپ نے اپنی قوم کا ایک فوجی دستہ ان کے مقابلہ میں بھیجا اور اس دستے کے سالار کو حکم دیا کہ وہ ان سرکش عمالقہ[2] کی بیخ کنی کر دے اور کسی کو زندہ نہ چھوڑے۔ اصبہانی کا بیان ہے کہ یہ فوجی دستہ مدینہ پہنچا اور اس نے عمالیق کے بادشاہ ارقم کے ایک جوان بیٹے کے سوا سب کو تہس نہس کر دیا۔ اُسے انہوں نے قتل سے بچا لیا اور اُسے اپنے ساتھ لے گئے تاکہ اس کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے معلوم کریں۔ جب یہ فوج شام جاتے ہوئے واپس لوٹی تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

لیکن جب بنی اسرائیل کے لیڈروں کو معلوم ہوا کہ فوج نے عمالیق کے ایک نوجوان کو قتل سے بچا لیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس فوج نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کر کے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل نے اس فوج کو اپنے درمیان رکھنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ "خدا کی قسم تم ہمارے پاس کبھی شام میں نہیں آؤ گے"۔

اصبہانی بیان کرتا ہے کہ اس فوج کے سالاروں نے آپس میں مشورہ کیا اور آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پوری فوج کے ساتھ یہ کہتے ہوئے مدینہ واپس چلے جائیں کہ۔

"ہم نے جن لوگوں کو حجاز میں قتل کیا ہے ان کی جگہیں رہنے کی ہمارے لیے بہتر ہیں۔ ہم

---

[1] مورخین، عمالقہ کی قوم کو عرب بائدہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان مورخین کے نزدیک عرب، عرب بائدہ، عاربہ اور عربی میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ عرب بائدہ میں طسم، جدیس، عمالیق اور عاد شامل ہیں۔ اور عاربہ، اسماعیلی ہیں۔ اور عربی قحطانی ہیں۔

[2] اس زمانے میں عمالیق میں سے بنی ہف، بنی سعد، بنی ازرق اور بنی سطرق، مدینہ کے باشندے تھے اور ان میں سے ایک آدمی حجاز کا بادشاہ تھا جسے ارقم کہتے تھے وہ تیماء اور فدک کے درمیان رہتا تھا۔

ہم واپس جاکر ان کے علاقہ میں رہیں گے۔ پس وہ اپنے حامیوں کے ساتھ واپس آ گئے اور مدینہ پہنچ کر وہاں ٹھہر گئے اور مدینہ کے شام نواح میں بالائی علاقے تک پھیل گئے۔ اور وہاں انہوں نے قلعے، اموال اور کھیتیاں تیار کیں۔ اصبہانی کے قول کے مطابق اس فوج کے افراد یہودیوں میں سب سے پہلے مدینہ میں سکونت اختیار کرنے والے تھے۔

اب رہی دوسرے زمانے کی بات جس میں یہودی مدینہ کی طرف آئے۔ اس کے متعلق مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب رومیوں نے ۷۰ اور ۱۳۲ء میلادی کے درمیانی زمانہ میں شام کے علاقہ پر قبضہ کیا اور یہودیوں کو قتل کیا اور انہیں سزائیں دیں تو یہودی بھاگنے پر مجبور ہوئے اور رومی علاقے سے دور دراز کے پرامن علاقوں میں متفرق ہو گئے

مسٹر اولیری کے بیان کے مطابق ان یہودیوں میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی بہدل کے یہودی شامل تھے۔ یہ رومیوں کے سامنے سے جنوب کی جانب یثرب کی طرف بھاگے اور اسی جانب چلتے گئے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے جو ان سے پہلے حجاز میں مقیم تھے۔

مسٹر اولیری، الاغانی کے مولف اصبہانی کے قول کے ساتھ اتفاق کرتا ہے یا اس نے یہ بات اس سے نقل کی ہے۔

اصبہانی نے اپنی کتاب الاغانی جلد ۱۹ صفحہ ۹۵ مطبوعہ مکتبہ دار الحیان میں لکھا ہے کہ

"جب رومی شام میں بنی اسرائیل پر غالب آ گئے اور انہیں سزائیں دیں تو بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو بہدل ان سے بھاگ کر حجاز چلے گئے۔"

یہ بھگوڑے یہودی، جب یثرب کے علاقہ میں پہنچے تو "الغابہ" مقام پر فروکش ہوئے انہوں نے اس دبا زدہ پایا تو وہاں قیام پذیر ہونا ناپسند کیا، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے میں سے ایک آدمی کو رہائش کے مناسب حال، صاف ہوا، عمدہ زمین والی جگہ تلاش کرنے کیلئے بھیجا

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ صفحہ ۱۴

[2] الغابۃ، مدینہ کے شمال میں کئی میل پر ایک جگہ ہے۔

وہ جگہ تلاش کرتے کرتے منطقہ عالیہ تک جا پہنچا یعنی بطحان اور مہزور تک جو حرہ کی دو وادیاں ہیں۔ جو خوشگوار زمین کے ٹیلوں پر واقع ہیں، جہاں میٹھے پانی ہیں۔ جو بہت اچھے درخت اُگاتے ہیں۔

پس اُس شخص نے الغابۃ" واپس پہنچ کر اپنی قوم کو جو کچھ دیکھا تھا بتایا تو انہوں نے اس علاقہ میں قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔ پس بنو نضیر اور ان کے ہمراہی، بطحان میں فروکش ہو گئے۔ اور بنو قریظہ، بنو بہدل اور ان کے ساتھی مہزور میں ٹھہر گئے۔ پس اس کی بلند اور پست اور چشموں اور بارشوں سے سیراب ہونے والی زمین ان کی ملکیت ہو گئی۔

اوس اور خزرج کی آمد سے قبل، یہودی، یثرب میں غیر یہودی عرب قبائل کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے جن میں یمنی قبیلہ بنو الحرمان اور بلی قبیلے بنو مرثد اور بنو نیف اور بنو سلیم اور پھر بنو الحرث بن بہثہ کا قبیلہ بنو معاویہ اور غسانی قبیلہ بنو الشطیہ شامل ہیں

یثرب میں یہودی تاریخ کے ادوار

یثرب میں، یہودی تاریخ کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

قسم اوّل :- یہ قسم اسلام سے پہلے کی ہے۔ اس قسم میں یہودیوں پر دو زمانے گزرے ہیں۔

ا :- یثرب کے علاقہ میں مطلقانہ آمریت کا زمانہ۔

ب :- شکست خوردگی اور کمزوری کا زمانہ۔

پہلے دور کا آغاز، یہودیوں کے ارضِ یثرب میں فروکش ہونے پر ہوتا ہے۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق یہ دور ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک رہا ہے۔

اور کمزوری کا دور، اسب یمن سے اوس اور خزرج کے یثرب کی طرف ہجرت کرنے سے شروع ہوتا ہے۔ اور یہ میلادی کی پہلی صدی کے اوائل کا زمانہ ہے۔

یہود کی بے بسی اور یثرب پر یمانیوں کا حملہ

یہودی بارہ سو سال تک بلا شرکت غیرے یثرب کے حکمران رہے جس میں وہ عسکری، سیاسی اور اقتصادی طور پر استعماری حکم چلاتے رہے۔

حالانکہ اس علاقہ میں بعض عرب بھی قبائل ان کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے۔ یہ قبائل (جیسا کہ معلوم ہوتا ہے یمانیوں کی آمد تک) ضعف و انتشار کا شکار تھے۔ اس لیے یہ یثرب میں یہودیوں کے رہائش اختیار کرنے تک ان سے متعرض ہونے کی سکت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی انہوں نے ان سے جنگ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ جیسا کہ غیر ملکی دخیل لوگوں سے کی جاتی ہے۔ اور ہمارے سامنے جو تاریخی مصادر موجود ہیں ان میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو یہ بتائے کہ اوس اور خزرج کی آمد سے قبل یہودیوں کو اس علاقے میں کسی مقاومت یا مقابلے کا سامنا کرنا پڑا ہو۔

یہود اسی طرح یثرب کے حکمران بنے رہے۔ یہاں تک کہ میلاد کی پہلی صدی آئی تو اللہ تعالیٰ نے تاریخ کی مشہور سدّ مارب پر تباہ کن سیلاب بھیجا۔ اور وہ منہدم ہوگئی اور سدّ کے انہدام سے قبل یمن میں مارب کی مملکت، شرق اوسط کے سب سے سرسبز و شاداب علاقوں میں سے تھی۔ اور اس کے باشندے جزیرہ عرب میں سب سے طاقتور حربی قوت تھے اور سدّ کے انہدام کے وقت ان کے عظیم بادشاہ کا نام عمرو بن عامر مزیقی تھا جسے تاریخ میں "ماء السماء" کا لقب دیا گیا ہے

اوس اور خزرج مدینہ میں

جب سدّ منہدم ہوگئی تو مارب کی مملکت کمزور ہوگئی اور اس کے باشندے زمین میں منتشر ہوگئے (جو ازد میں سے تھے جو کہلان بن سبا کے بیٹوں میں سے تھا) ان میں سے غساسنہ، شام کی طرف چلے گئے اور وہاں کے بادشاہ بن گئے اور لخمی، عراق میں فروکش ہوگئے اور لوگ ان کے مطیع ہوگئے اور انہی میں سے الحیرۃ کے بادشاہ بنے جو تاریخ میں المناذرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح اوس اور خزرج یثرب آکر آباد ہوگئے اور ان کی آمد، علاقہ میں یہودیوں کی حکومت کے زوال کی اطلاعی گھنٹی تھی۔ ان یمانیوں نے ارض یثرب میں آباد ہوتے ہی یہودیوں کو اس غرض سے تنگ کرنا شروع کردیا کہ وہ بھی مدینہ کی حکومت اور اس کی عظیم دولت و ثروت میں شریک ہو جائیں۔ لیکن اوس اور خزرج یہودیوں کی سطوت و قوت کے سامنے عاجز رہے۔ اور مدینہ میں آباد ہونے کے وقت سے ہی نہایت تنگدستی اور فقر و فاقہ کی حالت میں تھے۔ انہیں

کسی قسم کی قوت و طاقت حاصل نہ تھی۔ اور ان کے عرب بھائی (جو ان سے پہلے مدینہ کے اصل باشندے تھے) وہ ان سے بھی زیادہ کمزور تھے۔ لہٰذا اوس اور خزرج نے اسی قحط زدہ زمین پر قناعت کرلی جو ان کی ملکیت میں تھی۔ اس میں تھوڑی سی کھیتی ہوتی تھی۔ پس وہ تنگدستی میں رہے اور یہودی حکومت سے شاد کام ہوتے رہے۔ اور سب دولت بھی انہی کے ہاتھوں میں تھی۔

یہ حالت ایک لمبے زمانے تک رہی۔ یہاں تک کہ یمانیوں نے اپنے غسانسہ بھائیوں سے جو شام کے بادشاہ تھے مدد طلب کرنے کے متعلق غور و فکر کیا۔ پس اوس اور خزرج نے اپنے ایک لیڈر مالک بن عجلان کو غساسنہ کے بادشاہ ابو جبیلہ کے پاس بھیجا۔ اس نے وہاں پہنچ کر اسے اپنی قوم کی بدحالی اور یثرب کے علاقہ میں آباد ہونے والے یہودیوں کا غلبہ اور ان کے دولت و ثروت سے شاد کام ہونے کے متعلق بتایا۔ اور یہودیوں کو نیچا دکھانے کے لیے اس سے فوجی مدد طلب کی۔ پس غسانی بادشاہ اپنی فوج کے ساتھ، اپنے عمزادوں کی مدد کے لیے یثرب گیا۔ اور اس نے یہودیوں پر حملہ کرکے ان کی طاقت کو توڑ پھوڑ دیا۔ یہ ایک طویل واقعہ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اس کے بعد غسانی بادشاہ اپنے ملک کی طرف واپس آگیا۔ اسلام سے قبل عربوں کے ہاتھوں، یہودیوں کے بے بس ہونے کا یہ پہلا واقعہ ہے اس جنگ کے بعد جس میں غسانی بادشاہ نے یہودی سرداروں اور لیڈروں کی بڑی تعداد کو تباہ کر دیا تھا۔ اوس اور خزرج نے بھی آہ بھری اور وہ بھی یہودیوں کے مدمقابل بن کر ان پر حملے کرنے لگے۔ اور انہیں دھتکارنے لگے۔ حالانکہ پہلے یہ ان سے الجھنے کی بھی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود یہودیوں کی بڑی تعداد کو بڑی قوت و طاقت حاصل تھی۔ یہ یمانیوں پر حملے کرتے تھے اور انہیں دھتکارتے تھے۔ اس وجہ سے فریقین کے درمیان لمبا عرصہ جنگیں ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ اوس اور خزرج کے سردار مالک بن عجلان نے ایک تدبیر سوچی جس نے یہودیوں کے سرداروں کی ایک بڑی جماعت کو تباہ کرکے رکھ دیا اور اوس اور خزرج نے یہودیوں کو حد سے بڑھ کر قتل کیا [1]

---

[1] اس کی تفصیل الاغانی جلد ۱۹ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ دار لیاقوس میں دیکھئے۔

اس طرح بھائیوں (اوس اور خزرج) نے یہودیوں کی قوت و شوکت کو توڑ دیا۔ اور وہ ذلیل ہو گئے اور ان کی بادشاہی جاتی رہی اور وہ کمزور ہو گئے اور عربوں سے شدید خوف کھانے لگے۔ اور اس وقت تک انہوں نے مدینہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی سکت نہیں پائی۔ جب تک انہوں نے اوس اور خزرج کا حلیف بننا قبول نہیں کیا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کا ہر فریق، اوس اور خزرج کے کسی قبیلے کی پناہ لے کر عزت حاصل کرتا اور محفوظ ہوتا تھا۔

اس دن سے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور ان کے اتباع، اوس کی صفوں میں ہوتے اور بنو قینقاع اور ان کے اتباع، خزرج کی صفوں میں ہوتے۔

اس تحالف نے جس میں یہودی، اوس اور خزرج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یثرب کے علاقے میں یہود کو رہنے کی ضمانت دی اور اگر وہ ایسا نہ کرتے تو عرب قبائل انہیں بالکل تباہ کر دیتے کبھی کبھار یہود پر زیادتی کرنا اوس اور خزرج کے درمیان تباہ کن جنگ کے بھڑکانے کا باعث بھی بن جاتا تھا۔ کیونکہ یہودیوں کا ان قبائل سے حلیفانہ تعلق تھا۔

مشہور تباہ کن جنگ بعاث جس کی چکی اوس اور خزرج کے درمیان ظہور اسلام سے تھوڑا عرصہ قبل تک چلتی رہی اس کی وجہ یہ تھی کہ قبائل خزرج نے بنو قریظہ کے یہودیوں کی اراضی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی اور انہیں وہاں سے نکال باہر کیا تھا[1]۔

---

[1] عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ عمرو بن نعمان بیاضی خزرجی نے اپنی قوم بنی بیاضہ سے کہا کہ تمہارے باپ نے تمہیں بہت بری جگہ پر شور زمین اور جنگل کے درمیان آباد کیا ہے۔ خدا کی قسم میں جب تک تمہیں بنی قریظہ اور بنی نضیر کی جگہ پر جو میٹھے پانی اور شاندار کھجوروں والی ہے آباد نہ کر لوں اپنا سر نہیں دھوؤں گا۔ پھر اس نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کو انتباہ کیا کہ یہاں سے ہمارے گھروں کے درمیان جو جگہ موجود ہے اسے خالی کر دو۔ ہم وہاں سکونت اختیار کریں گے۔ ورنہ ہم تمہارے قیدیوں کو قتل کر دیں گے (ان کے پاس ان یہودیوں کے چالیس غلام تھے) پس یہودی بے چین اور بے قرار ہو گئے۔ اور سخت ڈر گئے اور انہوں نے قبائل خزرج کے لیے اپنی اپنی جگہیں چھوڑنے کا ارادہ کر لیا مگر ان کے سردار کعب بن اسد نے انہیں زجر و توبیخ کی اور ان کے ارادے میں حائل ہو گیا۔ اور ان سے ڈٹ جانے کا مطالبہ کیا اور ان کے حلیف اوس کو پتہ چلا تو وہ قبائل خزرج کے مقابلہ میں ان کی طرف ہو گیا۔ یہاں تک کہ اوس کے

یہود کے درمیان خانہ جنگی یثرب میں یہودیوں کے درمیان آپس میں خانہ جنگی ہوتی رہتی تھی۔ بنیقاع (جو مدینہ کے یہودیوں میں سب سے زیادہ شجاع تھے) ہمیشہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے خلاف رہتے تھے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد بنو قینقاع کا محاصرہ کیا اور انہیں مدینہ سے جلا وطن کیا تو بنو قریظہ اور بنو نضیر نے بنو قینقاع کے یہودیوں کی مدد کے لیے ایک باشندے کو بھی حرکت نہیں دی۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ بنو قینقاع کے یہودی مدینہ کے اندر رہتے تھے حالانکہ اس سے قبل وہ اپنے بھائیوں بنو نضیر اور بنو قریظہ کی طرح اس کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل بنو قینقاع کے یہودیوں اور بنو قریظہ کے درمیان متعدد معرکے ہوئے جس میں بنو قریظہ اور بنو نضیر نے بنو قینقاع کو گرانقدر نقصان پہنچائے۔ جن کے بعد انہوں نے مجبور ہو کر مدینہ کے اندر پناہ لے لی اور اپنے ایک قبیلے کے درمیان قیام پذیر ہو گئے[1]

حکومت کھونے کے بعد یہودیوں کی حالت باوجودیکہ اوس اور خزرج نے یہودیوں کو المناک چوٹ لگائی تھی (جس کے بعد یثرب میں ان کی سیاسی اور عسکری قوت تباہ ہو گئی تھی) پھر بھی وہ وحدت قومی کے سائے میں مضبوطی کی حالت میں رہے جس کا محور یہودی دین تھا۔ اگرچہ ان کی سیاسی اور عسکری قوت جاتی رہی تھی پھر بھی (قبائلی تعلقات کے باعث جن کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو طاقتور جنگجو قبائل کے سرداروں

---

[1] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد نمبر ۶۔

(بقیہ حاشیہ) کچھ آدمی یہود لوگوں کے ساتھ ان کے قلعوں میں جا ٹھہرے تاکہ جب خزرج ان پر جارحیت کرے تو وہ ان کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں۔ اس طرح یہود اور خزرج کا چھوٹا سا جھگڑا اوس اور خزرج کے درمیان عظیم مسلح جنگ پر ختم ہوا جس میں بعاث کا مشہور معرکہ ہوا جس میں اوس اور اس کے حلیفوں بنو قریظہ اور بنو نضیر کو خزرج پر فتح حاصل ہوئی قریب تھا کہ اوس اپنے خزرج بھائیوں کی جڑ کاٹ دیتا اور ان کے ایک ایک گھر کو گرا دیتا۔ مگر اوس کے ایک لیڈر ابو قیس ابن اسلت نے انہیں اپنے خزرجی بھائیوں کے ساتھ اس معرکہ میں شکست کے بعد ایسا سلوک کرنے سے روک دیا۔

سے منسلک کیا ہوا تھا) انہوں نے عرب قبائل کے درمیان اپنے اقتصادی نفوذ کو وسعت دی۔ ان کی تمام سرگرمیوں کا مقصد سود لے کر اور مختلف قسم کے سامانوں کی تجارت کر کے اپنی دولت کو بڑھانا تھا۔ اور وہ ملک شام سے شراب لانے بیچنے اور بنانے میں بھی مشہور تھے۔

یہود کا مالیاتی مرکز

بدو ہمیشہ ہی ان کے پاس جا کر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لاتے اور سودی قرض لیتے تھے جس سے انکی دولت میں اضافہ ہو گیا یہاں تک کہ وہ مال کے بادشاہ بن گئے اور مال و ثروت پر قبضہ کے باعث انہوں نے اپنے کھوئے ہوئے اثر و نفوذ کا کچھ حصہ دوبارہ حاصل کر لیا۔ اور وہ اقتصادی اثر و رسوخ سے بت پرست قبائل کے درمیان جنگیں بھڑکانے لگے (خصوصاً یثرب کے علاقہ میں) یہاں تک کہ ان قبائل کے درمیان کسی قسم کی وحدت نہ تھی کیونکہ یہ امر یہودی وجود کے لیے خطرہ تھا۔

اور وہ اپنے اقتصادی نفوذ کو وسعت دینے لگے اور بت پرست عرب قبائل کو مال سے خریدنے لگے اور وہ مختلف وسائل سے اپنے اس سیاسی اور عسکری تسلط کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے جس سے وہ اوس اور خزرج کے ہاتھوں کھو چکے تھے اور اوس اور خزرج کے درمیان قبائلی دشمنیوں کو ہوا دینے لگے اور ان دونوں قبیلوں کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے جنگ کی آگ بھڑکانے لگے تاکہ ان یہودیوں کے لیے دوبارہ تسلط حاصل کرنا آسان ہو جائے۔ مگر ان کا یہ مقصد پورا نہ ہوا بلکہ ظہور اسلام تک اوس اور خزرج کے تابع رہے۔ ان یہودیوں کا ہر قبیلہ جاہلیت کے معروف حلیفانہ تعلقات کے باعث اوس اور خزرج کے کسی قبیلہ کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتا رہا۔ یعنی اوس اور خزرج کے ہاتھوں فوجی شکست کھانے اور تسلط کے گنوانے کے باوجود علی العموم یثرب میں یہودی ایک طاقتور قوم تھے۔ خصوصاً مالی اور اقتصادی میدان میں، جہاں یہ ظہور اسلام تک ایک طاقتور عنصر تھے۔

یہ یہودی اپنی دولت کے بڑھانے اور اثر و نفوذ کے مضبوط کرنے میں سُودی قرض دینے پر بھروسہ کرتے تھے (سُود یہودیوں کے امتیازات میں سے ہے) جو انہیں بیشمار نفع دیتا تھا اور ان بدوؤں کے درمیان جو اس ملعون تجارت کو اچھی طرح نہ کر سکتے تھے۔ ممتاز مالدار طبقہ بنا دیتا تھا۔ اسلامی قوانین کے سوا، جن میں سودی کاروبار کو حرام قرار دیا گیا ہے جو یہودی اقتصادیات

کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اور کسی قانون نے یہود کے جابرانہ مالی تسلط کا خاتمہ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سودی کاروبار کی حرمت نے یثرب اور دیگر عرب ممالک میں یہود کے غلبہ پر تباہ کن ضرب لگائی ہے۔

سود لینے کے علاوہ یہودی بعض نفع مند صنعتوں میں بھی امتیاز رکھتے ہیں جیسے ڈھلائی بنائی اور لوہار کا کام کرنے میں، جن سے عرب نفرت کرتے ہیں اور انہیں حقیر پیشے خیال کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ دیگر تجارتی کاموں میں بھی حد درجہ تک سرگرم عمل ہیں، اسلام سے قبل یثرب کے اکثر باشندے گندم، جو، اور کچی کھجوروں کی تجارت کرتے تھے اور جاہلیت میں شراب کی ذخیرہ اندوزی کرنے اور اس کے بیچنے میں مشہور تھے۔ اور خاص طور پر شام سے یثرب اور جزیرہ کے مختلف علاقوں میں مختلف قسم کی شراب لانے کے لیے جاتے تھے اور شراب کی فروخت سے انہیں بیشمار نفع ہوتا تھا۔ اور مدینہ میں (قرآن میں شراب کی حرمت کے نزول تک) ان کی دکانیں تھیں۔ جہاں پر بہت سے لوگ شراب پینے کے لیے آتے تھے۔ پس اس وجہ سے یہودی یثرب کی دولت کا ذخیرہ کر لیتے تھے اور اقتصادی طور پر اس کے حاکم بنے بیٹھے تھے اور کوئی شخص مالی نفوذ اور اس کے قاہرانہ تسلط کا انکار نہیں کر سکتا۔

یہود خیبر میں

بلانزاع خیبر کا علاقہ (جو مدینہ کے شمال مشرق میں واقع ہے) یہودی وجود کی موجودگی اور اس دخیل قوم کی کثرت اور اس سرسبز زرعی علاقہ پر ان کے قبضہ میں یثرب کے مشابہ ہے۔ اس طرح اس امر میں بھی کوئی نزاع نہیں کہ ان یہودیوں نے خیبر کے علاقے کو آباد کیا تھا اور ظہور اسلام سے صدیوں قبل اس پر قابض ہو گئے تھے۔ مگر کوئی شخص قطعیت کے ساتھ بیان نہیں کر سکتا کہ یہود خیبر میں کب آئے، کیا میلاد سے پہلے یا بعد، اس بارے میں مصادر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ابن خلدون اپنی تاریخ کبیر (العبر) کی جلد دوم کی قسم اوّل کے صفحہ نمبر ۱۶۸ پر بیان کرتا ہے کہ خیبر میں یہودی وجود کی تاریخ وہی ہے جس تاریخ کو یہودی یثرب میں آئے تھے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ وہ جنگجو لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حجاز میں آکر عمالقہ کو تباہ کیا تھا۔ پھر وہ خیبر میں اس طرح قیام پذیر ہو گئے جیسے ان کے بھائی یثرب میں قیام پذیر ہوئے تھے۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں عمالیق کے ایک قیدی کو قتل نہ کرنے کی وجہ سے شام میں داخل ہونے سے روک دیا اور قسم کھائی کہ وہ انہیں داخل نہیں ہونے دیں گے تو وہ تیار ہو کر حجاز کی طرف پلٹ آئے اور میلاد سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے ان عمالقہ کی جگہوں پر آباد ہو گئے۔ جنہیں انہوں نے تباہ کیا تھا۔

ابن خلدون کا بیان تو یہ ہے۔ مگر ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب "تاریخ العرب قبل الاسلام" جلد ۶ صفحہ ۱۱ پر بیان کرتا ہے کہ خیبر کے یہودی اس نسل سے ہیں (تورات میں مذکور سوار دن) جو میلاد بعد اہیکل اول کی تباہی کے بعد حجاز کی طرف ہجرت کر آئے اور خیبر میں ٹھہر گئے۔

خواہ کوئی صورت بھی ہو یہ بات تمام مورخین کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ خیبر میں یہودی اجنبی اور دخیل ہیں جو ظہور اسلام سے صدیوں قبل اس علاقے پر قابض ہو گئے۔ اور کھیتی باڑی اور کھجوروں کی کاشت کرنے لگے۔ یہ لوگ طاقتور جنگجو تھے۔ انہوں نے اپنے ابتدائی عہد سے خیبر پر اپنا تسلط جما لیا۔ یہاں تک کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا سقوط ہوا۔ کیونکہ بنو نضیر کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے ظلم و عدوان اور سازشوں کا مرکز بنا لیا تھا۔ جیسا کہ ہم قبل ازیں اس کتاب میں یہ بیان کر آئے ہیں اور اس کا مفصل تذکرہ ہماری کتاب غزوہ احزاب میں ہے۔

یہود ان خیبر بڑی قوت و طاقت کے حامل تھے اور تاریخ بیان نہیں کرتی کہ خیبر کو کالونی بنانے کے طویل عرصے میں ظہور اسلام تک انہوں نے کسی جنگ میں حصہ لیا ہو اس طرح تاریخ یہ بھی بیان نہیں کرتی کہ انکی یثرب کے یہودیوں کی طرح کبھی خانہ جنگی ہوئی ہو۔ خیبر اپنے مضبوط قلعوں کی وجہ سے مشہور ہے جنہیں یہود نے اپنے تسلط کے زمانے میں بنایا تھا اور ان میں مشہور قلعے سات ہیں۔ قلعہ ناعم" قلعہ قموص، قلعہ شق، قلعہ نطاۃ) قلعہ سلالم، قلعہ وطیح اور قلعہ کتیبہ۔

جب مسلمانوں نے ہجرت کے نویں سال خیبر کو فتح کیا تو ان تمام قلعوں پر قبضہ کیا اسلام سے پہلے خیبر میں یہودیوں کی تاریخ کے متعلق بہی کچھ بیان کیا جا سکتا ہے جیسا قارئین جانتے ہیں کہ جب اس تاریخ کا یثرب کے یہودیوں کی تاریخ سے یا یمن میں یہودیوں

کی تاریخ سے یا شمال میں (منطقہ تیماء) ان کی تاریخ سے موازنہ کیا جائے جہاں السموأل بن عادیا رہتا تھا جس کا تذکرہ اسلام سے قبل بھی مشہور تھا اور آج کے دن تک مشہور ہے تو اس کی کچھ اہمیت نہیں رہتی۔

پس خیبر کی تاریخ، اسلام کی آمد کے بعد لکھی گئی اور مشہور ہوئی ہے۔ اور اس تاریخ کا آغاز (جو بیاہ تاریخ ہے) یثرب سے جلا وطن کیے جانیوالے یہود ان بنی نضیر کی ہجرت سے ہوتا ہے اور جزیرہ عرب سے یہود کی کُلّی جلا وطنی حضرت فاروق عمرؓ بن الخطاب کی خلافت میں ہوئی اسکی تفصیل غزوہ خیبر میں بیان ہوگی جو ہمارے سلسلہ میں اسلام کے فیصلہ کن معرکے" کی پانچویں کتاب ہے۔"

یہود شمال میں

تیسرا علاقہ، جسے یہودیوں نے جزیرہ عرب میں اپنا مرکز بنایا وہ شمال میں چھوٹے چھوٹے قطعات ہیں جو وادی القریٰ سے انتہائی شمال میں تیماء کے علاقے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور جو دو خطے یہودیوں کا مرکز ہونے کی وجہ سے مشہور ہیں وہ وادی القریٰ اور تیماء ہیں۔ یہ دونوں خطے سرسبز و شاداب ہیں۔ جہاں چشمے اور پانی موجود ہے۔

تاریخ میں ہے کہ اسلام سے پہلے ان خطوں میں یہود کی کچھ پردیسی جماعتیں رہتی تھیں لیکن صحیح طور پر ان پردیسی جماعتوں کے وجود کی تاریخ معلوم نہیں ہوتی۔ جیسا کہ یثرب اور خیبر میں یہودیوں کے وجود کی تاریخ کا حال ہے۔ اور جب ان دونوں خطوں میں یہود کی تاریخ کا (جو اسلام سے قبل کی ہو یا بعد کی) یثرب، خیبر اور یمن کی تاریخ سے موازنہ کیا جائے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ خصوصاً وادی القریٰ کے یہودیوں کی تاریخ کے متعلق تاریخ نے اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ اس خطے میں ان کا وجود پایا جاتا ہے۔

تاریخ نے وادی القریٰ کے یہودیوں (جن کی منازل مدینہ اور خیبر کے درمیان ہیں) کا ذکر اسلام کی آمد کے بعد کیا ہے اور وہ اس طرح کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر کے بعد مدینہ لوٹے تو وادی القریٰ سے آپ کا گزر ہوا تو آپ نے یہودیوں کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے جنگ کی ٹھان لی تو آپؐ نے صرف ایک دن ان سے جنگ کی۔ اس کے

بعد انہوں نے مذاکرات شروع کیے اور مصالحت کرنی چاہی تو حضور علیہ السلام نے مصالحت کرلی اور آپ نے جس طرح اہل خیبر کو فتح خیبر کے بعد وہاں ٹھہرایا تھا اسی طرح انہیں بھی ان کی زمین، اموال اور اولاد میں ٹھہرنے کا حق دیا پس وہ اسلام کے زیر سایہ اپنے مالوں اور جانوں کے بارے میں مطمئن ہو کر اور اپنے دین کے بارے میں آزادانہ طور پر زندگی بسر کرتے رہے۔

تیماء کے یہود

تیماء (یہ جزیرہ عرب میں انتہائی شمال مغرب میں واقع ہے) وہ قدیم جگہ ہے جہاں پر یہودی اسلام سے قبل آباد ہوئے تھے اور وہاں کے یہودیوں کی تاریخ بھی خواہ اسلام سے پہلے کی ہو یا بعد کی، گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے۔ ہاں اس خطے کی تاریخ کا ذکر، وادی القریٰ اور مدینہ کے شمال میں بکھرے ہوئے دوسرے قطعات کے یہودیوں کی تاریخ کے مقابلہ میں بار بار آیا ہے۔

اس کا باعث مشہور یہودی شاعر السوأل بن عادیا ہے جو مشہور قلعے کا مالک تھا۔ اور مؤرخین نے اسلام سے پہلے کی تاریخ میں بار بار اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی طرف فصیح اشعار اور وفائے عہد کو منسوب کیا ہے۔ اس نے اس حد تک عہد کو وفا کیا کہ اپنے بیٹے کو امرؤ القیس کندی کی وفا کے مقابلے میں ذبح کروا دیا۔ جس نے اس کی عہد شکنی سے انکار کر دیا تھا۔ جیسا کہ تاریخ کی بنیادی کتب میں بیان ہوا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، اگر یہ یہودی شاعر نہ ہوتا تو تاریخ تیماء کے قبل از اسلام یہودیوں کی کوئی قابل ذکر بات محفوظ نہ کرتی۔ اسلام کی آمد کے بعد تیماء کے یہودیوں کی تاریخ میں زیادہ سے زیادہ یہی بات بیان ہوئی ہے۔ کہ وہ صلح پسند تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگ برپا نہیں کی اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سوچا۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں خیبر کے سقوط اور باشندگانِ وادی القریٰ کے ہجرت کے نویں سال میں اسلام کی اطاعت اختیار کرنے سے ہی اسلامی حکومت پر یقین لانے میں جلدی کی پس انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ نے ان سے مصالحت کرلی اور مسلمانوں نے ان سے جزیہ قبول کر لیا۔ اور وہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ اطمینان سے رہنے لگے [۱]

---

[۱] فتوح البلدان از بلاذری ص ۴۷ ،، [۲] دیکھیے معجم البلدان از یاقوت جلد ۲ ص ۴۴۲ ،،

شمال میں دیگر قطعات

چھوٹی چھوٹی یہودی پردیسی جماعتیں شمال مغرب میں تبوک مقنا اور ایلہ وغیرہ اور بحر الاحمر کے ساحل پر اسلام سے قبل بکھری پڑی تھیں۔ مگر تاریخ نے اسلام سے قبل ان پردیسی جماعتوں کے متعلق کوئی اہم بات بیان نہیں کی سوائے بعض مفسرین اور مورخین نے یہ بیان کیا ہے کہ ایلہ کے یہودی وہ ہیں جنہوں نے سبت کے بارے میں زیادتی کی تھی جیسا کہ قرآن پاک میں بیان ہوا ہے۔

طائف اور بحرین میں

مورخین بیان کرتے ہیں کہ ظہور اسلام کے وقت یہودی پردیسی جماعتیں طائف اور بحرین میں بھی موجود تھیں، بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان کے صفحہ ۶۳ پر بیان کیا ہے کہ طائف میں، یثرب اور یمن سے جلاوطن کئے ہوئے یہودی موجود تھے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کو صلح سے فتح کیا اور اس کے تمام عرب باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی، اسلامی حکومت کو جزیہ دینے کے بعد وہاں اپنے دین پر قائم رہے، بلاذری اپنی مذکورہ کتاب میں بیان کرتا ہے کہ طائف کے صوبہ میں یہودیوں کی ایک قوم تھی جسے یمن اور یثرب سے جلاوطن کیا گیا تھا پس وہ وہاں تجارت کے لیے ٹھہر گئے اور ان پر جزیہ لگا دیا گیا اور ان میں سے بعض سے حضرت معاویہ نے طائف میں مال خریدا۔

لے ایلہ، "الف" کی زبر اور "یا" کے سکون کے ساتھ ہے۔ بقائی کہتا ہے کہ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع میں اسے ایک شہر بیان کیا گیا ہے یہ بحر قلزم کے ساحل پر ایک شہر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ حجاز کے آخر اور شام کے شروع میں ہے۔ اور یہ ان یہودیوں کا شہر ہے جنہوں نے سبت کے بارے میں زیادتی کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شہر ہے جسے آج کل صیہونی ایلات کہتے ہیں اور یہ آج کل خلیج عقبہ کے انتہائی شمالی طرف واقع ہے جسے یہودیوں نے دیگر عرب علاقوں کے ساتھ غصب کر لیا ہے قدیم جغرافیہ دانوں کے نزدیک یہ شہر حجازی علاقوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ یاقوت نے اپنے معجم میں یقین سے بیان کیا ہے۔

لے دیکھیے مراصد الاطلاع جلد ا صفحہ ۱۳۵۔

یہود یمن میں اسلام سے قبل جزیرہ عرب میں کسی دوسری جگہ کی نسبت، یمن میں یہودیت پھیلاؤ اور حاکمانہ طاقت کے لحاظ سے سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ اور ایک حمیری بادشاہ کے زمانے میں حکومت کا سرکاری دین بن گئی تھی۔ اگرچہ مورخین، اسلام سے قبل یمن یہودیت کے پائے جانے پر متفق ہیں مگر کسی نے قطعی طور پر بیان نہیں کیا کہ اہل یمن کب اور کس تاریخ کو یہودی دین کے حلقہ بگوش ہوئے۔ ہاں دیگر مورخین اور اسلامی مورخین اس پر متفق ہوتے نظر آتے ہیں کہ یمن کے ساتھ یہودیت کا اتصال تبان اسعد ابی کرب کے زمانے میں ہوا جو یمن کا تبسرا تبع تھا۔ جس نے یثرب میں یہودیت کو قبول کیا پھر اُسے یمن لے آیا اور اپنی قوم کو اس کی دعوت دی اور انہوں نے بلااکراہ اسے قبول کر لیا[1]

ان میں مشہور مؤرخ تھیوڈرس (THEODORUS) بھی شامل ہے۔ اور یہ چھٹی صدی میلادی کے نصف اوّل میں ہوا ہے۔ اس مؤرخ کا بیان ہے کہ حمیری شروع میں یہودی دین پر تھے۔ یہ لوگ اس دین میں ملکہ سبا کے زمانے میں داخل ہوئے جس کا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مشہور ہے کہ آپ نے ملکہ اور ان کو اس دین کی طرف دعوت دی تھی[2]

پس جب اس مغربی مؤرخ کا قول درست ہے تو تمام اہل یمن نے اللہ کے دین برحق کو تسلیم کیا تھا نہ کہ یہودیت کے معروف دین کو، کیونکہ ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائی تھی اور آپ اللہ کے نبی تھے اور حقیقت میں ان کا دین، اسلام ہی تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے جو اس نے مومنہ ملکہ سبا کے متعلق بیان کیا ہے کہ رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان رب العالمین[3] (اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی فرمانبردار ہو گئی ہوں۔

اور ملکہ سبا کے زمانے میں یہودیت کے یمن میں داخل ہونے پر کسی شافی دلیل کی عدم موجودگی سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ موسوی دین ارض یمن میں ملکہ سبا کے اثرات

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۳، طبری جلد ۱ ص ۹۰۱ [2] تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۲ ص ۲۹ [3] النمل : ۴۴۔

سے داخل ہوا ہو۔ اس بات کو کسی اسلامی مؤرخ نے قطعیت سے بیان نہیں کیا۔ لیکن ایسا ہونا بعید امر نہیں۔

یمن میں یہودیت کیسے داخل ہوئی

اسلامی مؤرخین ابن اسحاق اور طبری کے بیان کے مطابق، اسلام سے قبل یہودی وجود کو دو زمانوں میں تقسیم کرنا ممکن ہے۔

۱:۔ آمریت اور غلبے کا زمانہ

۲:۔ کمزوری اور جلا وطنی کا زمانہ

آمریت اور غلبے کے زمانے کا آغاز یمن کے تبع ثالث کے یثرب میں یہودیت کے حلقہ بگوش ہونے سے ہوتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حمیری بادشاہ نے شمال اور ایران سے (جہاں اس نے جنگوں میں حصّہ لیا اور فتوحات حاصل کیں) یمن کی طرف واپس آتے ہوئے یثرب میں یہودی دین کو قبول کیا اور طبری اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس بادشاہ نے مدینہ میں بنی قریظہ کے دو عالموں کے ہاتھ پہ یہودیت قبول کی۔ اور ایک واقعہ میں جس کی شرح طویل ہے بیان ہوا ہے کہ یہ حمیری بادشاہ (تبع ثالث تبان اسعد ابی کرب) کی طرف اس کے باشندوں کو ایک بدلہ میں ہلاک کرنے کے لیے آیا۔ پس جب بنو قریظہ کے دو عالموں کو اس امر کی اطلاع ملی تو انہوں نے تبع بادشاہ کے پاس آکر اسے نصیحت کی کہ وہ اہل مدینہ کی ہلاکت کے عزم کو خیر باد کہہ دے۔ انہوں نے کہا کہ اے بادشاہ ایسا نہ کر۔ اگر تو نے وہی کیا جو تو چاہتا ہے تو تیرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل جائے گی۔ اور اس میں تجھ پر جلد سزا نازل ہونے کا خوف دامن گیر ہے اس نے کہا ہاں کیوں ہو گا؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ آخری زمانہ میں قریش سے جو نبی اس حرم میں ظاہر ہو گا یہ اس کی ہجرت گاہ ہے یہ اس کا گھر اور قرار گاہ ہو گا تو وہ اس ارادے سے رُک گیا اور اس نے محسوس کیا کہ ان دونوں کے پاس علم ہے اور اس نے جو باتیں ان سے سنیں انہوں نے اسے حیرت میں ڈال دیا پس وہ ان دونوں کے دین کا متبع ہو گیا اور مدینہ سے واپس چلا گیا۔

اور جب اہل یمن کو اس امر کی اطلاع ملی کہ انکے بادشاہ نے یہودی دین میں شمولیت اختیار

کرلی ہے تو انہوں نے اس امر کو نہایت بری طرح محسوس کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ یمن میں داخل ہونے لگا تو حمیری قبائل اس کے اور یمن کے درمیان حائل ہو گئے۔ اور کہنے لگے تم یمن میں ہمارے پاس نہ آؤ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا ہے تو اس نے انہیں بتایا کہ اس کا نیا دین ان کے بت پرستانہ دین سے بہتر ہے۔ حمیری بادشاہ اور اس کی قوم کے لیڈروں کے مناقشات اور مجادلات کے بعد جن کی تفصیل طویل ہے اس نے اپنا نقطہ نظر منوا لیا اور وہ دو یہودی عالم بھی جنہیں وہ یثرب سے اپنے ساتھ یمن کی طرف لے گیا تھا اس بحث و مناظرہ میں اس کی مدد کرتے رہے۔ پس اس کی تمام قوم یہودیت میں داخل ہو گئی اور اس دن سے یہ اہل یمن کا سرکاری دین بن گیا۔ یہ یہودیت کے یمن میں داخل ہونے کا سبب اور آغاز ہے۔

اور یمن میں یہودیت کی کمزوری اور اس کے پیروکاروں کی جلاوطنی کے عہد کا آغاز ملک ذوالنواس (تبع یمن خاص) اور حمیرہ آخری بادشاہ کے انجام سے ہوتا ہے اور یہ وہ بادشاہ ہے جس نے (اصحاب الاخدود) خندق والوں واقعہ کیا تھا۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں وارد ہے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ تبع خاص (ذو النواس) کو اطلاع ملی کہ نجران میں عیسائیوں کے کچھ لوگ رہتے ہیں۔ پس یہ اپنی فوجیں لے کر ان کی طرف گیا۔ اور انہیں عیسیٰ بن مریم کے دین کو ترک کرنے اور یہودیت کو قبول کرنے کی دعوت دی اور انہیں اختیار دیا کہ چاہے وہ یہودیت اختیار کر لیں۔ چاہیں تو قتل ہونا پسند کر لیں۔ پس انہوں نے حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے دین کو چھوڑنے کی بجائے قتل ہونا پسند کر لیا۔ جس سے اس کا غصہ بھڑک اٹھا اور اس نے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر انہیں آگ سے بھر دیا اور انہیں خندقوں کی آگ میں پھینکنے لگا۔ اور اس نے ان میں سے تقریباً بیس ہزار آدمیوں کو قتل کر دیا۔

یہ ذوالنواس جس نے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا اس کی طرف قرآن کریم نے ارشاد کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ قتل اصحاب الاخدود والنار ذات الوقود اذ هم عليها قعود وهم على ما يفعلون بالمؤمنين شهود وما نقموا منهم الا ان يؤمنوا بالله العزيز الحميد [1]

---

[1] البروج آیت ۴ تا ۸۔

احباش کے ہاتھوں تبابعہ کی حکومت کا خاتمہ

جب حبش کے بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی جو حمیر والی کے بادشاہ ذونواس یہودی کے ہاتھوں اس کے نصرانی بھائیوں کو پیش آیا تو اس نے قیصر روم کے ایماء پر ایک عظیم لشکر تیار کیا جس میں ستر ہزار حبشی جانباز شامل تھے اور اس نے فوج کے سالار کو حکم دیا کہ وہ ذونواس سے جنگ کرنے کے لیے سمندر عبور کر کے یمن جائیں۔ پس اس نے حکم کی اطاعت کی اور جب دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو ذونواس کو شکست ہوئی اور اس کا گھوڑا اسے سمندر میں لے کر گھس گیا یہاں تک کہ پانی نے اسے ڈبو کر مار دیا اور احباش کو فتح حاصل ہوئی۔ پس حبشی سالار یمن پر قابض ہو گیا اور اسلام سے قبل یمن میں یہ یہودیت کے خاتمے کی ابتدا ہوئی ہے۔ احباش نے انہیں سخت سزائیں دیں اور ان کی قوت ختم ہو گئی اور یمن سے یہودیت کا سایہ سکڑنے لگا۔ اور ان کی اکثریت وہاں سے ہجرت کر گئی اور یمن میں صرف وہی کمزور اور ذلیل لوگ باقی رہ گئے جو قتل ہونے سے بچ گئے تھے اسلام سے قبل، احباش کے قبضہ کے بعد، یمن کے یہودیوں پر شدید عذاب اور قتلام کی سزا نازل ہوئی۔ پھر بھی یہودی پردیسی جماعتیں صدیوں تک حتیٰ کہ ظہور اسلام تک یمن میں بود و باش رکھتی رہیں اور یمن میں یہودی لوگ بیسویں صدی کے وسط تک باقی رہے۔ اور ان واقعات کے بعد جن کے نتیجے میں یہودیوں نے فلسطین کو غصب کر لیا۔ وہ اسرائیل کی طرف ہجرت کر گئے۔

اس امر کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یمنی یہودی اسرائیلی قوم سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ عرب ہیں کیونکہ جو شخص یہودیت کو یمن میں لایا وہ عربی حمیری بادشاہ تھا جس نے اپنی حمیر قوم کو اس دین کی دعوت دی جسے اس نے یثرب میں دو یہودی عالموں کے ذریعے قبول کیا تھا اور ان سب نے اس کی پیروی میں یہودیت کو قبول کر لیا تھا تاریخ سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اسرائیلی جنگجو بہت بڑی تعداد میں یمن آئے تھے۔ عربی تاریخ صرف یہی بیان کرتی ہے کہ ملک تبع جس نے یثرب میں یہودیت قبول کی تھی اس کے ساتھ ان دو اسرائیلی عالموں کے سوا، جن کے ذریعے یثرب میں اس نے یہودیت قبول کی تھی اور

کوئی یہودی اس کے ساتھ نہیں آیا، اس لحاظ سے یمنی یہودی علی الاطلاق اسرائیلی یہودی نہ ہوئے جیساکہ یثرب کا حال ہے بلکہ وہ حمیری عرب ہیں جنہوں نے یہودیت اختیار کرلی تھی اور وہ یثرب اور جزیرہ کے شمالی علاقوں کے یہودیوں سے مختلف قوم ہیں۔

اور یہ کوئی مستبعد نہیں کہ جب بعض تبابعہ کے ہاتھوں جنہوں نے یہودیت کو قبول کرلیا تھا یمن میں یہودیت کو مرکزیت حاصل ہوئی اور وہ ملک کا سرکاری دین بن گئی ہو تو اسرائیلی یہودی بھی شام سے یمن آ گئے ہوں مگر کسی مؤرخ نے اس امر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ مگر ڈاکٹر جواد علی اپنی کتاب "تاریخ العرب قبل الاسلام" کی جلد ۱ کے ص۲۴ پر لکھتا ہے۔

"میرے نزدیک یمن میں یہودیت کے دخول کے زمانے کا تعلق، اس زمانے سے ہے جب عہد قدیم میں تجارتی، بحری اور بری قافلوں کے ذریعے اس کا تعلق ملک شام سے ہوا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے واقعہ میں ان تعلقات کی طرف نیز متعدد عوامل کے باعث اس علاقے سے بواسطہ حجاز یہودی جماعتوں کی ہجرت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جن میں سے ایک عامل تجارت بھی ہے اور باہر کی طرف ہجرت کرنے کا سبب فقط رومیوں کا فلسطین پر قابض ہوجانا ہی نہیں ہے بلکہ یہودیوں کا آپس میں جھگڑنا بھی ہے۔"

اور اس امر میں مؤرخین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں تبع خامس ذونواس کے قتل اور احباش کے یمن پر قابض ہونے کے بعد یہودیت نے یمن میں اپنا کوئی نشان قائم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ظہور اسلام کے وقت یمنی یہودیوں کی حالت ذکر کے قابل نہ تھی اور یہی حال خاص کر یہودان یثرب کا اور عموماً یہودان شمال کا تھا۔ تاریخ نے یہودان یمن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب یمن کے ایرانی حکمران نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے اسلام کی جدید حکومت کو قبول کرتے ہوئے اطاعت کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو جزیہ دیا۔

یہود مکہ میں جزیرہ عرب میں، اسلام سے قبل یہودی وجود کی یہ مختصر تاریخ ہے اور یہی وہ سربراہی اور ثانوی مقامات ہیں جہاں اسلام سے قبل یہود کی مرکزیت تھی۔ ہم نے جن تاریخی مصادر کو دیکھا ہے ان سے ہمارے علم میں یہ بات

نہیں آئی کہ جزیرہ عرب میں ان مقامات کے سوا، جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہود کے اور بھی مرکزی مقامات تھے۔

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلام سے قبل، مکہ میں یہودی موجود تھے۔ ان مستشرقین میں ولفنسن بھی شامل ہے لیکن اس خیال کی کسی تاریخی ماخذ سے تائید نہیں ہوتی، خصوصاً اس خاص تاریخ سے جسے انہوں نے اسلام سے پہلے اور بعد کی تاریخ عرب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اگر اسلام سے پہلے یا اس کے ظہور کے وقت یہودیوں کا مکہ میں کوئی وجود ہوتا تو مسلمان مؤرخین جن کی کتابیں جزیرہ عرب میں یہودی وجود کی تاریخ کے متعلق اہم ترین ماخذ تصور کی جاتی ہیں وہ اس سے بے خبر نہ رہتے خصوصاً اس لیے کہ غیر اسلامی عناصر میں سے یہودی اسلام کے سب سے شدید دشمن ہیں۔ پس اگر یہ اسلام سے پہلے مکہ میں موجود ہوتے تو مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے میں ان کا نمایاں کردار ہوتا۔ خصوصاً اس لیے کہ ظہور اسلام کے وقت قریش کو مطلقانہ اختیارات حاصل تھے اور ان کا معارضہ اسلام کے ظہور کے وقت حد درجہ سخت ہوتا تھا۔[۱]

عرب میں یہودیت کے اثرات

جزیرہ عرب میں یہودی وجود کی تاریخ کے تفحص کرنے والے بوضاحت معلوم ہو جائے گا کہ اگرچہ اسلام سے پہلے جزیرہ عرب میں یہودیت پر سترہ صدیوں سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے پھر بھی بت پرست اعراب پر جن کے درمیان یہودی طویل صدیوں تک رہے ہے۔ یہودی دین کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا، خصوصاً یثرب، خیبر اور دیگر شمالی علاقوں پر جو ظہور اسلام تک یہودیوں کے عظیم گڑھ اور مرکز ثقل تھے۔ اور نہ ہی تاریخ میں یہ ذکر ہے کہ خیبر، یثرب اور شمال کے کسی قبیلے یا کسی عرب قبیلے نے یہودیت کو اپنا دین بنایا ہو[۱]۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوتا اسلامی

بنی عثم بن عکارمہ کے متعلق ربیعی قبیلے سے ہیں ام بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر تیمار میں یہودیت کو اختیار کیا تھا۔ البکری نے اپنے معجم کی جلد کے ص۲۹ پر بیان کیا ہے کہ ان کی پارٹی نے بنی الربعہ کے متعدد آدمیوں کو قتل کر دیا پھر وہ بھاگ کر تیمار میں آگئے۔ جو اسلام سے پہلے یہودیوں کا قلعہ تھا۔ یہودیوں نے انہیں کہا کہ جب تک تم یہودیت اختیار نہ کرو ہم تمہیں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ تو انہوں نے مجبوراً یہودیت قبول کر لی۔

مورخین جنہوں نے قبل از اسلام اور بعد از اسلام جزیرہ عربیہ کے واقعات کی تاریخ کا اہتمام کیا۔ ہے وہ ضرور اس طرف اشارہ کرتے جیسا کہ انہوں نے ان علاقوں کے تمام نواح کے یہود کی تاریخ کو بیان کیا ہے۔ بلکہ تاریخ تاکیداً بیان کرتی ہے کہ ان علاقوں کے اعراب عموماً بت پرستی پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو لایا اور سب اس میں داخل ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اعراب میں سے کسی ایک شخص نے بھی علی الاطلاق یہودی دین کو اختیار نہیں کیا۔ مورخین نے ان اعراب کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس دین کو قبول کیا تھا۔ مگر وہ بہت تھوڑے ہیں۔

یثرب، خیبر اور شمالی علاقوں میں جہاں یہودی قیام پذیر تھے وہاں کے مجموعی اعراب میں سے ان کی تعداد سو بیس سے دو آدمیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے اہم واقعات میں کسی عربی قبیلے کے لیڈر کا نام یہودی لیڈروں کے ناموں کے درمیان نمایاں نہیں ہے۔ ہاں کعب بن اشرف طائی کا نام زعمائے یہود میں نمایاں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے عربی قبیلے طی نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ماں یہودیہ تھی جسے اس کے باپ نے بنی نضیر سے اپنی زوجیت میں لے لیا تھا تو وہ تربیت کے نتیجہ میں یہودی ہو گیا تھا۔ [1]

اور ان علاقوں کے اعراب میں یہودیت کے اثر کی کمزوری اور عدم اشاعت کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ جن اعراب نے یہودیت کو قبول کیا۔ ان کا یہود اور یہودی وجود کی مدد کرنے میں کوئی اثر و رسوخ نہ تھا۔ نہ اسلام سے پہلے۔ جب یہودیوں نے مغارب سے ہجرت کی اور اس کے بعد اوس اور خزرج نے انہیں سخت جنگ کا نشانہ بنایا۔ اور نہ اسلام کے بعد جب اسلام اور یہود کے درمیان غیر مسلح اور مسلح جنگ ہوئی۔

---

[1] بنی حنذ بن عکارمہ کے متعلق (یہ بلی قبیلے سے ہیں) بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حالات سے مجبور ہو کر تیماء میں یہودیت کو اختیار کیا تھا۔ البکری نے اپنے معجم کی جلد ا کے صفحہ ۲۹ پر بیان کیا ہے کہ ان کی ایک پارٹی نے بنی السریب کے متعدد آدمیوں کو قتل کر دیا تھا پھر وہ بھاگ کر تیماء میں آ گئے جو اسلام سے پہلے یہود کا قلعہ تھا یہود نے انہیں کہا کہ جب تک تم یہودیت اختیار نہ کرو گے ہم نہیں داخل ہونے دیں گے تو انہوں نے مجبوراً یہودیت اختیار کر لی۔

معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اندر بھی یہود کی انانیت ، وہ امر ہے جس نے بت پرست عربوں کے درمیان ان کے دین کی اشاعت کی رغبت کو کمزور کر دیا ہے یا بالکل ختم کر دیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جن مورخین نے جزیرہ عرب کی تاریخ لکھی ہے ان میں کسی نے بھی کسی ایسی پروپیگنڈا کارروائی کا ذکر نہیں کیا جو یہود کے کاہنوں اور علماء نے طویل صدیوں میں بت پرست عربوں کے درمیان یہودی دین کی نشر و اشاعت کے لیے کی ہو۔ جیسا کہ قبل از اسلام عیسائی علما کرتے تھے۔ وہ عیسائیت کی تاریخ کی اشاعت کے لیئے اعراب کے پاس جاتے تھے جیسا کہ نجران کے علاقہ میں ہوا جو اسلام سے قبل جزیرہ عرب میں عیسائیت کا بڑا گڑھ تھا۔

اور دوسروں کے درمیان یہودیت کی اشاعت کے لیئے جوش و خروش نہ دکھانے کی عادت ہمیشہ ہی تمام یہودی پارٹیوں کے لازم حال رہی ہے حتیٰ کہ اس وقت تک بھی یہی کیفیت ہے جسے اچھی طرح مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور یہ بات ہمارے خیال کی مؤید ہے کہ یہودیت کا ان عربوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جن کے علاقوں میں طویل صدیوں تک دخیل یہودی رہتے تھے۔ اور خصوصاً یثرب، خیبر اور شمال کے علاقہ میں،

یمن میں یہودیت کے اثرات

اگر کسی عربی قبیلے یا قوم نے یہودیت قبول کر لی ہو جیسا کہ حمیریوں نے یمن میں کیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہودیوں کے علماء یہودیت کی اشاعت کے لیے پروپیگنڈہ کے میدان میں وسیع تر سرگرمیاں دکھاتے تھے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یمن کے قبیلہ تبع ثالث (تبان اسعد) جو بت پرست تھا نے بغیر کسی غور و فکر کے یہودیت کی اس بات کو قبول کر لیا جو بنی قریظہ کے دو عالموں نے نصیحت کے رنگ میں اس کے سامنے پیش کی تھی کہ وہ مدینہ کو گزند نہ پہنچائیں کہ وہ اسلام کے نبی کا ہیڈ کوارٹر ہوگا۔ ان دنوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کیا جاتا تھا۔ اس نے ان دونوں کی باتوں کو اچھا سمجھا اور یہودیت قبول کر لی پھر وہ خود اس کا داعی بن گیا اور اس نے یمن کی طرف جا کر حمیریوں کو یہودیت کی طرف دعوت دی اور انہوں نے اسے قبول کر لیا[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ا صـ ۲۳

پھر مورخین کے اس واقعہ کے اسلوب کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیح دین پر قائم تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے یہودیوں کی طرح اس امر کو مخفی نہیں رکھا کہ ایک عربی نبی مکہ میں ظاہر ہوگا اور مدینہ کی طرف ہجرت کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تبع یمن کو انتباہ کیا کہ اگر اس نے مدینہ کو تباہ و برباد کیا تو اسے اللہ تعالیٰ سزا دے گا۔ پس یمن میں یہودیت کی اشاعت کا واقعہ ایک انفرادی واقعہ ہے جس کی یہودیت کی اشاعت کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں پائی جاتی اور اس کی ایک دلیل یہ ہے (جیسا کہ ابن اسحاق بیان کرتا ہے) کہ جب یہ دونوں عالم ملک تبع کے ساتھ یمن گئے اور انہوں نے وہاں بت پرستوں کو دیکھا اور انہیں دین توحید کی طرف دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے خوارق کے ساتھ ان کی تائید کی اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی اور یہ ایک طویل داستان ہے[1]

جزیرہ کے یہودی دوسرے یہودیوں کی نظر میں

دوسرے یہودی، جزیرہ کے یہودیوں کو ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بلکہ وہ انہیں ایک منحرف اور گمراہ جماعت خیال کرتے تھے۔ تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ صٓ۸ پر ونفسن کی کتاب تاریخ الیہود فی بلاد العرب صٓ۱۳ کے حوالہ سے منقول ہے کہ:۔

"جزیرہ عرب کے یہودی، دوسرے یہودیوں سے الگ تھلگ تھے۔ اور دوسرے یہودی انہیں عقیدے میں اپنا ہمنوا نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ انہیں یہودی ہی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے موسوی قوانین کی محافظت نہیں کی، اور نہ ہی تلمود کے احکام کی اطاعت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جزیرہ عرب کے یہودیوں کے متعلق کوئی واقعہ عبرانی مولفین کے واقعات میں بیان نہیں ہوا۔"



---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صٓ۲۳

عرب اور یہودی ثقافت

تاریخ نے مطلقاً اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ جزیرہ کے جن علاقوں پر یہودیوں کا تسلط تھا۔ ان میں عرب یہودی ثقافت سے کچھ بھی متاثر ہوئے ہوں۔ حالانکہ انہیں صدیوں تک یثرب، خیبر اور شمال کے علاقوں میں پورا تسلط حاصل رہا ہے۔ بلکہ جو کچھ ہوا ہے اس کے برعکس ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہودی عربی ثقافت سے متاثر ہوئے اور انہوں نے زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ان بہت سے انفرادی خصائص کو ترک کر دیا ہے۔ جن میں وہ ممتاز تھے۔ اور ہر زمانے اور ہر مقام پر ان کی شدید محافظت کرتے تھے۔ پس بجائے اس کے کہ وہ عرب ثقافت کو پگھلا دیتے، عرب ثقافت نے انہیں پگھلا کر رکھ دیا۔ خصوصاً نعت، اشعار اور ادب کے میدانوں میں، حتیٰ کہ ... بطون و قبائل بلکہ افراد کے ناموں تک یہودی، اپنی عبرانی، اسرائیلی طبیعت کی حفاظت نہیں کر سکے۔ جیسا کہ اب تک وہ جس غیر ملک میں رہتے ہیں اپنی طبیعت پر رہتے ہیں۔

جزیرہ عرب میں یہودی قبائل و بطون اور افراد کے اکثر نام (خصوصاً یثرب، خیبر اور شمال میں) محض عربی ہیں اور جزیرہ عرب میں ایک بھی یہودی قبیلہ ایسا نہیں جو اپنا اسرائیلی نام رکھتا ہو، سوائے ایک نام کے، اور وہ نام "زاعوراء" ہے جو یثرب میں ہے۔ جیسا کہ یثرب میں یہودی قبائل کے ناموں میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرنے کے لیے نام ہی کافی ہیں بلکہ نوبت یہاں جا رسید کہ یہودی علماء اور لیڈروں کے نام بھی اپنے اندر عبرانی جھلک نہیں رکھتے۔ ان تمام علماء اور زعماء کے نام خالص عربی طبیعت کے حامل ہیں جیسے کعب بن اسد، حیی بن اخطب، کنانہ بن الربیع، سلام بن مشکم، سلام بن ابی الحقیق، ابی عامر الراہب، عبداللہ بن صیفی، عدی بن زید، حارث بن عوف، زبیر بن باطا۔

یہ سب یہودی اسرائیلی ہیں، کسی ایک مورخ نے بھی بیان نہیں کیا کہ وہ عرب تھے اور انہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو مورخین اس کی وضاحت کرتے جیسا کہ انہوں نے کعب بن اشرف کے عرب ہونے کو واضح کیا ہے کہ وہ عرب کے طی قبیلہ سے

تعلق رکھتا تھا۔

ہمارے یقینی طور پر پتہ چلتا ہے کہ اسرائیلی یہودی، عربی ثقافت سے متاثر ہوئے ہیں اور یہ ثقافت تمام میدانوں میں یہودی ثقافت پر غالب آگئی ہے۔ حتیٰ کہ اس زبان پر بھی غالب آگئی ہے جس کے ذریعے ہم آپس میں گفتگو کرتے ہیں نہ کہ عربوں کے ساتھ۔ اور عبرانی زبان، شاذی زبان بن گئی ہے۔ کیونکہ وہ ایک تنگ حلقے میں محصور ہوگئی ہے جو صرف ان کے دین کا حلقہ ہے۔ ان کے کاہنوں اور عالموں کے سوا کوئی دوسرا آدمی اُسے اچھی طرح بول بھی نہیں سکتا اور ان کے عوام صرف عربی جانتے ہیں، تاریخ کی کتابوں میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ وہ آپس میں عبرانی زبان میں بات کرتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو مؤرخین اس کا ضرور ذکر کرتے۔

یہودیوں کے شعراء

جب عربی ثقافت نے طویل صدیوں میں ان یہودیوں کی ثقافت کو پگھلا دیا۔ اور اس پر غالب آگئی۔ تو وہ اپنی ثقافتی ہستی کو بھول گئے اور دین کی زبان کے سوا (جو فقط ان کے علماء سے خاص ہے) وہ یہودی ثقافت کو اچھی طرح قائم نہیں رکھ سکے۔ پس فکر و شعر میں بھی ان کی طبیعت، عربی طبیعت سے مختلف نہیں ہوئی عربی ماحول کی ثقافت کے عظیم سمندر نے ان کو نگل لیا ہے۔ ان یہودیوں میں اچھے اچھے شعراء ہوئے ہیں جو اپنی طبیعت اور فصاحت شعری میں عرب کے اصلی اور عظیم شعراء سے مختلف نہیں ہیں۔

السموأل بن عادیا

یہود کے شعراء میں سے سب سے ممتاز السموأل بن عادیہ ہے۔ جس کے اشعار مشہور و معروف ہیں اور وہ تیماء کے یہودیوں میں سے تھا جو شمالی علاقے میں واقع ہے اور وہ ابلق قلعے کا مالک تھا اور وفاداری میں مشہور ہے اور اس کے اشعار میں سے قصیدہ لامیہ بہت مشہور ہے جس کے بہت سے اشعار ضرب المثل کے طور پہ بیان ہوتے ہیں۔

”جب انسان بخل سے اپنی عزت کو داغدار نہ کرے تو وہ جو چادر بھی اوڑھے اُسے خوبصورت لگتی ہے۔ اگر وہ جان پر ظلم برداشت نہ کرے تو حسن ثناء تک جانے کوئی سبیل نہیں ہے۔ تو ہمیں طعنہ دیتی ہے کہ ہم تعداد میں کم ہیں، میں نے اُسے کہا کریم لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں

اور ہمیں ہماری قلت نے نقصان نہیں دیا۔ اور ہمارے پڑوسی غالب ہیں۔ اور اکثر لوگوں کے پڑوسی ذلیل ہوتے ہیں۔

السموأل کے فصیح اشعار میں سے یہ بھی ہیں۔

"اے مجھے ملامت کرنے والی! مجھے ملامت نہ کر۔ میں نے ملامت گر عورت کے کتنے ہی احکام کو نہیں مانا۔ اب مجھے چھوڑ دے۔ اگر میں گمراہ ہو گیا ہوں تو تو راہ راست اختیار کر اور اپنے خیال میں میری طرح گمراہ نہ ہو۔ اے ملامت گر تو نے بہت ملامت کرلی ہے۔ اور اگر میں اس کا جواب دیا کرتا تو آخر تک پہنچ جاتا۔ اور اگر کوئی جوان ملامت گر کی ملامت سے روتا ہے تو میں رو پڑتا۔ اور زرد کلائیوں والی نے مجھے دعوت وصل دی تو میں نے انکار کر دیا[۱]

السموأل کے اور بھی فصیح اشعار موجود ہیں۔ مگر ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

السموأل کا بھائی سعیہ

السموأل کا بھائی بھی اچھا شاعر تھا جس کا نام سعیہ بن عریض بن عادیہ ہے۔ اس کے بہترین اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں۔

"اے سعدیٰ کے گھر جو لعم ٹیلہ کی وسیع جگہ پر ہے تجھے چٹیل میدان اور قدیم جگہ پر گھر ملا ہے۔ ہم نے آواز دی تو گھر نے ہمارے ساتھ بات تک نہ کی۔ اور جب اس سے سوال کیا گیا تو اس کا بھی کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے خیال کیا کہ بہرا ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ تیری گھبراہٹ سے کیا ہوتا ہے۔ ایک بیل گائے وہاں ٹھہری ہوئی ہے اور ہنڈیا کی راکھ اور کوئلوں کی وجہ سے خاموش ہے۔"

اور سعیہ بن عریض یہودی کے شاندار اشعار میں سے یہ بھی ہیں۔

"جب عشق کے اسباب امڈ پڑتے ہیں۔ اور سننے والا، بولنے والے کو خاموش کرا دیتا ہے اور لوگوں کی عقلیں عاجز ہو جاتی ہیں تو ہم عادلانہ فیصلہ کرتے ہیں۔ ہم حق کو باطل بنانے اور حق کو چھوڑ کر باطل پر اصرار نہیں کرتے۔ ہم اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ ہماری

---

[۱] الاغانی جلد ۱۹ ص ۱۰۲

عقلوں کو ہلکا قرار دیا جائے اور ہم گمنام شخص کے ساتھ زمانے کو بھی گمنام کر دیں۔

پھر کہتا ہے :۔

"جب میرا مال گم ہو گیا اور مصائب نے مجھے برباد کر دیا تو میں نے دیکھا کہ میرے دوست مجھے چھوڑ گئے۔ اور جب میں مالدار ہو گیا اور میرا مال مجھے واپس مل گیا تو تیرا باپ نہ ہے وہ مجھ سے بات چیت کرنے لگے۔"

اوس بن دنن القرظی

یثرب کے بہترین یہودی شاعروں میں سے اوس بن دنن تھا جو بنی قریظہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے اشعار میں سے یہ اشعار بھی ہیں۔

"میرے دل تو زینب کو کب تک یاد کرتا رہے گا۔ اس پیاری کا وصل بہت مشکل ہے وہ منقش باغ جسے موسم بہار کا بادل سیراب کرے۔ اور اس کے ارد گرد خشک زمین ہو۔ اس سے یہ بات زیادہ لذت دار ہے کہ وہ ہمیں کہے کہ تھوڑا چلو قافلہ ملنے والا ہے۔"

مندرجہ ذیل اشعار اس نے اس وقت کہے جب اس کی بیوی نے اسلام لانے کے بعد اُسے دعوت اسلام دی تو اس نے کہا۔

"میں جب اس سے ملا تو اس نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ میں نے اُسے کہا بلکہ تو یہودی ہو جا۔ ہم موسیٰ کی تورات اور اس کے دین پر قائم ہیں۔ اور میری زندگی کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی کیا ہی اچھا ہے۔ ہم دونوں کو معلوم ہے کہ رسالت اس کا دین ہے۔ اور جو ہدایت کے دروازوں تک چلا جائے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔" [1]

ابوالزناد یہودی

یثربی یہودی شعراء میں سے ایک ابوالزناد ہے وہ کہتا ہے:

"کیا تو اس گھر کو جانتا ہے جس کے رہنے والے حجر، ستوی اور ثمد کی طرف چلے گئے ہیں۔ وہ گھر ایک خوش طبیعت اور خوبصورت عورت کا ہے۔ اس کے دانت ایسے ہیں کہ جب وہ ہنستی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جڑے ہوئے اولے ہیں۔ ہائے اس سرگردان اور حریص اور قیدی کے دل کا کون پرسانِ حال ہے۔ جو اس کے کھو دینے سے تباہ ہو گیا میں اسے

---

[1] الأغانی جلد ۱۹ صـ ۲

دھتکارتا ہوں۔ اور وہ وہاں سے جانے والی نہیں ہے اور میری آنکھ بے خواب ہے۔ وہ آناشگی سے یوں چلتی ہے جیسے کمزور اور حیرت زدہ آدمی بلندی پر چلتا ہے۔"

سارہ قرظیہ بہترین یہودی شاعرات میں سے سارہ قرظیہ بھی ہے۔ اس کے بہت سے فصیح اشعار ہیں جب ابو جبیلہ غسانی بادشاہ نے ان پر حملہ کیا جس کا ذکر پہلے بیان ہو چکا ہے تو اس نے اپنی قوم بنو قریظہ کا مرثیہ کہا۔

"میری جان ان لوگوں پر فدا ہو جنہیں ذی حرض میں کسی چیز نے کام بند دیا اُسے ہوائیں مٹا رہی ہیں۔ خزرجیوں کی تلواریں اور نیزوں نے بنو قریظہ کے جوانوں کو تباہ کر دیا۔ ہم مصیبت میں پڑ گئے اور وہ مصیبت بہت بڑی تھی۔ وہاں کے باشندوں کو خالص پانی بھی کڑوا لگتا تھا۔ اور اگر وہ اپنے معاملے کو بڑھاتے تو ان کی حفاظت میں جرار لشکر جولانی کرتے۔"

یہودیوں میں اور بھی اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا تذکرہ الجمحی نے طبقات الشعراء میں کیا ہے۔ ابو حیان، دوستی اور دوست کے متعلق اور بحتری ان میں سے بہادری کے متعلق اشعار کہتا ہے۔ ربیع بن ابی الحقیق، کعب بن اشرف، سریع بن عمران، ابو قیس بن رفاعہ، ابو الذیال اور درہم بن زیدان شعراء کے اشعار کے نمونے ہم نے عدم گنجائش کی وجہ سے بیان نہیں کیے۔ کیونکہ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ یہودی عربی ثقافت سے اس حد تک متاثر ہوئے ہیں کہ وہ اپنی ثقافت کو بھول گئے ہیں۔

٭

لہ الاغانی جلد ۱۹ ص ۲

فصل دوم

- ـــــ جزیرہ عرب میں اسلام کے بعد یہود کی مختصر تاریخ ۔
- ـــــ اسلام کے ظہور کے وقت ان کا مؤقف ۔
- ـــــ جزیرہ میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی اور حربی دنگل کے مراحل

ظہور اسلام کے بعد یہود کی حالت

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہودی اپنے سیاسی اثر و نفوذ اور مادی تسلط کا بڑا حصہ دوبارہ حاصل کر چکے تھے، کیونکہ اوس اور خزرج کے قبائل متفرق ہو چکے تھے اور دونوں کے درمیان طویل صدیوں تک دوسرے عربوں کو چھوڑ کر بکثرت تباہ کن جنگیں ہو چکی تھیں۔"

جب سے پہلی صدی مسیحی میں مالک بن عجلان کے زمانے میں یہودیوں کی سیاسی اور عسکری قوت اوس اور خزرج کے ہاتھوں پاش پاش ہوئی۔ اس وقت سے یہ یثرب کے علاقے میں از سر نو اپنے نفوذ کو بڑھانے کے لیے مکر و سیہ کاری کے وسائل سے کام لے رہے تھے تاکہ وہ یثرب کے حکمران بن جائیں جیسے کہ وہ اوس اور خزرج کے مآرب سے مدینہ پہنچنے سے قبل حاکم تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یثرب کو اس تسلط سے بچا لیا اور وہ اس طرح کہ ان یہودیوں میں خود ہی پھوٹ پڑ گئی۔ اور وہ ایک دوسرے سے جنگ کرنے لگے۔

اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اور آپ نے دعوت اسلام دی تو

اس دین سے یہودیوں کا گلا گھٹ گیا اور انہوں نے اس کی عداوت کی ٹھان لی۔ کیونکہ وہ اس کی اشاعت میں اپنے توسیعی عزائم کی موت اور اپنے اس سیاسی اور مالی تسلط کے سائے کو سکڑتا ہوا دیکھتے تھے جو عرب کے علاقے کو نئے سرے سے اپنے پیروں تلے سمیٹ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اوّل ساعت سے ہی اس دین کا مقابلہ کرنے لگے اور اس کے حامل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی صداقت کے بارے میں شکوک پھیلانے لگے۔ حالانکہ ان یہودیوں کے لیے اور خصوصاً ان کے علماء اور عظیم دانشوروں کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اچانک نہیں تھا۔ یہ یہودی اپنی تورات کی رو سے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب عربوں سے مکہ کی جانب ایک نبی کو مبعوث کرے گا۔ اور ظہور اسلام سے قبل مدارس و معابد میں اپنے بچوں کو اس نبی منتظر کی آمد کی پیشین گوئی کی تلقین کیا کرتے تھے جو ان کے ہاں تورات میں لکھی ہوئی تھی۔ بلکہ یہ یہودی حضرت نبی علیہ السلام کے ظہور سے قبل مدینہ کے باشندوں کو اعلانیہ کہتے بلکہ انہیں ڈراتے۔ خصوصاً جب وہ انہیں اذیت دیتے۔ کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہو گا۔ اور وہ اس کے ساتھ ہو کر ان سے انتقام لیں گے اور وہ اپنے بدلے اس پر ایمان لا کر اور اس کی اتباع کریں گے

لیکن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ یہ یہودی آپ پر ایمان لانے کی بجائے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہوا تھا کہ یہ وہی نبی ہے جس کی وہ بشارت دیا کرتے تھے۔ آپ کے دشمن اور سرکشی اور حسد سے آپکی دعوت کے شدید ترین مکذب بن گئے پس یہ بدبخت بن گئے۔ اور دوسرے اہل مدینہ جو ان سے بار بار اس نبی کے ظہور کی بشارت سنا کرتے تھے وہ سعادت مند بن گئے۔

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے اپنی قوم کے آدمیوں کے حوالہ سے بتایا وہ کہتے تھے کہ ہم یہودیوں کے آدمیوں سے جو باتیں سنا کرتے تھے ان کی وجہ سے ہم اللہ کی رحمت سے ایمان لائے اور اس نے ہمیں ہدایت دی۔ حالانکہ ہم مشرک اور بت پرست تھے اور اہل کتاب کے پاس جو علم تھا وہ ہمارے پاس نہ تھا۔ اور پھر ہمیشہ ہی ہمارے اور ان کے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ پس جب ہم انہیں کوئی تکلیف دیتے تو وہ ہمیں کہتے کہ اب نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آ گیا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کرینگے۔ اور یہ بات ہم ان سے سنا کرتے تھے۔ پس جب اللہ تعالیٰ

نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ہم نے اُسے قبول کر لیا۔ اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ اس نبی سے ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ پس ہم آپ پر جلد ایمان لائے اور انہوں نے آپ کا انکار کر دیا اور ان کے بارے اور ہمارے بارے میں سورہ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں ہیں۔

ولما جاءھم کتاب من اللہ مصدق لما معھم۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین۔

حضرت محمد صلی علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق یہودیوں کی باتیں

ابن اسحاق نے اپنی سند سے سلمہ بن سلامہ بن وقش (یہ اصحاب بدر میں سے تھے) سے بیان کیا ہے کہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی ہمارا پڑوسی تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے ہمارے پاس آیا اور بنی عبدالاشہل کو دیکھنے لگا۔ سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان دنوں ان سب سے نو عمر تھا۔ مجھ پر ایک چادر تھی۔ اور میں اپنے گھر کے صحن میں اُسے لے کر لیٹا ہوا تھا، پس اس نے قیامت، بعث، حساب، میزان اور جنت و دوزخ کا ذکر کیا۔ راوی کہتا ہے کہ اس نے کہا کہ یہ سب باتیں مشرکوں اور بت پرستوں کے لیے ہیں. جو سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی بعث ہونیوالا نہیں۔ انہوں نے اسے کہا تیرا بُرا ہو، کیا تیرے خیال میں یہ سب کچھ ہونے والا ہے اور لوگ موت کے بعد ایسے گھر سے اٹھائے جائیں گے۔ جس میں جنت اور دوزخ ہوگا۔ اور اس میں انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ اس نے کہا۔ "ہاں" اور اس پر قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اس گھر میں اس کے حصے میں آگ کا سب سے بڑا تنور آئے جسے وہ گرم کریں گے۔ پھر اس میں داخل ہوں گے۔ اور اس غرض سے اس کی لپائی کریں گے کہ کل وہ اس آگ سے نجات پا جائیں گے۔ انہوں نے اُسے کہا تیرا بُرا ہو اس کی علامت کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان علاقوں میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور اس نے اپنے ہاتھ سے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے کہا تو اُسے کب دیکھے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس نے میری طرف دیکھا۔ اور میں سب سے نو عمر تھا۔ اور کہنے لگا۔ اگر اس لڑکے کی عمر نے وفا کی تو یہ اُسے پائے گا۔

سلمہ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور وہ یہودی عالم ہمارے درمیان زندہ تھا۔ پس ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور اس نے حسد اور سرکشی کرتے ہوئے آپ کا انکار کردیا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم نے اُسے کہا تیرا بُرا ہو کیا تو نے ہمیں آپ کے بارے میں یہ باتیں نہیں بتائی تھیں، اس نے کہا ہاں، لیکن یہ وہ نہیں ہے۔

حسد، انکار اور سرکشی نے ان یہودیوں کی اکثریت کو اس حق سے انکار کرنے پر آمادہ کردیا جسے وہ جانتے تھے۔ حالانکہ امانتِ علم ان سے یہ تقاضہ کرتی تھی کہ وہ اس کا حق کا اعلان کریں اور اس کے مددگار بن جائیں۔ ان میں سے کچھ آدمیوں نے جن کو اللہ تعالیٰ نے روشن بصیرت عطا کی تھی۔ اس حق کی اتباع میں جلدی کی جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ اور ان کی یہ جلد بازی بھی ان باتوں کی رہین منت تھی جسے وہ ان کے علماء سے سنتے تھے کہ اس نبی کی آمد قریب ہے۔ نیز انہیں وہ صفات بھی یاد تھیں جو علماء بیان کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے ان صفات کو بعثت کے وقت آپ پر منطبق پایا۔

اب ہم ان یہودیوں سے جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور وہ اسلام لائے۔ ایک سے یہ بات سنتے ہیں یہ سابق یہودی بنو قریظہ کا ایک شیخ تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق اس نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے بیان کیا کہ بچا کیا آپ کو ثعلبہ بن سیعہ، اُسید بن سیعہ کے اسلام کے متعلق معلوم ہے۔ یہ بنی ہدل کی ایک جماعت تھی جو بنو قریظہ کے بھائی تھے۔ یہ جاہلیت میں ان کے ساتھ تھے پھر اسلام میں بھی ان کے سردار تھے، وہ کہتا ہے۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ اس نے کہا کہ شامی یہودیوں میں سے ایک آدمی کو ابن الہیّبان کہتے تھے وہ اسلام سے چند سال قبل ہمارے پاس آیا اور ہمارے پاس ٹھہر گیا۔ خدا کی قسم ہم نے کبھی کسی آدمی کو جو پانچ نمازیں ادا کرتا ہو اس سے بہتر نہیں دیکھا۔ وہ ہمارے پاس ٹھہرا۔ جب بارش نہ ہوتی ہم اُسے کہتے اے ابن الہیبان باہر نکل کر ہمارے لیے بارش طلب کر وہ کہتا خدا کی قسم اس وقت تک بارش کی دعا نہیں مانگوں گا جب تک تم میرے سامنے صدقہ نہ لاؤ ہم اُسے کہتے کتنا صدقہ لائیں وہ کہتا کھجور کا ایک صاع یا جَو کے دو مُدّ، ہم صدقہ نکالتے پھر وہ

ہمارے ساتھ سیاہ پتھروں والی زمین پر جاکر ہمارے لیے خدا سے بارش کی دعا مانگتا۔ خدا کی قسم ابھی وہ اپنی جگہ پر ہی ہوتا کہ بادل گزرنے لگتے۔ اور ہم سیراب ہو جاتے اور یہ واقعہ کوئی دو تین بار نہیں کئی بار ہوا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر ہمارے ہاں ہی اس کی موت کا وقت قریب آگیا۔ پس جب اسے معلوم ہوگیا کہ وہ مرنے والا ہے تو اس نے کہا اے گروہ یہود تمہارے خیال میں مجھے شراب اور خمیر کی سرزمین سے تنگی اور بھوک کی زمین کی طرف کس چیز نے نکالا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا اسے آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس شہر میں صرف اس لیے آیا تھا کہ میں ایک نبی کے ظہور کا منتظر ہوں جس کی آمد کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اور یہ شہر (مدینہ) اس کی ہجرت گاہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ مبعوث ہوگا اور میں اس کی اتباع کروں گا۔ اے گروہ یہود اس کا زمانہ تمہارے پاس آیا ہی چاہتا ہے۔ پس اس سے پیچھے نہ رہنا کیونکہ وہ مخالفین کی خونریزی کرنے اور ان کے بیوی بچوں کو قید کرنے کے لیے مبعوث ہوگا۔ پس یہ بات تمہیں اس سے مانع نہ ہو۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو ان جوانوں نے جو نوعمر ہی تھے بنو قریظہ سے کہا۔ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جس کے متعلق الہیبان نے تمہیں وصیت کی تھی۔ تو انہوں نے جواب دیا یہ وہ نہیں ہے۔ ان نوجوانوں نے کہا خدا کی قسم اس کی وہی صفات ہیں۔ پس انہوں نے اسلام قبول کرکے اپنے اہل و اموال اور خون کو محفوظ کر لیا۔

یہودیوں باوجود اس یقین کے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور مرسل ہیں۔ اسلام سے تنگدل ہو گئے۔ اور انہوں نے اوّل ساعت سے ہی حسد اور سرکشی سے آپ کے مقابلہ اور آپ کی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے پختہ ارادہ کر لیا۔ میں اپنے ان مؤلفین کا مخالف ہوں جو اپنی بعض تالیفات میں کہتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش آمدید کہا اور نہایت اچھی طرح آپؐ کا استقبال کیا۔ اور آپؐ کو محبت کا پیغام دیا۔ اور اس نقطہ نگاہ سے آپؐ کے قریب ہو گئے کہ آپؐ بت پرستی کے دشمن ہیں۔ اور ایسے دین کے حامل ہیں جس کا اور موسیٰؑ علیہ السلام کے دین کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ تاریخی مصادر میں اس خیال کی کوئی تائید نہیں پائی جاتی۔ اور نہ

ہی یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے پر یہ یہودی آپ کے پاس آئے ہوں کسی بناء پر اس بات کو خوشی، محبت اور تکریم کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ تاریخی کتب سے سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ ان یہودیوں کو، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے کا اس قدر غم ہوا کہ قریب تھا کہ ان کی جانیں نکل جائیں۔ انہوں نے سرزمین مدینہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا بڑے غیظ و غضب سے مقابلہ کیا۔ اور اعلانیہ آپؐ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور آپؐ کے بغض پہ پیچ و تاب کھائے۔ اور جس وقت سے آپ انصار مدینہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ اس کی اول ساعت سے ہی انہوں نے آپؐ کے اور آپؐ کے دین کے خلاف تدابیر کیں۔

یہود نے حق کی معرفت کے بعد اس کا انکار کیسے کیا

پس یہ دو عالم، مدینہ میں یہود کے سب سے بڑے عالموں میں سے تھے۔ اور ان پر فرض تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے خوش ہوتے اور آپؐ کو خوش آمدید کہتے اور آپؐ کی دعوت پر ایمان کا اعلان کرتے۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہ وہی نبی ہے جس کے متعلق ان کے ہاں تورات میں لکھا ہوا موجود ہے۔

یہ دو عالم حیی بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر ہیں۔ حیی نے بعد میں احزاب کو جمع کیا اور مدینہ میں مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے مختلف عرب قبائل کے دس ہزار جانبازوں کی قیادت کی۔ ان دونوں کے دلوں کو حسد نے تباہ کر دیا۔ اور انہوں نے حضور علیہ السلام کے مدینہ پہنچتے ہی آپ کے خلاف دل میں وہ بغض و کینہ رکھا جو ان کے جیسے خبیث دلوں میں ہی سما سکتا ہے۔ حالانکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی یہ یقین ہو گیا تھا کہ موعود نبی کے تمام اوصاف آپؐ پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ مجھے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمر بن حزم نے بتایا کہ مجھے صفیہ بنت حیی بن اخطب نے بتایا کہ میں اپنے باپ اور چچا یاسر کو تمام بچوں سے زیادہ عزیز تھی میں جب کبھی بھی ان دونوں کے بچوں کے ساتھ انہیں ملی انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں

اترے تو میرا باپ اور میرا چچا یاسر منہ اندھیرے آپؐ کے پاس گئے۔ اور غروب آفتاب کے وقت واپس آئے وہ بیان کرتی ہیں کہ دونوں بڑے تھکے ماندے سُست اور گرتے پڑتے آہستگی سے چل رہے تھے، میں حسب عادت ان دونوں کی طرف مشتاقانہ گئی۔ مگر خدا کی قسم ان دونوں میں سے غم کے باعث کوئی بھی میری طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے چچا یاسر کو سُنا وہ میرے باپ حیی بن اخطب سے کہہ رہا تھا

کیا یہ وہی نبی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم وہی ہے۔

اس نے کہا کیا تو اسے پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں،

اس نے کہا اس کے بارے میں تیرے دل میں کیا ہے۔ اس نے جواب دیا جب تک زندہ ہوں اس سے عداوت کروں گا۔ اور عملاً بھی یہ خبیث یہودی (جو اپنے زمانے میں بنی نضیر کا سردار تھا) حضور علیہ السلام اور آپ کے دین کا نمبر ایک بیچر دشمن رہا۔ اور عمر بھر حضور علیہ السلام کے خلاف دسیسہ کاری اور سازشیں کرتا رہا۔ اور آپ کے خاتمے کے لیے سرگرم عمل رہا۔

اس نے مدینہ میں اقامت کے دوران اپنی قوم کے اتفاق سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک سازش تیار کی اور قبل از وقوع اس سازش کا انکشاف مدینہ سے بنی نضیر کے یہودیوں کی جلاوطنی کا سب سے بڑا سبب بن گیا۔

اور غزوہ احزاب جس سے اسلام کی ہستی ہی نیست و نابود ہو چلی تھی۔ یہ بھی اس شریر یہودی اور اس جیسے زعمائے یہود کی کوششوں کا نتیجہ تھا جو وفود کی شکل میں مختلف قبائل کے بدوؤں کے خیموں میں فوجوں کو اکٹھا کرنے کے لیے گھومتے پھرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو ان کے دارالخلافہ مدینہ میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں۔ ان مساعی کے نتیجہ میں احزاب کا خوفناک معرکہ رونما ہوا جو خدا کے فضل و کرم سے احزاب کی پسپائی پر ختم ہوا۔ اور حیی بن اخطب نے آپؐ سے غداری کے لیے اپنے سر کی قیمت پیش کی جس کی وجہ سے بنو قریظہ کے غداروں میں سے نو سو جانبازوں کے ساتھ، مدینہ میں حیی بن اخطب کے بارے میں قتل کا حکم نافذ ہوا جیسا کہ ہم عنقریب اس بات کو مفصل طور پہ بیان کریں گے۔

٭

اسلام سے یہودیت کا مقابلہ

جب سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں فروکش ہوئے تھے اس کی اوّل ساعت سے ہی یہودیوں نے اسلام سے مقابلہ شروع کر دیا تھا اور وہ اس کے خلاف جھوٹی افواہیں اڑاتے اور اس کے متعلق شکوک و شبہات کی اشاعت کرتے تاکہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں اور پیغمبر اسلام کے قریب نہ آئیں۔ شروع شروع میں یہ مقابلہ نا جائز سوالوں کی شکل میں ہوا جنہیں یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے آپ کو تکلیف دیتے تاکہ اس طرح وہ آپکی دعوت کی صداقت کے بارے میں شک اور پیچیدگی پیدا کر دیں۔ اس سے ان کا مقصد لوگوں میں تشکیک پیدا کرنا تھا تاکہ وہ آپ کو قبول نہ کریں بلکہ آپ کی بات ہی نہ سنیں۔

ان یہودیوں کو اسلام کے خلاف سازشوں اور اس کی دعوت کے دھارے کو روکنے کی حرص نے یہاں تک پہنچا دیا۔ کہ انہوں نے آپ کے مقابلے کے لیئے اور آپ کے پاس رہنے والوں کو پراگندہ کرنے کے لیے ایک مضبوط منصوبہ بندی کی۔ اس یہودی منصوبے کے مطابق ان میں سے بعض لوگ بظاہر اسلام میں داخل ہو گئے حالانکہ باطن میں وہ کفر پر ہی تھے۔ تاکہ وہ آزادی کے ساتھ نہایت آسانی سے جن لوگوں کو اسلام سے باہر نکال سکتے تھے انہیں باہر نکالنے کا کام کریں۔ پھر یہ مقابلہ بڑھتے بڑھتے دعوت اسلامی کے ہیڈ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل تک پہنچا اور دعوتِ اسلامی کی مقاومت بنوک شمشیر کی گئی۔ جیسا کہ معرکہ بدر کے بعد بنو قینقاع نے اور معرکہ احد کے بعد بنو قریظہ نے کیا۔

یہود کی تشکیک و تلبیس کے نمونے

شروع شروع میں یہودی معین واقعات سے لوگوں کے دلوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں شک پیدا کرنے کے لیے فائدہ حاصل کرتے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی اور بعض صحابہ اس کی تلاش میں نکلے تو زید بن اللصیت (جو یہودی تھا اور بظاہر اسلام قبول کر چکا تھا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت سے تمسخر کرتے ہوئے کہنے لگا...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ اس کے

پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ حالانکہ اُسے اتنا بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔ اس سے اس کا مقصد اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے لوگوں کے دلوں سے یقین ختم کرنا تھا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یہودی کی بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں حالانکہ اُسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے۔[1] خدا کی قسم میں وہی بات جانتا ہوں جو میرا خدا مجھے بتاتا ہے اور اب اللہ نے مجھے بتا دیا ہے اور وہ اس گھاٹی میں ہے اور اس کی لگام ایک درخت میں اٹک گئی ہے۔ پس کچھ مسلمان وہاں گئے تو انہوں نے اُسے وہاں پر اسی حالت میں پایا جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ اور اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے اس یہودی کے تمسخر کا نتیجہ اس کی خواہش کے برخلاف نکلا۔ اور لوگوں کا اپنے نبی کے صدق پر ایمان بڑھ گیا۔

یہود اور شام سے قبلہ کا پھرنا

جب قبلہ، شام سے مکہ کی طرف پھیر دیا گیا تو یہودیوں نے اس واقعہ سے بھی فائدہ اٹھانا چاہا اور وہ خبیثانہ گالیاں دینے لگے۔ جن کا مقصد دین جدید سے لوگوں کے ایمان کو کمزور کرنا تھا۔ بلکہ خود حضرت نبی کریم صلی علیہ وسلم کو فتنہ میں ڈالنا تھا تاکہ آپ اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کر دیں۔

ان کے لیڈروں کی ایک پارٹی آپ کے پاس آئی جس میں رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرو،

---

[1] ذرا غور فرمایئے، ایسے مناظرہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیع ادب ان گمراہ اور جھوٹی افواہیں اڑانے والوں کے ساتھ کس حد تک پہنچا ہوا ہے۔ اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے اس یہودی کے طعن کو سُن کر آپؐ نے نہ شور مچایا اور نہ آپ وقار اور اعتدال کی حدود سے باہر ہوئے۔ حالانکہ یہ طعن آپؐ کی نبوت کے صدق کے بارے میں تھا اور نہ ہی آپؐ نے اُسے گرفتار کرنے یا قید کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ اس کا نام تک نہیں لیا صرف اتنا کہا کہ ایک کہنے والے نے کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں آپ کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔

یہ آپؐ کی کس قدر بلند اخلاقی ہے تمام ادب اس کے مقابلے میں ہیچ ہیں خدا تعالیٰ نے آپ کے بارے میں سچ فرمایا ہے۔ وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ ہم مسلم نوجوانوں کے سامنے ادب نبوی کی شاندار مثالیں اس لیے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اس زندگی میں ان کے لیے چراغ راہ ہوں۔

کعب بن اشرف اور کنانہ بن الربیع وغیرہ شامل تھے ۔ اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ جس قبلہ پر قائم تھے اس سے آپ کو کس نے پھیرا ہے ۔ حالانکہ آپ اپنے خیال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر قائم ہیں، آپ جس قبلہ پر تھے اس کی طرف پلٹ آئیے ہم آپ کی اتباع وتصدیق کریں گے ۔ اس سے ان کا مقصد آپؐ کو اپنے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالنا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی جواب نہ دیا تو ان کی خبیث دشمنی اور بڑھ گئی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں ۔

سیقول السفہاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانو علیھا..... وانہ للحق من ربک فلا تکونن من الممترین

یہ یہودی سوالوں کے ذریعے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے کے لیے ہر درجہ کی تدابیر کرتے اور ان مواقع کی تلاش میں رہتے جن سے انہیں باطل پر مضبوط رہنے میں مدد ملتی ۔

ایک دفعہ انہوں نے کوشش کی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غفلت کے وقت یہ گواہی حاصل کرلیں کہ وہ نص قرآنی کی رُو سے حق پر ہیں، انہوں نے آپ کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے خیال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر ہیں اور ہمارے پاس جو تورات ہے (آپ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی سچی کتاب ہے آپ نے فرمایا ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں جو میثاق تم سے لیا تھا تم نے اس کا انکار کر دیا ہے اور اس میں نئی باتیں داخل کر دی ہیں اور جن باتوں کا لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا ۔ تم انہیں چھپاتے ہو ۔ پس میں تمہاری نئی باتوں سے بری ہوں ۔ وہ (مغالطہ کی راہنمائی میں) کہنے لگے ہم اس کے پابند ہیں ۔ جو ہمارے پاس ہے ۔ پس ہم حق اور ہدایت پر ہیں، ہم نہ آپ کی اتباع کرتے ہیں اور نہ آپ پر ایمان لاتے ہیں ۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں ۔

قل یا اھل الکتاب لستم علی شیء حتی تقیموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من طغیانا وکفرا فلا تاس علی القوم الکافرین [1]

---

[1] المائدہ ۔ ۶۸ ۔

اور کبھی کبھی بدتمیزی ان یہودیوں کو یہاں تک پہنچا دیتی کہ وہ لوگوں کو آپ سے اور آپ کے دین سے متنفر کرنے کے لیے آپ کے متعلق صریحاً جھوٹ بول دیتے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس منعقد کی جس میں مدینہ کے یہودی علماء اور نجران کے عیسائی حاضر ہوئے۔ جب آپؐ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو ایک یہودی لیڈر نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے عیسائی عیسٰے بن مریم کی عبادت کرتے ہیں۔ اس موقع پر نجران کے ایک راہب نے جھرجھری لی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سوال کیا ... اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں۔ اور ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں اس امر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں یا غیر اللہ کی عبادت کا حکم دوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے مبعوث نہیں کیا اور نہ مجھے یہ حکم دیا ہے۔

اور انہوں نے سوالوں کے ذریعے آپ کو دکھ دیتے ہوئے ایک دفعہ لوگوں کو آپ کی دعوت کی صداقت کے متعلق شک میں ڈالنے کے لیے قیامت کے متعلق پوچھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ علم نہیں۔ آپ سے جبل بن ابی قشیر اور شمویل بن زید نے سوال کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ اپنے کہنے کے مطابق نبی ہیں تو بتلائیے قیامت کب قائم ہوگی۔ اس ناجائز سوال کا جواب قرآن کریم نے دیا۔

یسألونک عن الساعة أیان مرساھا قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو[1]

ان یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت مناظرے کیے ہیں جن سے ان کا مقصد یہ تھا کہ عدم جواب کی صورت میں لوگ ان کے پاس سے پراگندہ ہو جائیں گے اور حماقت نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ انہوں نے آپ سے ان چیزوں کا مطالبہ کیا جو آپ کے مقدور میں نہیں ہیں تاکہ لوگوں کو اس وہم میں ڈال دیں کہ آپ نبی نہیں ہیں۔ ایک دفعہ یہودی علماء کی ایک پارٹی آپؐ سے مناظرہ کے لیے آئی، انہوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ سچ ہے

---

[1] الاعراف ص ۱۸۶۔

کہ آپ جو تعلیم لے کر آئے ہیں یہ سچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم اسے تورات کی طرح مرتب نہیں کر پاتے ہیں؟"

آپ نے انہیں کہا کہ خدا کی قسم تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تم اسے اپنے ہاں تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ تو انہوں نے بات بدل کر از راہ تمسخر آپؐ سے پوچھا، کیا آپ کو یہ باتیں کوئی انسان یا جن تو نہیں سکھاتا، آپ نے انہیں کہا، خدا کی قسم تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور میں اللہ کا رسول ہوں تم ان باتوں کو اپنے ہاں تورات میں لکھا ہوا پاتے ہو۔ تو انہوں نے دوسری بار دھوکہ دینے کے لیے بات بدل کر کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ جب کسی رسول کو بھیجتا ہے تو وہ اس کے لیے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آپ ہم پہ آسمان سے کوئی کتاب نازل کیجیئے جسے ہم پڑھیں اور پہچان لیں۔ وگرنہ ہم تمہارے جیسا کلام لے آئیں گے۔ بس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرما کر انہیں گونگا کر دیا۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایک علمی ادارہ میں جسے بیت المدارس کہا جاتا تھا ان کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور آپؐ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ان کے علماء میں سے دو عالموں نے آپؐ سے کہا، کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر ہوں۔ وہ دونوں کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا میری طرف تورات لاؤ وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ تو ان دونوں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون[2]

---

[1] الاسراء - ۸۸ [2] آل عمران ص ۲۳ -

یہود کی ایذا رسانی اور آپؐ کا درگزر کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جدلیاتی جنگ میں یہود نے آپؐ کے ساتھ ظلم وزیادتی کو روا رکھا اور انہوں نے نفسیاتی طور پر اس حد تک آپؐ کو دکھ دیا کہ آپ برافروختہ ہو گئے۔ اس لیے کہ وہ اپنی وقاحت اور بے حیائی کی وجہ سے آپ سے ناجائز سوالات کرتے تھے جن کا مقصد دکھ دینے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا تاکہ وہ آپ سے کنارہ کش ہو جائیں اور آپ کی دعوت میں دلچسپی نہ لیں۔ لہذا آپ نے خدا کی خاطر غصے ہو کر ان پر حملہ کیا اور ان پر گرفت کی ایک دفعہ ان یہودیوں کا ایک قبیلہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس مخلوق کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے ؟ آپؐ کو اس قدر غصہ آیا کہ غم اور گھبراہٹ سے آپ کا رنگ بدل گیا پھر آپؐ نے خدا کی خاطر غصے ہو کر ان پر حملہ کیا۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آکر آپ کو تسلی دی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ سے نرمی کرو پھر اس ناجائز اور اہم سوال کا جواب آسمان سے نازل ہوا۔

قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفواً احد لہ

جب آپ نے انہیں یہ مسکت قرآنی جواب دیا تو وہ لاپرواہ ہو کر اپنی یاوہ گوئی میں لگے رہے .... اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیے اس کا ہاتھ اور بازو کیسا ہے، تو آپ پہلے سے بھی زیادہ ناراض ہوئے۔ اور آپ نے انہیں شدت غضب سے پکڑ لیا تو جبریلؑ نے آپؐ کے پاس آکر آپؐ کو وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی۔ پھر آپ نے اس ناجائز سوال کا مسکت جواب انہیں سنایا۔ وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعًا قبضتہ یوم القیامۃ والسموات مطویات بیمینہ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون ۲ہ

یہود کا خدا کو گالیاں دینا

یہود کا کینہ انہیں کفر تک لے گیا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کو گالیاں دیتے اور قرآن کریم سے تمسخر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ یہودیوں کے بیت المدارس میں آئے (مدینہ میں یہودیوں کی ایک دینی درسگاہ ہے) تو

لہ الاخلاص ۲ہ الزمر ۶۸

آپ نے دیکھا کہ ان کے علماء اپنے ہم مذہبوں کو درس دے رہے ہیں ان میں ایک بڑا عالم بھی تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق جانتے تھے جس کا نام فنحاص تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اُسے نرمی سے دعوت الی اللہ کرتے ہوئے کہا اے فنحاص تیرا بُرا ہو خدا سے ڈر اور اسلام قبول کر! خدا کی قسم تجھے اچھی طرح علم ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اس کے ہاں سے تمہارے پاس آئے ہیں اور تم تورات اور انجیل میں ان کے متعلق لکھا ہوا پاتے ہو، تو فنحاص نے نہایت بے حیائی سے کہا کہ ابوبکر خدا کی قسم ہمیں کوئی محتاجی نہیں اور نہ ہم اس کے حضور عاجزی کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ ہمارے ہاں عاجزی کرتا ہے ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ لیکن وہ ہم سے بے نیاز نہیں۔ اور اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہم سے ہمارے مال بطور قرض نہ مانگتا۔ جیسا کہ تمہارے نبی کا خیال ہے۔ وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے۔ اور ہمیں سود دیتا ہے۔ اور اگر وہ غنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس فحش قول کو سن کر غضب ناک ہو گئے۔ اور آپ نے اس لعنتی عالم کے چہرے پر زوردار تھپیڑ مارا اور فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو اے دشمن خدا میں تیرا سر قلم کر دیتا۔

یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان چونکہ عہد قائم تھا اس لیے فنحاص نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر حضرت ابوبکرؓ کی شکایت کی۔ آپؐ نے تحقیق کی اور حضرت صدیق نے بھی جو کچھ کیا تھا اس کا انکار نہ کیا اور آپؐ تک یہودی کی وہ گفتگو بھی پہنچائی جس کی وجہ سے آپ نے اسے تھپیڑ مارا تھا۔ تو یہودی نے انکار کیا کہ میں نے بالکل یہ بات نہیں کہی کہ اللہ فقیر ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فنحاص کی تردید اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء[1]

یہودیوں نے یثربی معاشرہ میں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق جو شدید اور وسیع جنگ شروع کی ہوئی تھی۔ اس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ان میں سے جو شخص اسلام قبول کرتا اس کی تشہیر کرتے اور اُسے ایذا دیتے تاکہ کوئی شخص متاثر ہو کر اسلام کو قبول نہ کرے۔ جب عبداللہ بن سلام

---

[1] آل عمران ۱۸۱

(جو ان کے ایک عالم تھے) ثعلبہ بن سعیہ، اُسید بن سعیہ، اُسد بن عبید اور دیگر یہودیوں نے اسلام قبول کیا تو یہودی مدینہ میں ان کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے لگے اور کافر علماء بھی یہودی اور منافق حلقوں میں کہنے لگے کہ ہم میں سے صرف شرارتی لوگ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے اور اس کے متبع بنے ہیں۔ اگر وہ ہمارے اچھے لوگوں میں سے ہوتے تو اپنے آباؤ کا دین نہ چھوڑتے اور نہ کسی دوسرے دین کی طرف جاتے۔ پس ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

لیسوا سواء من اھل الکتاب امة قائمة یتلون آیات اللہ آناء اللیل وھم یسجدون[1]

یہودی جرأت اس حد تک — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ میں ڈالنے کیلئے سودا بازی کرنا

بڑھ چکی تھی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی رسالت کے بارے میں سودا بازی کرنے لگے۔ انہوں نے آپ کو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے لیئے آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ اس طرح وہ آپ کے پیروکار بن جائیں گے، ان کے چار علماء نے جن میں کعب ابن اسد، ابن صلوبا، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس شامل تھے۔ آپس میں آپ کے بارے میں بحث و مباحثہ کیا تو ایک نے دوسرے سے کہا ہمیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لے چلو شاید ہم اُسے اس کے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈال سکیں۔ آخر وہ ایک بشر ہی تو ہے۔ پس وہ آپ کے پاس آکر کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہم یہودیوں کے علماء، اشراف اور سردار ہیں۔ اگر ہم نے آپکی اتباع کر لی تو یہودی بھی آپ کے متبع بن جائیں گے۔ اور ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے بعض آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہے۔ کیا ہم انہیں آپ کے پاس فیصلے کے لیے لے آئیں۔! آپ ان کے خلاف ہمارے حق میں فیصلہ دے دیں۔ ہم آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکروہ سودے بازی کو رد کر کے انہیں ذلیل کر کے واپس کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس نرم حیلہ بازی کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

---

[1] آل عمران ۱۱۳۔

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم وان کثیراً من الناس لفاسقون [1]

یہود کا قبائل کے درمیان جاہلی روح بیدار کرنے کی کوشش کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینے

آپؐ پر افترا کرنے اور آپؐ کی صداقت کے متعلق لوگوں کو شک میں ڈالنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ یہودی مقدور بھر آپ کے اوسی اور خزرجی پیروکاروں کے درمیان فتنہ پھیلانے اور ان کی قدیم قبائلی مخالفتوں کو ہوا دے کر ان کو جاہلی انا کی طرف دوبارہ واپس لانے کی کوشش کرتے تھے اسی بات پر یہودی وجود یثرب میں قائم تھا۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ دعوت اسلامی عربوں کو متاثر کرنے میں ناکام ہو جائے۔ اور جدید نظام کی بنیاد گر جائے۔

ایک دفعہ ایک یہودی عالم شماس بن قیس جو مسلمانوں سے شدید کینہ رکھتا تھا اور بڑا کافر تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوسی اور خزرجی اصحاب کے پاس سے گزرا تو ان کی الفت و محبت دیکھ کر اُسے بہت غصہ آیا، حالانکہ قریب زمانے میں وہ خونریز معرکوں میں ہی ملا کرتے تھے جن میں آدمی مرتے تھے اور ان پر برابر چپٹی پڑتی تھی اور یہودیوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ اسلام میں ان دونوں قبیلوں کے اجتماع نے اس مجرم یہودی کو غضبناک کر دیا۔ اور اس نے اظہار کیا کہ یہ اجتماع یہودی وجود کے لیے خطرہ ہے۔ کیونکہ عرب علاقے اس میں دخیل اور پردیسی قوم کی بقا اوس اور خزرج کے آپس میں لڑتے رہنے میں تھی رجیسا کہ وہ جاہلیت میں رہتے تھے۔)

یہی وجہ ہے کہ جب اس یہودی نے صحن اسلام میں اوس اور خزرج کے سرداروں کو آپس میں اکٹھے اور محبت کرتے دیکھا تو کہا کہ بنو قیلہ [2] اس علاقے میں اکٹھے ہو گئے ہیں خدا کی قسم جب ان کے سردار یہاں اکٹھے ہوئے تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔ اس موقع پر اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کے درمیان گھس کر حتی المقدور ان میں فتنہ پردازی کے بیج بوئے تاکہ وہ اختلافات

---

[1] المائدہ ۴۹ [2] اوس اور خزرج کو ہمیشہ بنی قیلہ کہا جاتا ہے۔

کریں اور ان کے درمیان نئے سرے سے جاہلیت کی جنگ بھڑک اُٹھے اور دعوت اسلامی کو کمزوری لاحق ہو جائے۔ اور یہودیوں کا پہلو مضبوط ہو جائے۔ اس یہودی عالم نے اس نوجوان سے کہا کہ ان کے پاس جا کر ان کے ساتھ بیٹھ جا پھر اس نے اُسے حکم دیا کہ ان دونوں قبیلوں کی جاہلی تاریخ میں جو سب سے کمزور اور حساس دھاگا ہے اس پر ضرب لگا جس سے ان کے دلوں میں دردناک یاد ابھرے گی۔ اور اس نے خاص طور پر اُسے خزرج کے متعلق حکم دیا کہ ان سے جنگ بعاث کے متعلق بات کرے اس روز اوس اور خزرج کے درمیان بری طرح تباہ کن جنگ ہوئی تھی۔ قریب تھا کہ اس جنگ میں اوس اپنے خزرجی بھائیوں کو تباہ کر دیتا۔ کیونکہ انہیں اس میں ان پر فتح حاصل ہوئی تھی اور یہ اسلام سے تھوڑا عرصہ پہلے کی بات ہے اور یہ اس خانہ جنگی کا آخری المیہ ہے جس کی چکی جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان ہمیشہ چلتی رہتی تھی۔

خانہ جنگی کی آگ بھڑکانے میں یہودی کی کامیابی

اور عملاً اس یہودی نوجوان نے بوڑھے عالم کی خواہش کو عملی جامہ پہنا دیا

اور اوس اور خزرج کی مجلس میں شامل ہو گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا۔ پھر انہیں یہودیوں کے خبیث اور مکارانہ طریق کے مطابق جنگ بعاث کے تذکرہ کی طرف لے آیا اور ان میں سے ہر کوئی اپنی اپنی قوم کی بہادری کا ذکر کرنے لگا۔ اور مجلس میں پارٹی بازی اور فتنہ کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پس اس یہودی نے جنگ کی آگ کو بھڑکانے کے لیے جنگ بعاث کے روز کے کچھ بہادرانہ اور بھڑکانے والے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ پس مجلس میں فتنہ کی آگ نمایاں ہو گئی اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے اور دونوں قبیلوں کے آدمی ایک دوسرے پر فخر کرنے اور حملے کرنے لگے اور جھگڑا خطرناک ترین صورت اختیار کر گیا۔ اور خزرج کے ایک لیڈر نے چیلنج کرتے ہوئے اوس سے کہا اگر تم چاہو تو ہم دونوں قبیلوں کے درمیان خانہ جنگی کے لیے تیار ہو جائیں۔ پس دونوں فریق غضبناک ہو کر جنگ کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ پتھریلے میدان میں رن پڑے گا۔ پھر دونوں قبیلوں میں جنگ کا اعلان ہو گیا۔ اور ہر آدمی اپنے ہتھیار لے کر جنگ کے لیے مقررہ جگہ کی طرف چل پڑا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگ سے نجات دلانا

اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال نہ ہوتی تو قریب تھا کہ یہودی اپنے خبیث مقاصد کو پا لیتے اچانک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ مہاجرین کے ساتھ بسرعت تمام وہاں پہنچے جس جگہ وہ جنگ کے لیے تیار تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ ہر قبیلہ ایک طرف اکٹھا ہو رہا ہے تو آپؐ نے خداداد حکمت الٰہی سے اس عظیم فتنہ کی آگ کو بجھا دیا۔ آپؐ نے دونوں قبیلوں کے درمیان کھڑے ہو کر تقریر کرتے کہا اے گروہ مسلمین اللہ سے ڈرو، میری موجودگی میں جاہلیت کے یہ دعوے! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اسلام کی طرف راہنمائی کی ہے۔ اور اس سے تمہیں عزت دی ہے اور امر جاہلیت کا تم سے خاتمہ کیا ہے۔ اور کفر سے تمہیں بچایا ہے۔ اور تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی ہے اس موقع پر دونوں ہدایت کی طرف واپس آ گئے۔ اور انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ ایک یہودیانہ چال ہے۔ انہوں نے اپنی تلواروں کو نیام میں کر لیا۔ اور نیزوں کو جھکا لیا۔ پھر انہوں نے انا للہ پڑھا اور گریاں ہوئے اور دونوں قبیلوں کے آدمی آپس میں ایک دوسرے سے معانقہ کرنے لگے۔"

یہودی فتنہ کا خاتمہ

اس طریق سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی خبیثانہ مساعی کو ناکام بنایا اور انہیں ایڑیوں کے بل ناکام واپس کر دیا قریب تھا کہ ان کی وسیسہ کاری اور سازش کامیاب ہو جاتی جس کا مقصد مسلمانوں کی وحدت کو پارا پارا کرنا تھا۔

یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے انتقام لینے کے لیے کوئی کمزور سے کمزور اور پُر تناقض وسیلہ بھی ترک نہیں کیا جس سے لوگ آپ کے اردگرد سے تتر بتر ہو جائیں۔ اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں۔ ایک دفعہ ان کے بعض علماء اکٹھے ہوئے جنہیں حیلہ بازی نے ماندہ کر دیا تھا۔ اور اسلام میں عربوں کے زیادہ سے زیادہ دخول نے ان کی نیندیں حرام کر دی تھیں۔ عبداللہ بن صیف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آؤ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے اصحاب پر نازل ہونے والے کلام

پر صبح کو ایمان لے آئیں اور شام کو اس کا انکار کردیں۔ تاکہ ہم ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں شاید وہ بھی ہماری طرح کریں اور اس کے دین سے واپس لوٹ آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتکمون الحق وانتم تعلمون وقالت طائفۃ من اھل الکتاب اٰمنوا بالذی اُنزل علی الذین اٰمنوا وجہ النہار واکفروا آخرہ لعلھم یرجعون[1]

یہودیوں کی ایذا رسانی اور دین اسلام سے روکنے کی کوششوں اور ان کے مسلمانوں کی وحدت کو ختم کرنے اور ان کے عہد جدید کے کچلنے کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حلم و صبر کا موقف اختیار کیا اس نے یہود کو برانگیختہ کر دیا اور وہ انکی ایذا رسانی میں بڑھ گئے۔ اور تدابیر میں اس حد تک جا پہنچے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسخر کرنے لگے۔ نیز آپؐ کو اور آپؐ کے اصحاب کو موت کی بددعائیں دینے لگے اور جب کبھی وہ کسی مجلس سے گزرتے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے یہ اسلام علیکم کی بجائے اسام علیکم کہتے اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر موت ہو۔ آپؐ یہ سب کچھ برداشت کرتے پھر آپؐ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ جب یہودی تمہیں السام علیکم کہیں تو تم جواب میں صرف علیکم کہا کرو۔

اور یہودی اپنے انکار میں حد سے بڑھ گئے اور ہر مجلس میں اس بات کا انکار کرنے لگے کہ ان کی کتب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا ہے اور ان کے تمام علماء اس قسم کی باتوں سے واقف ہی نہیں ہیں۔

ایک یہودی عالم کا انہیں رسوا کرنا

ان کے ایک عظیم عالم نے مدینہ کی ایک مجلس عام میں انہیں رسوا کیا اور لوگوں کے سامنے ان کے تناقض کو ثابت کر دیا۔ کہ یہ صرف فتنہ و فساد برپا کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جس حق کو انہوں نے پہچان لیا ہے حسد اور سرکشی سے اس کا انکار کردیں۔ اس عالم نے ان علماء کے اس احترام کو ختم کر دیا جو لوگوں کے دلوں میں باقی رہ گیا تھا۔ یہ عالم عبداللہ بن سلام تھے (جو بنو قینقاع کے یہودیوں علماء میں سے تھے۔) جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت سے نوازا جب عالم کی طبیعت میں دسیسہ کاری، جھوٹ، دھوکہ بازی، اور افترا ہو جو ان یہودی علماء کے دلوں میں جم کر ٹھہر گئے

[1] آل عمران ۷۲

جو ایذا رسانی کا مصدر اور یثربی معاشرہ کے اندر دعوتِ اسلامی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے ہیں تو مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ دعوت اسلامی کی مکمل اور عظیم خدمت سرانجام دی جائے جس سے نبی علیہ السلام کے خلاف اور دین اسلام کے خلاف ان کے بہتانوں کی اہمیت کم ہو اور یہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ لوگوں کے سامنے ان یہودیوں کے جھوٹ نفاق اور تناقض کو منوایا جائے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے بعد اس غرض کو پورا کرنے کے لیے عبداللہ بن سلام نے مجلس عام میں یہودیوں کے علماء کے اکٹھا ہونے تک اپنے اسلام کے اعلان کے متعلق مہلت طلب کی، اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہودیوں کو معلوم ہے کہ ان کا سردار اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور ان سب سے زیادہ عالم اور ان کے سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں قبل اس کے کہ انہیں میرے اسلام لانے کا حال معلوم ہو جائے آپ ان کو بلا کر میرے متعلق دریافت کریں اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں اسلام لا چکا ہوں تو وہ میرے متعلق وہ باتیں کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف آدمی بھیج کر انہیں بلایا۔ جب وہ آپؐ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا اے گروہ یہود تمہارا برا ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ پس قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں خدا کا برحق رسول ہوں اور میں تمہارے پاس حق لے کر آیا ہوں۔ پس تم اسلام قبول کر لو۔ آپؐ نے یہ بات انہیں تین بار کہی انہوں نے اپنی عادت کے مطابق انکار کیا۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں اس کا علم نہیں اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس موقع پر آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبداللہ بن سلام کون ہے؟ انہوں نے بیک آواز جواب دیا کہ وہ ہمارا سردار ابن سردار ہے اور ہم سب سے بڑا عالم اور ہمارے سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر وہ اسلام لے آئے تو تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ کہنے لگے خدا کی پناہ وہ اسلام نہیں لا سکتا۔ اس موقع پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حیران کن حقیقت سے سامنا کرا دیا۔ اور آواز دے کر کہا ابن سلام ان کے پاس آؤ، عبداللہ بن سلام ان یہودیوں سے یہ اقرار تو لے ہی چکے تھے کہ وہ ان کے سردار اور سب سے بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے انہیں اس پوزیشن میں کر دیا کہ انہوں نے اپنی

مرضی سے لوگوں کے سامنے گواہی دی۔ آپ نے ان کے پاس آکر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اے گروہ یہود، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور حق کے ساتھ آئے ہیں۔ وہ یہ بات سن کر بے ہوش ہوگئے پھر انہیں سب وشتم کرنے لگے۔ اور انہیں کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو۔ پھر کہنے لگے یہ ہمارا بڑا آدمی ہے اور بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ یارسول اللہ یہی وہ بات ہے جس سے میں خوف کھاتا تھا۔

یہود کا تورات سے رجم کے حکم کو تبدیل کرنا۔

ایک دفعہ یہودی علما بیت المدارس میں جمع ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ اور آپ کی دعوت کو رد کرنے کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ بحث کے دوران انہیں ایک مرد اور عورت کے زنا کے جرم کا معاملہ پیش آیا۔ باوجود یہ کہ انہیں حضور علیہ السلام کی نبوت اور صداقت پر یقین تھا۔ پھر بھی وہ اپنے آپ کو مغالطہ دینے لگے، انہوں نے اس معاملہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے آپ کا امتحان لینے پر اتفاق کیا اور کہنے لگے کہ اس مرد اور عورت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ اور یہ پوچھو کہ دونوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اور انہیں کہو کہ ان دونوں پر حکم لگاؤ۔ وہ دونوں ہی شادی شدہ تھے۔ پس اگر وہ ان دونوں کے بارے میں تجبیہؔ[1] کریں تو اس کی پیروی کرو وہ بادشاہ ہے اس کی تصدیق کرو۔ اور اگر ان دونوں کے بارے میں رجم کا حکم دے تو وہ نبی ہے اس سے ہوشیار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے وہ اسے تم سے چھین لے۔ علماء کے متفقہ فیصلہ کے مطابق وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ اور آپ کے

---

[1] یہودیوں کے نزدیک تجبیہ یہ ہے کہ کھجور کی چھال کی رسی سے کوڑا بنا کر اس پر تار کول ملنا۔ پھر دونوں شادی شدہ زانیوں کا منہ کالا کرنا اور انہیں حد گدھوں پر سوار کرنا اور گدھوں کی پشت کی طرف ان کا منہ کرنا [2] بہ اردت

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

سامنے دونوں زانیوں کا معاملہ پیش کیا۔ اور ان دونوں کے بارے میں حکم صادر کرنے کا آپ کو اختیار دے دیا۔ اور آپ سے عہد کیا کہ آپ جو حکم دیں گے وہ اسے نافذ کریں گے۔ اسلام نے یہودیوں کو اپنے شخصی احوال میں فیصلہ کا اختیار دیا ہے۔ جیسا کہ دیگر ادیان اصحاب سے رواداری کرنا اس کا طریق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم کی قبولیت میں ذرا بھی متردد نہ ہوئے خصوصاً اس لیے کہ آپ کے اور یہود کے درمیان پختہ معاہدہ تھا) آپ ان یہودیوں کے حاکم اعلیٰ متصور ہوتے تھے کیونکہ وہ یثرب کی حکومت کے زیر سایہ رہتے تھے جس کے آپ سربراہ تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زانیوں کے بارے میں رجم کا حکم صادر فرمایا اور یہی حکم تورات اور قرآن کریم کا بھی ہے۔ اس حکم کا نفاذ ہوا۔ اور دونوں یہودی زانیوں کو مسجد مدینہ کے دروازے کے پاس قتل کر دیا گیا۔

یہود کی اپنے تمسخر میں رسوائی

یہودیوں نے جس دشمنی کو قائم کیا ہوا تھا اس معرکے میں دعوت اسلامی نے یہود پر عظیم فتح حاصل کی۔ گویا انہوں اپنے عمل سے اپنی موت کا گڑھا کھودا اور وہ اس طرح کہ جب یہودیوں نے اس قضیہ کو پیش کر کے حکم لینے کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کی تو آپ نے ایک مجلس منعقد کی۔ اس میں علمائے یہود کو بلایا۔ پھر انہیں تورات لانے کو کہا۔ اور ان میں سے ایک عالم کو کہا کہ وہ عبداللہ بن سلام مترجم کی موجودگی میں اسے پڑھے۔ اور یہ شخص یہودیوں کے بڑے لیڈروں میں سے تھا۔ جس کی اللہ نے اسلام کی طرف راہنمائی کی۔

اور یہ ایک چال تھا جس میں اس قضیہ کو ہوا دے کر . . . . یہودیوں نے اپنے آپ

(بقیہ حاشیہ) ابن اسحاق نے سند صحیح کے ساتھ ابن شہاب سے بیان کی ہے کہ اور یہود کا یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دینی معرکہ میں آپ کو گرانے آپ کے دین کے وجود کو تباہ کرنے سے کم کسی کام پر راضی نہ تھے جوں جوں ان کا یقین آپ کی نبوت رسالت کے متعلق بڑھتا جاتا توں توں وہ اس ارادہ میں مضبوط ہو جاتے اور یہ حسد کی نہایت بری قسم ہے اور جو شخص منکر کا انکار اس بنا پر کرتا کہ فتنہ کی سچائی کا یقین اس فتنہ کی تکذیب اور حق کی آواز کو دبانے اور صاحب آواز کو تباہ کرنے کا سبب بن جائے تو یہ بات یاد رہے کہ الباریو اے یہودی یہاں اور یہی کافی ہے

کو پھنسا لیا۔ تورات صراحت سے بیان کرتی ہے کہ شادی شدہ زانی کے متعلق رجم کا حکم ہے یہودی اس بات کے بڑے آرزومند تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے آگاہ نہ ہوں جب کہ آپؐ عملاً بھی اس سے آگاہ نہ تھے۔ کیونکہ آپ اپنی قوم کی عربی زبان بھی لکھ پڑھ نہ سکتے تھے کجا یہ کہ آپ عبرانی سمجھیں۔

وہ عالم تورات کو پڑھنے لگا۔ اور جب وہ اس آیت تک پہنچا جو شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب کرتی ہے تو اس نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور اس سے آگے نکل جانا چاہا لیکن عبداللہ بن سلام جو عبرانی زبان کے بڑے ماہر تھے انہوں نے سختی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر اسے رسوا کر دیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا کے نبی یہ رجم کی آیت ہے یہ یہودی عالم آپ کے سامنے پڑھنے سے رُک رہا ہے۔

یہود کا تورات کے ساتھ تمسخر کرنے کا اعتراف کرنا

یہودی علماء کی صریح دھوکے بازی، کتمان

اور علمی خیانت کی ذلیل کارروائی کے پیش نظر، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا اے گروہ یہود تمہارا برا ہو، خدا کا حکم تمہارے سامنے موجود ہے۔ تمہیں حکم الٰہی کے چھوڑنے پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ تو ان یہودی علماء کو تحریف و تبدیل اور احکام الٰہی کے ساتھ تمسخر کے اعتراف کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ کیونکہ جب عبداللہ بن سلام نے ان کو رسوا کیا اور ان کے سامنے تمام راستوں کو بند کر دیا تو ان کے لیے اعتراف کے بغیر کوئی مفر نہ تھا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم ہم تورات کے حکم رجم پر عمل کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے شاہی گھرانے کے ایک شادی شدہ آدمی نے زنا کیا تو بادشاہ نے اس کو رجم کرنے سے روک دیا۔ پھر اس کے بعد ایک آدمی نے زنا کیا اور بادشاہ نے اُسے رجم کرنا چاہا۔ تو لوگوں نے کہا خدا کی قسم جب تک تُو فلاں شخص کو رجم نہ کرے اسے رجم نہیں کر سکتا، جب انہوں نے اُسے یہ بات کہی تو اس کے بعد اکٹھے ہو کر انہوں نے تجبیہ پر مصالحت کر لی اور رجم کا ذکر کرنا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا شخص ہوں جس نے امر الٰہی اور اس کی کتاب اور اس پر عمل کرنے کو زندہ کیا ہے۔ پھر آپؐ نے

زانیوں کے متعلق حکم دیا۔ اور وہ سنگسار کر دیئے گئے۔ حضرت عبیداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں بھی ان دونوں کو رجم کرنے والوں میں شامل تھا۔ یہودی اسی طرح اپنی گمراہی میں سرگرداں رہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر انہیں جو نئے دلائل ملے انہوں نے ان کو حسد اور سرکشی میں زیادہ کر دیا۔ نیز انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنی سرگرمیوں کو، دوچند کر دیا۔ لیکن بے فائدہ۔

اسلامی دھارے کا یہود کو بہلے جانا

یثربی معاشرہ کے اندر، یہودی جو دشمنانہ کارروائیاں اور دسیسہ کاریاں کرتے تھے اسلامی دھارا ان سب سے طاقتور تھا۔ اور شاید یہ ان تمام رکاوٹوں کو جن کے قیام میں دعوت قرآنی کی لہر کو روکنے کیلئے انہوں نے اپنی جانیں کھپا دی تھیں دور کرنے کی زیادہ قدرت رکھتا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا یہودیوں کی خبیث حقیقت سے پردہ اٹھتا جاتا اور اسلام کے ساتھ ان کی دکھ دہ جدلیاتی جنگ برگز رہنے والا ہر دن ان کے تناقضات کے نقائص کو واضح کرتا جاتا یا ان کی شریر نیتوں کی پوشیدہ باتوں سے پردہ اٹھاتا جاتا۔ جن سے وہ اہل یثرب کے متعلق رات کو سوچ بچار کرتے تھے۔ اور بجائے اس کے کہ اہل یثرب، یہود کے مغالطوں کو قبول کریں اور ان کی تلبیسات اور دعوت جدیدہ کے متعلق ان کے پیدا کردہ شکوک سے متاثر ہوں اور ان تنگدل یہودیوں کی جھوٹی افواہوں کے دھارے میں بہہ جائیں۔ انہوں نے ان کو میدان میں اکیلے چھوڑ دیا۔ اور ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے پر پانچ ماہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مدینہ کے تمام لوگ اور منطقہ یثرب کے اردگرد رہنے والے (سوائے یہود کے) دین اسلام اور اس کے نظام کے مطیع ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے وہ دوست جو عرب منافقین میں سے تھے۔ جنہوں نے مدینہ میں ان یہودیوں سے نفاق کی تعلیم حاصل کی تھی انہیں بھی اسلام کے موجزن دھارے کے سامنے بظاہر دین جدید ایمان لانے اور اس کے نظام کی اطاعت کرنے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اور یثرب میں دین جدید میں داخل نہ ہونے والی صرف ایک قوم باقی رہ گئی اور وہ اسرائیلی عرب یہودی تھے۔

یہود کو یہ بات نہایت ناگوار گزری کہ انہوں نے اسلام کے خلاف جو خاموش سرد جدلیاتی

جنگ شروع کی تھی۔ اس کا انجام یہ ہوا یہ تو بہت بڑی ناکامی ہے اور اس بات نے بھی انہیں بہت دکھ دیا کہ دعوت اسلامی کے ساتھ ان کی عداوت کی جنگ کا نتیجہ ایسی شکست ہو جو ان کی امیدوں کا خاتمہ کرے اور اس کا انجام یہ ہو کہ تمام یثربی معاشرہ (یہود کے سوا) اسلام کے جھنڈے تلے آجائے۔ خصوصاً اس تباہ کن فتح کے بعد جو مسلمانوں کو بدر میں مشرکوں پر حاصل ہوئی تھی۔

قریش کے لشکر کے بدر کیطرف بڑھنے میں یہود کی دلچسپی

جب یہودیوں نے ہجرت کے دوسرے سال سنا کہ مکی فوج مسلمانوں کو ضرب لگانے کے لیئے بدر کی طرف بڑھ رہی ہے تو وہ خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمائے۔ غزوہ بدر میں معرکہ آرائی سے بہت امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مکہ کی عظیم فوج حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے خاتمہ کے لیے کافی ہوگی۔ ثانیاً اس سے دعوتِ اسلامی کے بیج جڑ سے اکھڑ جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بدر میں فریقین کی جنگ کے بڑے خواہشمند تھے۔ ان کی تمنا تھی بلکہ وہ پختہ توقع رکھتے تھے کہ مشرکین کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہوگا۔ کیونکہ تمام مادی سازو سامان اس اعتقاد کو واجب کرتا تھا۔ کہ معرکہ بدر میں فتح مکہ فوج کو حاصل ہوگی۔ جو ایک ہزار مسلح جانبازوں پر مشتمل تھی۔ جو اچھی طرح اور تیار تھے اور ان کے مقابلہ میں دوسری جانب تین سو مسلمان جانباز تھے۔ جن کی اکثریت برہنہ پا تھی۔ نہ ان کے پاس زرہیں تھیں نہ خود)

یہودیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سخت نفسیاتی جنگ شروع کی ہوئی تھی اور جن حالات میں بدر کا عظیم معرکہ ہوا اور قبل اس کے کہ آخری نتائج مدینہ پہنچیں منافقین یہودیوں کی مدد کر رہے تھے اس نفسیاتی جنگ کا ایک حصہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے مورال کو ختم کرنے اور ان کو کمزور اور متفرق کرتے اور انہیں گھبراہٹ میں ڈالنے کے لیے بڑا دستہ منظم کیا، جس نے یہ بات تک مشہور کر دی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے ہیں۔ اور ان کی فوج معرکہ بدر میں تباہ ہو چکی ہے۔ اور مکی فوج، ابوجہل کی قیادت میں مدینہ پر قبضہ کر لے اور دعوت اسلام کے آثار کو ختم کرنے کے لیے بڑھ رہی ہے۔ ان جھوٹی خبروں نے مدینہ میں مسلمانوں کے دلوں پر برا اثر ڈالا۔ اور ان جھوٹی

خبروں کی اشاعت کے پیچھے یہود کا یہی مقصد کارفرما تھا۔

اسی دوران میں کہ مسلمان یہودیوں کی ان جھوٹی خبروں کے نتیجہ میں قلق خوف سے لئے پٹے تھے اور ان خبروں نے مدینہ کی اطراف کو تنگ کر دیا تھا قریب تھا کہ مسلمانوں کی غشلیں جاتی رہیں کہ اچانک معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری کی خبر لانے والا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتح فوج کے آگے آگے آیا اور اس نے مدینہ میں داخل ہو کر اہل مدینہ کو بڑی تاکید کے ساتھ خوشخبری دی کہ مسلمانوں کو معرکہ بدر میں سرِ عدوان کی قوتوں پر تباہ کن فتح حاصل ہوئی ہے۔ پس اس فتح سے جس کے ذریعے مسلمان تاریخ میں اس کے وسیلے ترین دروازے سے داخل ہوئے۔ مدینۃ الرسول خوشی و مسرت اور تکبیر و تہلیل سے آخری حدود تک جھوم اٹھا اور یہودی تباہ کن فتح کی خبر سے بے ہوش ہو گئے کیونکہ وہ مطلقاً ایسا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ جب انہوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کو گرجدار آواز میں فتح کی خوشخبری دیتے سنا تو قریب تھا کہ وہ اپنے کانوں کو غلطی خوردہ قرار دیتے ...... وہ دونوں مدینہ کے قبیلوں میں اپنی سواریاں دوڑا دوڑا کر مسلمانوں کو بدر میں قریش پر ہوئی فتح کی فتح کی خوشخبری دے رہے تھے۔

اور جب یہودیوں نے قریشی لیڈروں اور ان کے فوجی سالاروں کو ناکام معرکہ میں فاتح نبوی فوج کے نیزوں کی حراست میں قیدی بن کر آتے دیکھا۔ ان کی مشکیں پیچھے کی طرف بندھی ہوئی تھیں اور ان پر شکست اور ذلت کے آثار نمایاں تھے۔ اور ان کے قدم ٹھوکریں کھاتے گویا ان کو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ تو یہ یہودی بہت شرمندہ ہوئے قریب تھا کہ وہ اپنی آنکھوں کو دھوکہ خوردہ قرار دیں اور حیرت ان پر غالب آگئی۔

پس یہود کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں اور ان کے خواب جھوٹے نکلے اور ان کی خوشی غم میں تبدیل ہو گئی کیونکہ وہ اس معرکہ میں جس میں مسلمانوں کو قریش پر فتح حاصل ہوئی، مسلمانوں کے پس منظر جانے کی تمنا ہی نہیں توقع رکھتے اور انہوں نے فقط یثرب ہی میں اپنے معاملات کا انتظام سپرد کرنے کا آغاز نہیں کیا۔ بلکہ تمام جزیرۃ العرب بلکہ تمام عالم کا انتظام ان کے سپرد کرنے کا آغاز کر دیا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس نے یہودیوں کے اوسان خطا کر دیئے اور وہ اپنے

انجام کو دیکھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام سے جنگ کرنے کے لیے نئے طریق اپنانے لگے۔"

یہود کا جنگ کو وسیع علاقے میں منتقل کرنا

حربی عقائدی میدانوں میں دعوت اسلامی کو جو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی اس سے اس دعوت کے علمبرداروں کے صدق وصفا، نرم اخلاقی، بلند مقصدی اور وسیع حلم کو اس طرح مضبوطی حاصل ہوئی کہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر یثرب کے تمام باشندے اس کے مہرباں بازوؤں تلے آ گئے، بجائے اس کے کہ یہودی اس فیصلہ کن فتح کے بعد راہ راست پر آ جاتے۔ اور اس داعی حق کی بات کو قبول کرتے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں آواز دے رہا ہے۔ وہ مقابلہ اور عناد میں بڑھ گئے اور ان کے دلوں میں اسلام اور دعوت اسلامی کے خلاف بغض اور کینہ بھڑک اٹھا۔ جوں جوں یہ کینہ بڑھتا گیا اس نے یہودیوں کو اندھا کر دیا۔ اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین اور اتباع کے خلاف زیادہ وسیع علاقے میں معرکہ کو منتقل کرنے کے لیے غور و فکر کرنے لگے۔

یہودیوں نے دعوت اسلامی کی حقیقت کے متعلق یثرب میں جدل و نزد پتہ اور شکوک و شبہات کی اشاعت کے طریقوں سے لوگوں کو اسلام سے روکنے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق شکوک پیدا کرنے اور دین جدید سے باہر نکل جانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اندھا کینہ اور سفاک حرص یہاں تک لے گئی کہ وہ اس کے محض ہی میں دعوت اسلامی کے نشانات کو مٹانے اور اس کے علمبردار کو ختم کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے علمائے دین اور سرمایہ دار اور سیاسی لیڈر، جزیرہ عربیہ کی اطراف و جوانب میں صحرا میں بدوؤں کے خیموں میں اور شہروں میں شہری مجالس میں گھومنے لگے، نہ اس لیے کہ پروپیگنڈہ کریں جس کا ہتھیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے خلاف تنفیر و تشکیک اور تکذیب کرنا ہوتا ہے (جیسا کہ وہ یثرب میں کرتے تھے) بلکہ وہ عربی قبائل کو ڈرانے اور دعوت اسلامی کے خطرہ کی وضاحت کرنے اور اسکے مسلح مقابلہ کی دعوت دینے کیلئے گئے تاکہ اس دعوت کے پھیلنے پھولنے سے قبل ہی اس کے ہیڈ کوارٹر میں اس دعوت اور دعوت کے داعیوں کا قوم بھیج کر قلع قمع کر دیا جائے، یہودیوں کی طرف

سے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کا یہ خطرناک آغاز تھا۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یہودیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ خواہ بت پرست فوجوں کو چڑھا کر لانے سے یہ مقصد پورا ہو۔ اس خطرناک آغاز نے مدینہ میں قیادت اسلامی کو باور کرا دیا کہ وہ اپنا روادارانہ رویہ کو تبدیل کر کے یہودیت کا مقابلہ کرے۔ اب یہ محض پروپیگنڈہ کی جنگ نہیں رہی جس سے ہتھیار تنغیر و تشکیک، تکذیب اور جھوٹی افواہیں اڑانا ہوتے ہیں۔ اب طاقتور، بت پرست قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ناپسندیدگی کی روح برانگیختہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور انہیں مال و منال دے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے اور ان کے ہیڈ کوارٹر میں ان کا خاتمہ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اس بات نے مدینہ میں قیادت اسلامی کو حمایت دعوت کے اسالیب کو بدلنے پر آمادہ کیا جسے یہودی اپنی مقاومت کے جدید منصوبوں سے خوف زدہ کر رہے تھے۔

بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد یہود کی پوزیشن

معرکہ بدر سے قبل یہودی دعوت اسلامی کے مقابلہ میں صرف پروپیگنڈہ کی جنگ پر اکتفا کرتے تھے جس کے ہتھیار ناجائز سوالوں کے ذریعے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینا۔ اور دعوت اسلامی کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا تاکہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جائیں اور دعوت کے علمبردار کا اعتماد کھو دیں۔ یثرب میں یہود کے تسلط کو اس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

ان تمام باتوں کے بالمقابل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو مطلق آزادی دے رکھی تھی تاکہ وہ دعوت اسلامی کے متعلق اعلانیہ اپنی رائے دیں۔ بلکہ وہ اس دعوت کی حقیقت پر اعتراضات کرتے اور اس کے حامل کی اعلانیہ تکذیب کرتے۔ اور آپ صرف ان آراء کے بطلان کی وضاحت پر اکتفا کرتے۔ حالانکہ آپؐ یثرب کے حاکم اعلیٰ اور آزاد سردار تھے۔ یہ لوگ مناظرات میں عقیدہ و دین کے بارے میں جو دکھ دہ جواب دیتے آپؐ انہیں غور سے سنتے جن کا مقصد تنگی دینے اور آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ پھر بھی آپ ان کے برانگیختہ کرنے والے جوابات کا پورے سکون کے ساتھ بغیر گھبراہٹ کے جواب دیتے۔ کوئی آدمی

یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آپ نے ان یہودیوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی ہو۔ حالانکہ آپ جانتے تھے کہ وہ اپنے تمام مناظرات میں حق کی اتباع کی خاطر بحث نہیں کرتے بلکہ وہ صرف قناعت کے متعلق بحث کرتے ہیں تاکہ آپؐ کے لائے ہوئے حق پر غبار ڈال دیں۔ پس وہ حسد و سرکشی سے ہر ممکن وسیلہ کے ساتھ آپؐ کا مقابلہ کرنے لگے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آزادیٔ گفتار

ہم پورے فخر و اعتزاز کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روادارانہ مؤقف کے ساتھ جسے آپ سے اور آپؐ کی دعوت سے متواتر اور سخت جنگ کرنے والے یہودی جانتے ہیں پہلے شخص ہیں جنہوں نے عقیدہ اور دین کے مخالفین کے لیے قول و فکر کی آزادی کا قانون بنایا اور نافذ کیا۔

آزاد دنیا کے جمہوری ممالک میں نئے قوانین بنانے والے اس بات پر فخر نہیں کر سکتے کہ ان کی حکومتوں نے فرد کو مطلق آزادی دے رکھی ہے تاکہ وہ غور و فکر کرے اور جو چاہے اس کا اعلان کرے۔ خواہ وہ بات حاکم اعلیٰ کی مرضی کے خلاف ہو اور اس کے نظریہ کے منافی ہو۔ یہ بات اس قانون کے متعلق کہی جا سکتی ہے جس کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے اور اسے تیرہ سو سال سے اپنے عقیدہ و دین اور نظریہ کے ہم وطن مخالفین کے مقابلہ میں نافذ کیا ہے۔

بلکہ مغربی جمہوری ممالک میں نئے قوانین بنانے والے بیسویں صدی تک اس بات کی استطاعت نہیں رکھ سکے کہ وہ ان عام آزادیوں کے قریب بھی پھٹک سکیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان ہم وطنوں کو دے رکھی تھیں جو عقیدہ و دین اور رائے میں آپ کے مخالف تھے۔ جیسا کہ ہم نے آپ کے متعدد مواقف میں آپؐ کو ان یہودیوں کے مقابلہ میں دیکھا جنہوں نے آپ کے اور آپ کی دعوت کے خلاف تمام وسائل کو استعمال کیا۔ تاکہ لوگوں کو آپ کے پاس سے بھگا دیں اور آپؐ کی دعوت میں شک پیدا کر دیں۔ بلکہ وہ صراحت کے ساتھ آپؐ پر اور آپؐ کی رسالت پر طعن کرتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی نہ ان کو قید کیا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی تاوان ڈالا۔

اور نہ ان کو جلاوطن کیا ہے اور نہ ہی اس جیسی کوئی اور کارروائی کی ہے۔ حالانکہ آپؐ جانتے تھے کہ آپ ان سزاؤں کے دینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حکومت بھی آپؐ کی تھی۔ اور اور قوم بھی (سوائے یہود کے) آپ کے اشارہ کی فرمانبردار تھی۔ عقیدہ اور سیاست کے میدان میں متمدن دنیا کے ترقی یافتہ قوانین بھی آج تک دشمن کے ساتھ اس معاملہ کو روا رکھنے کی طاقت نہیں رکھ سکے۔ پس مغربی جمہوری ممالک کے موجودہ قوانین، نظریات و مذاہب کے اختلافات کے ساتھ ہم وطنوں کو عام آزادیاں دینے اور ان کی پاسداری بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس آزادی سے تخریب کاری اور لوگوں کے درمیان فتنہ انگیزی اور انتشار نہ پیدا کیا جائے۔ پس جب آزادیاں اس غرض کے لیے استعمال کی جائیں تو یہ قوانین اس آزادی کو روک لیتے ہیں اور تخریبی مقصد کے لیے آزادی حاصل کرنے والوں کو تصرف سے روک لیتے ہیں جس کی انتہا قائم شدہ نظام کی بربادی پر ہوتی ہے۔

اور جب ہم یہود کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے ان سے روادارانہ سلوک کیا اور آپؐ نے انہیں اپنے متعلق اور اپنے دین اور نظام کے متعلق ہر بات کہنے کی کھلی آزادی عطا فرمائی۔ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ ان کی تمام تنقیدات اور سوالات وجوابات کا مقصد آپؐ کے دین کو برباد کرنا اور ہم وطنوں کے درمیان فتنہ پھیلانا اور قائم شدہ نظام کو منہدم کرنا ہے تاکہ معاشرہ پر ان کا تسلّط باقی رہے

یہ امر ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم پختہ یقین کے ساتھ کہیں کہ بیسویں صدی میں متمدن مغربی ممالک کا نظام جو فرد کو عام آزادیاں دیتے ہیں اس مقام سے بہت دور رہیں جس مقام پر قانون نبوی پہنچا ہے۔ خصوصاً جو آزادیاں آپؐ نے اپنے عقیدہ دین اور نظریات کے مخالفین کو دی ہیں۔

خطرناک طریق جب تک یہودی آپ کی دعوت کے مقابلہ و معاوضہ میں پروپیگنڈا تشویش، تکذیب اور زبانی اعتراضات سے آگے نہیں بڑھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، یہودیوں کے ساتھ اپنے مضبوط مؤقف پر قائم رہے۔ اور آپ ان کے انتقادات، ذلتوں اور سنگدلانہ پروپیگنڈوں کے مقابلہ میں ان سے رواداری کرنے میں انتہائی حد تک چلے گئے۔ مگر جب یہود نے اسلام کے مقابلہ میں دوسرا یعنی طاقت استعمال کرنے کا طریق اختیار کر لیا۔ اور اس طریق

میں بڑھتے چلے گئے انہوں نے جنگ کی دھمکی دی پھر بت پرست قبائل میں گھوم پھر کر کے انہیں برانگیختہ کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے اکٹھا کیا اور خود آپ کے قتل کی سازش کی تو حضور علیہ السّلام نے بھی اس جدید یہودی منصوبے کے مقابلے میں دوسرا طریق اختیار کر لیا جو زیادہ حزم و احتیاط کا حامل تھا۔ اس حزم و احتیاط کا بروئے کار لانا، دعوت کی حمایت کے لیے تھا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پروان چڑھ رہی تھی اور جوں جوں یہودی سازشوں اور دھڑے بندیوں میں توسیع کرتے جاتے تھے جن کا مقصد دین جدید کو تباہ کرنا اور آپ کے لائے ہوئے نظام کو خونریزی کے ذریعے پامال کرنا تھا جیسا کہ بعد کے واقعات نے اس امر سے نقاب کشائی کی ہے۔ توں توں دعوت کی حمایت میں بھی وسعت پیدا ہو گئی۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سب سے پہلے جن یہودیوں نے مسلمانوں سے فوجی ٹکر لی وہ بنو قینقاع تھے۔ جو جزیرہ عربیہ میں تمام یہودیوں سے زیادہ شجاع تھے اور اس کے ساتھ ساتھ مدینہ کے سرمایہ دار بھی تھے[۱]۔ یہ یہودی (دوسرے یہودی قبائل کو چھوڑ کر) مدینے کے اندر رہتے تھے۔ اور یہ مسلمانوں سے الجھنے اور انہیں جنگ سے خونریز کرنے لگے اور یہ مسلمانوں کو بے عزت کرنے اور ان کی حکومت کے استخفاف کرنے میں اس حد تک پہنچ گئے کہ انہوں نے مسلمان عورتوں پر دست درازی شروع کر دی جس کی وجہ سے فریقین کے درمیان جنگ ہوئی۔ بنو قینقاع جنگ کے لیے تیار ہو کر اپنے مضبوط قلعوں کی پناہ میں آ گئے۔ پس مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ انہیں حوالگی پر مجبور کر دیا پھر مدینہ سے انہیں مکمل طور پر جلاوطن کر دیا گیا[۲]۔

پھر یہود کی مضطرب کرنے والی مسلسل کارروائیاں، گفتگو کے حلقہ سے نکل کر عمل کے حلقہ میں آنے لگیں۔ بنو قینقاع کی جلاوطنی کے بعد مشہور یہودی کعب بن اشرف قتل ہو گیا کیونکہ وہ

---

[۱] استاد اولیری اپنی کتاب "الیھود" کے صد ۱۲۸ پر بیان کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ بنو قینقاع کے یہودی عربی اصل سے ہوں جنہوں نے اسلام سے قبل یہودیت قبول کر لی ہو۔ یہ بات استاد جواد علی نے بھی اپنی کتاب تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ صد ۱۶ پر اس سے نقل کی ہے۔

[۲] بنو قینقاع کے یہودیوں کی جلاوطنی کے واقعہ کی تفاصیل ہماری کتاب غزوہ احد صد ۳۸ پر دیکھیے۔

اپنے مالی لغوذکی وجہ سے مدینہ کے امن کو برباد کرنے کا منبع بن گیا وہ اس علاقہ کا سب سے بڑا سرمایہ دار تھا جو عرب قبائل میں جاکر (جن میں قریش بھی شامل ہیں) انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے اور مدینہ سے جنگ کرنے کی دعوت دیتا[1]

پھر کعب بن اشرف کے قتل کے بعد، مدینہ سے بنو نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا۔ ان یہودیوں کو عہد شکنی اور آمریت یہاں تک لے آئی کہ انہوں نے اپنے علاقہ کے اندر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ بدر کے مشہور معرکہ میں مشرکین پر مسلمانوں کی فتح نے یہودیوں کے اوسان خطا کر دیئے۔ اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت کے خلاف جنگ کو، گفتگو سے خونریز میدان عمل میں منتقل کرنے لگے۔

جب بدر کے عظیم معرکہ میں مسلمانوں کو، مشرکین پر فتح حاصل ہوئی تو یہودیوں کی جانب سے اس وقت یہ تبدیلیاں معرض وجود میں آئیں جن سے وہ خونریز معرکہ ہوئے جن کی ابتدا بنو قینقاع کے یہودیوں کے فتنہ سے ہوئی اور اس کا اختتام بنو قریظہ کی تباہی سے ہوا۔

پانچ سال کے واقعات کو باریک نگاہ سے دیکھنے والے پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہودی اوّل ساعت سے ہی، اگر انہیں غلبہ اور مدینہ میں رہنا نصیب ہو جاتا تو اسلامی ہستی کے مٹانے اور ہر وسیلے سے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے سوا، کسی بات پر راضی نہ ہوتے اور ان سب سے پہلا وسیلہ بزورِ شمشیر ختم کرنے کا ہوتا۔ اور یہ امر تینوں بڑے قبیلوں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے درمیان متفقہ ہے۔ مگر حالات نے انہیں اجازت نہیں دی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دھڑا بن جائیں۔

اگر یہودی جدید نظام کو تسلیم کرتے اور اسلامی حکومت کے جھنڈے تلے آجاتے اور عسکری ربط ضبط میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے۔ اور ہم وطنوں کی طرح جدید نظام سے وابستہ ہو جاتے اور اس کے زیر سایہ آجاتے۔ تو انہیں اپنے دین پر آزادانہ طور پر قائم رہتے ہوئے وہی حقوق ملتے جو مسلمانوں کو ملتے۔ یہ سب کچھ یہودیوں کے ان خفیہ ارادوں کے بدلے میں ہوا ہے جن کے پس پردہ

---

[1] کعب بن اشرف کے قتل کی تفاصیل ہماری کتاب غزوہ احد کے صفحہ پر دیکھئے۔

وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آزادی سے کام کرتے تھے اس بات کو واقعات نے پوری طرح وضاحت سے ثابت کیا ہے۔

پانچ سال کے بعد یہودی تصرفات کے استقصا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہیں اس دوران میں مسلمانوں کے وجود کو تباہ کرنے کا موقع میسّر نہیں آیا۔ اگر انہیں کسی لحظہ یہ موقع میسر آ جاتا تو وہ بنوک شمشیر مسلمانوں کو ختم کرنے میں تردد نہ کرتے خواہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہزار عہد اور ہزار پیکٹ ہوتے۔

اور بنو قریظہ کے یہودیوں کے فعل شنیع پر سب سے بڑھ کر دلالت کرنے والی بات یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں پر پیچھے سے ضرب لگانے کی سازش کی جب کہ وہ جنگ کے نہایت نازک مقام پر ایک زبردست دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ جس نے اپنی کئی گنا زیادہ فوجوں کے ذریعہ ان کا اس طرح گھیراؤ کر لیا تھا جیسے موجزن سمندر چھوٹے جزیرہ کو گھیر لیتا ہے۔ بنو قریظہ کے یہودیوں نے یہ غداری اس وقت کی جب کہ وہ عسکری اور سیاسی معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کے ساتھ مرتبط تھے جس کے فقرات میں ہے کہ یہودی مدینہ کے دفاع میں مسلمانوں کے ساتھ اس فوج کا ایک حصہ ہوں گے جس پر مدینہ کا دفاع فرض ہوگا۔ جب ایسے کوئی جنگ پیش آئی جیسے احزاب کے ہاتھوں آئی تھی لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ یہودیوں نے ان خطرناک حالات میں ان کے ساتھ مل کر لڑنے کی بجائے انہیں پیچھے سے ضرب لگانے کی سازش کی۔ پانچ سالوں میں یہودیوں کی دیگر پہلی کارروائی کے ساتھ ان کی یہ کارروائی اس امر کی دلیل ہے کہ یہودیوں نے اوّل ساعت سے ہر وسیلہ سے اور ہر حالت میں موقع میسّر آنے پر مسلمانوں کو تباہ کرنے اور اسلام کے وجود کو ختم کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی جب کہ مسلمانوں کی حالت ان کے برعکس تھی۔ ان یہودیوں کو تباہ کرنے کی ان کی کوئی ایسی نیت نہ تھی۔ حالانکہ وہ ان کی بُری نیتوں سے آگاہ تھے۔ اور اگر مسلمانوں کی کوئی ایسی نیت ہوتی تو وہ یہودیوں کو جب کہ سارا یثرب ان کے ماتحت تھا پہلے مہینوں میں ہی تباہ کر دیتے اور بغیر اس کے کوئی طاقت ان کی راہ میں حائل ہوتی وہ ان یہودیوں کی جڑ کاٹ دیتے۔

ہمیں ان حقائق پر ان تصرفات سے یقین حاصل ہوتا ہے جو مسلمانوں نے یہودیوں کے مقابلہ میں کیے۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر کی فوجیں محاصرہ کے بعد صلح جنگ میں مسلمانوں کے سامنے ہتھیار

ڈالی گئیں۔ اور وہ دونوں حالتوں میں ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ نہیں گزار سکیں۔

اگر مسلمانوں نے ان کو تباہ کرنے کا منصوبہ سوچا ہوتا تو ان کی استطاعت میں تھا کہ وہ ان ہتھیار ڈالنے والے یہودیوں کو نہایت آسانی سے تباہ کر دیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ان کی ایسی کوئی نیت ہی نہ تھی۔ انہوں نے ان کو صرف یثرب سے جلا وطن کرنے پر اکتفا کیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر یہودیوں کو موقع مل جاتا تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ سوچا ہوا تھا۔ مگر ہر خبیث منصوبے میں قسمت ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اور میں پورے عزم کے ساتھ اعتقاد رکھتا ہوں کہ اگر یہودی مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسے حالات میں کامیاب ہو جاتے جیسے مسلمان بنو قینقاع اور بنو نضیر کے محاصرہ میں ہوئے تھے تو وہ ان کی مکمل تباہی میں ایک لحظہ بھی تردد نہ کرتے۔

بدر کے عظیم معرکہ میں مسلمانوں کی فتح وہ پہلا عامل ہے جس نے یہود کے دلوں میں وہ سخت کینہ بھڑکا دیا جس سے وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین کے خلاف بپا کیے ہوئے معرکہ کو دسیسہ کاری، گفتگو اور تکذیب کے میدان سے زبردستی کرنے اور دعوت کے دھارے کو روکنے اور طاقت اور خونریزی سے مقاومت کرنے کے میدان میں آ گئے۔

یہود کا جنگ کی دھمکی دینا

انہوں نے اس پُرخطر طریق کے ابتدائی قدم کے طور پر یہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے ٹکرانے لگے اور ایسی باتیں کرنے لگے جن سے یہ بو آتی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کی دھمکی دے رہے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہود کی تدابیر سے غافل نہ تھے۔ جب سے انہوں نے یہ طریق اختیار کیا تھا۔ آپ ان کی مشکوک حرکات کی نگرانی کر رہے تھے۔

سب سے پہلے بنو قینقاع اس طریق پر چلے اور مسلمانوں کو دھمکایا اور انہیں فتنہ میں مبتلا کیا۔ کہتے ہیں کہ اس قبیلے کے یہودی عربی الاصل سے ہیں[1] جو دوسرے یہودیوں سے شجاعت، حربی قوت اور سرمایہ داری میں امتیاز رکھتے ہیں۔ ان کے پاس مضبوط جنگی قلعے ہیں جن پر یہ فخر

---

[1] یہ بات کسی مسلمان مورخ نے نہیں کہی۔ یہ صرف مستشرقین کا قول ہے۔

کرتے ہیں اور ان کے گھر سب یہودیوں سے زیادہ مسلمانوں کے نزدیک ہیں۔ ان کے گھر مدینہ کے اندر ہیں اور دیگر یہودی قبائل کے گھر خصوصاً بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مدینہ سے باہر ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو قینقاع کو نصیحت کرنا

جب بنو قینقاع نے مسلمانوں سے چھیڑ خانی شروع کی اور واضح ہو گیا کہ وہ دعوت اسلامی کے مقابلہ کا عزم کیے ہوئے ہیں خواہ جنگ اور خونریزی سے ہو۔ اس وجہ سے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان معاہدہ اور تحالف تھا حضور علیہ السلام جنگ اور خونریزی کو ناپسند کرتے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے ان یہودیوں کو سیدھے راستے کی طرف واپس لانے کی نصیحت اور مذاکرات کا طریق اختیار کیا۔ آپ نے ان کے ساتھ ان کی اصلاح کرنے اور انہیں گمراہی سے واپس لانے اور خطرناک راستے سے موڑنے کیلئے ایسے ا نکے بازار میں منعقد کیا۔ اور وہ خطرناک طریق، جنگ کا طریق تھا۔ اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ وہ جنگ کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ بلاشبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امن واستقرار کے اور ہر قسم کی خونریزی کو روکنے کے شدید خواہشمند تھے آپ نے یثرب کے دیگر قبائل میں سے بنو قینقاع کو اس اجتماع میں مذاکرات کے لیئے صرف اس لیے دعوت دی تھی کہ آپ کو یہ یقین حاصل تھا کہ یہ لوگ اس معاہدہ کو جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے پا چکا ہے۔ توڑنے اور جنگ کی دھمکیاں دینے اور امن وامان کو برباد کرنے والی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ اس میٹنگ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کو صحیح راہ کی طرف واپس لانے اور مسلمانوں اور تمام یہودیوں کے درمیان طے شدہ معاہدہ کی دفعات پر پابند کرنے کی کوشش کی نیز آپ نے انہیں وعظ ونصیحت کی اور سرکشی زیادتی اور آویزش کا طریق اختیار کرنے پر انتباہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ جب قریش نے ظلم و زیادتی اور سرکشی کا طریق اختیار کیا تو بدر کے روز انہیں بھی اس کا بڑا پھل ملا۔ آپ نے انہیں کہا کہ اے گروہ یہود، قریش پر جو عذاب نازل ہوا ہے اس جیسے عذاب سے اللہ سے ڈرو اور یہ بات یقینی ہے کہ بنو قینقاع میں سے بعض ایسی باتیں ظہور پذیر ہو چکی ہیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ظلم وزیادتی اور سرکشی کے راستے پر چلنے کا عزم کیے ہوئے ہیں جس پر قریش چلے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ انہیں

وہ مصیبت یاد نہ لاتے جو معرکہ بدر کے روز قریش کو پہنچی تھی۔

بنو قینقاع کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت جواب دینا

اس کانفرنس میں یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ نصیحت کا جواب نہایت متکبرانہ انداز میں دیا جس میں بے ہودگی اور تحدی کا عنصر بھی شامل تھا جس سے اس امر کا پتہ چل گیا کہ یہودی سخت روی اور جنگ کی دھمکیوں کا طریق اختیار کرنے کا پختہ عزم کئے ہوئے ہیں۔ اور یہ اس طرح کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت کی اور انہیں معاہدہ کی لفظوں کی پابندی کرنے اور امن و امان سے رہنے اور جنگ و جدل کو ہوا دینے اور امن کو خراب کرنے پر انتباہ کیا تو انہوں نے جواب میں جنگ کی دھمکی دی بلکہ اس جنگ کے لیے انہوں نے تیاری کا اعلان کر دیا۔

انہوں نے اس کانفرنس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

"کیا آپ ہمیں قریش سمجھتے ہیں۔ یہ بات آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے آپ نے اس قوم سے جنگ کر کے کامیابی حاصل کی ہے جسے جنگ کا علم ہی نہیں ہے خدا کی قسم اگر ہم نے آپ سے جنگ کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم ہی مرد میدان ہیں[1]"

اس اضطراب اور چیلنج سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ امور کا ادراک کر لیا۔ اور ایک ذمہ دار لیڈر کی طرح آپ کا سمجھ جانا ایک ضروری امر تھا۔ آپ نے اپنا غصہ پی لیا اور اس چیلنج اور دھمکی کے مقابلہ میں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ مگر اس کانفرنس کے بعد مسلمان نہایت بیدار مغزی سے واقعات پر نگاہ رکھنے لگے کہ رات کے پردہ سے کیا نکلتا ہے

بنو قینقاع کا عہد توڑنا

یہودی سوچی سمجھی نیت اور طے شدہ منصوبے کے مطابق مسلسل مسلمانوں سے آویزش کرتے رہے اور انہیں برانگیختہ کر کے اپنی من پسند جنگ کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ لیا۔ جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے پا چکا تھا۔ اور فریقین کے درمیان جنگ

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۴۷

کھل گئی۔

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ اس جنگ کا باعث یہ امر ہوا کہ ایک مسلمان عورت مدینہ میں بنو قینقاع کے بازار میں اپنے زیورات بیچنے کے لیے آئی اور جب وہ بیٹھ گئی تو یہودیوں کی ایک پارٹی اسے مضطرب کرنے اور اس سے لڑنے لگی انہوں نے چاہا کہ وہ اپنا چہرہ ننگا کر دے۔ مگر اس نے انکار کیا تو ایک یہودی نے اس کے کپڑے کے ایک کونے کو اس کی پشت کے ساتھ گرہ لگا دی جس کا اسے علم نہ ہوا۔ پس وہ اٹھی تو اس کی شرمگاہ ننگی ہو گئی اور یہودیوں نے اس سے ہنسی مذاق کیا تو وہ مسلمانوں سے مدد مانگتی ہوئی چلائی، ایک مسلمان وہاں موجود تھا اس نے زیادتی کرنے والے یہودی پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اور یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ تو ان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کا محاصرہ کر لیا۔ مگر وہ کسی دوسری تفصیلات کا ذکر نہیں کرتا۔

ابن اسحاق کا مناقشہ

لیکن ایک غیر جانبدار محقق کے لیے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ یہ انفرادی واقعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنو قینقاع کے محاصرہ کا واحد جواز بنا۔ ضروری ہے کہ اس واقعہ سے بڑھ کر بڑے بڑے واقعات ہوئے ہوں جنہوں نے بنو قینقاع کے محاصرہ اور ان سے جنگ کرنے تک پہنچا ہو۔

جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و حلم اور بردباری کو جانتا ہے وہ یقین رکھتا ہے کہ آپ نے ان یہودیوں کا اس وقت محاصرہ کیا جب آپ کو عہد توڑنے کا یقین ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ان کے بازار میں ان کے ساتھ میٹنگ کی اور انہیں انتباہ کیا اور نصیحت بھی کی، یہودیوں نے اس عورت کے واقعہ اور اس پر زیادتی کو، مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لینے میں جلدی کی اور ہر قسم کی گفتگو اور مفاہمت کو ترک کر دیا۔ اور یہ سب کچھ اس منصوبہ اور نیت کے مطابق تھا۔ جو وہ اس طریق پر چلنے کے لیے کر چکے تھے۔ جو قریش نے بدر میں کیا تھا۔ پس انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا۔

اور ابن اسحاق نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتا ہے کہ:۔

بنو قینقاع پہلے لوگ ہیں جنہوں نے اس معاہدہ کو توڑا جو اُن کے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا اور بدر و اُحد کے درمیان جنگ کی مگر اس نے مفصّل بیان نہیں کیا کہ انہوں نے کیسے عہد توڑا۔

لیکن قرآن نے (جو ہر بات سے صادق تر ہے) واضح اشارہ کیا ہے کہ بنو قینقاع اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کا سبب اس عورت کے واقعہ سے بڑا ہے جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب قریش نے ظلم وستم و سرکشی سے مسلمانوں کو حقیر کرنے کے لیے وادئ بدر میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی اس وقت مدینہ میں یہودیوں کی سرکشی اور ظلم بھی مسلمانوں سے آویزش کرنے میں اسی سطح پر تھا قرآن کریم میں بنو قینقاع کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل للذین کفروا ستغلبون وتحشرون الی جہنم وبئس المہاد قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار[1]

ہمارے نزدیک یہ امر مستبعد ہے کہ بنو قینقاع کے بازار کا انفرادی واقعہ ان یہودیوں کے محاصرہ کا واحد سبب ہو بلکہ ضروری ہے کہ یہودیوں کی جانب سے کچھ اور بڑے واقعات وحادثات پیش آئے ہوں جن سے مجبور ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا ہو تاکہ ان کے شر اور بیہودہ کارروائیوں کو ایک حد کے اندر رکھیں جو تمام یثربی قوم کو درپیش تھیں جن کی تلافی بعد میں مشکل ہوتی اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جب میں بنو قینقاع کی جلاوطنی کے متعلق یہ نوٹ لکھ چکا ہوں تو مجھے مشہور انگریزی مؤلف ڈاکٹر منٹگمری کی رائے کا علم ہوا۔ یہ مؤلف اپنی کتاب (محمد نبی اور حکمران) کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتا ہے کہ:۔

قبیلہ بنو قینقاع کو جلاوطن کرنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرکز کی مضبوطی کا اہم سبب ہے اور بعض روایات کے مطابق اس جلاوطنی کا سبب یہ ہے

---

[1] آل عمران ۱۲

کہ بنو قینقاع کے یہودیوں اور بعض مسلمان تاجروں کے درمیان مدینہ کے بازار میں معمولی سا جھگڑا ہوا۔ اس دوران میں ایک عرب عورت ایک سنار کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک یہودی نے کچھ کانٹے اس کے کپڑے کے ساتھ باندھ دیئے اور وہ اٹھی تو اس کے جسم کا اکثر حصّہ ننگا ہو گیا۔ اور دیکھنے والے ہنس پڑے۔ اس موقع پر ایک مسلمان موجود تھا۔ اس نے اس فعل کے مرتکب کو قتل کر دیا اور پھر خود بھی قتل ہو گیا۔

پھر اس واقعہ کے بعد یہودی اپنے قلعوں میں چلے گئے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا"

پھر منٹگمری واٹ اس روایت پر حاشیہ لکھتا ہے کہ:۔

"اس واقعہ پر اعتماد کرنا ممکن نہیں، ایک داستان ہے۔ اور اس قسم کی بہت سی داستانیں ہم جزیرہ عربیہ کی قبل از اسلام تاریخ میں پڑھتے ہیں۔ ہاں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان وہاں اس واقعے سے نزاع ہو سکتا ہے"

پھر منٹگمری اپنی خاص رائے بیان کرتا ہوا کہتا ہے

"وہ اسباب جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے جلاوطن کرنے کے فیصلہ تک پہنچایا۔ معلوم ہوتا ہے وہ اس سرسری واقعہ سے بہت گہرے تھے۔ یہودیوں نے اسلامی معاشرہ میں رچ بس جانے کی مکمل استعداد کا اظہار نہیں کیا۔ اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مقاطعہ کرنا مناسب سمجھا۔ اسکے باوجود وہ ہمیشہ ہی آپ کے ساتھ بعض انعامات سے فیضیاب رہے مگر آپ ہمیشہ نہایت احتیاط سے ان کی نگرانی کرتے رہتے تاکہ وہ آپس کے باہمی معاہدہ کی مخالفت کے باعث آپ کو کوئی موقع فراہم کر دیں"

پھر ڈاکٹر منٹگمری ایک اور جواز بیان کرتا ہے جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہودیوں کے خلاف کارروائی کا سبب بنایا۔ وہ کہتا ہے

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم تھا کہ قریش مکہ کے سا تھ جو آپ کے

دشمن ہیں یہودیوں کے دوستانہ تعلقات موجود ہیں اور یقیناً اس بات کو اس معاہدہ کی صریح کے خلاف شمار کیا جائے۔ جو مسلمان اور یہودیوں کے درمیان طے پا چکا تھا۔ بلکہ اس کو توڑنے والا سمجھا جائے گا[1] خواہ کوئی سبب بھی ہو ہم اس یقین پر قائم ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق، خواہش کے ماتحت نہ ہوتا تھا۔ اور آپ کا ہر اقدام الٰہی قواعد حق و عدل کے مطابق ہوتا تھا۔ (وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ)

بنو قینقاع کا محاصرہ

جب آپ نے گفتگو اور نصیحت کو سود مند نہ پایا اور دیکھا کہ ان متمرد یہودیوں کا مقدمہ تلوار کے سامنے پیش کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہونے کے بعد آپ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ اور انہوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لے لی۔ یہ ہجرت کے بعد دوسرے سال نصف شوال کا واقعہ ہے۔ یہ محاصرہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کی قیادت میں کیا گیا۔[2] پندرہ راتوں تک یہود کا محاصرہ رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور ان کا مورال گر گیا۔ اور انہوں نے اطاعت اختیار کرنے کے لیے مذاکرات کا مطالبہ کیا۔ پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مذاکرات کیے اور غیر مشروط طور پر ان یہودیوں کی سپردگی پر مذاکرات کا خاتمہ ہو گیا کہ حضور علیہ السلام ان کے متعلق جو چاہیں فیصلہ کریں۔ اس بات کا بتانا بھی ضروری ہے کہ یہودیوں کے دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنو نضیر نے اپنے ان دینی بھائیوں کی مدد کے لیے کوئی حرکت نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مرجع وہ باہمی عداوت ہے جو بنو قینقاع (خزرج کے حلیفوں) اور بنو قریظہ اور بنو نضیر (اوس کے حلیفوں) کے درمیان مستحکم تھی۔

منافقین اور بنو قینقاع

منافقین اپنے لیڈر عبداللہ بن ابی کی قیادت میں بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہونے والے اقدامات کو دیکھ رہے تھے اور ان کی دلی تمنا یہ تھی کہ یہودی مسلمانوں کے خلاف بغاوت و تمرد میں کامیاب

---

[1] اس معاہدہ کی دفعات کی تفصیلات ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسیہ ص [illegible] میں ملاحظہ کیجیے۔

[2] محمد رسول اللہ جلد ۱ ص ۲۵۴

ہوں، مگر ان منافقوں کو شرمندہ ہونا پڑا اور جب ان کے لیڈر نے سُنا کہ اس کے حلیف بنو قنیقاع غیر مشروط طور پر مسلمانوں کے مطیع ہو گئے ہیں تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ چونکہ یہ عظیم منافق (عبداللہ بن ابی) بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اس کی ضیافت سے متمتع ہوتا تھا۔ نیز بنو قنیقاع کے حلیف خزرج کا ایک لیڈر ہونے کی وجہ سے اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم خزرج کے نام سے یہ التماس کیا کہ آپ بنو قنیقاع کے یہودیوں کے لیے عفو عام کا حکم صادر فرمائیں۔ مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عرضداشت پر توجہ نہ دی۔ مگر عبداللہ بن ابی کی بار بار کی کوششوں اور پر اصرار توقعات پر آپؐ نے ان یہودیوں کے متعلق اس شرط پر عفو عام کا اعلان کیا کہ وہ مدینہ سے جہاں چاہیں چلے جائیں۔ لیکن وہ اپنی جانوں اور اموال (جس قدر وہ لے جا سکتے تھے) کے متعلق بے خوف ہو کر شام کی طرف جلاوطن ہو گئے۔ اور ان کی جلاوطنی سے مدینہ اس عنصر سے پاک پایا گیا۔ جو یثرب میں سب سے خطرناک یہودی عنصر شمار ہوتا تھا۔

بنو قنیقاع کے یہودیوں کی معافی کے متعلق منافقین کے سردار کے التماس اور الحاح کا واقعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے اور آپ کی زرہ کھینچنے تک پہنچ گیا جس سے ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم اور چشم پوشی ان لوگوں کے مقابلہ میں کس حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ جن کا مقصد آپؐ کو اور آپؐ کی دعوت کو ختم کرنا تھا اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں اُمت کے امور کے ذمہ داروں کے لیے بہترین سبق ہے۔

منافقین کے سردار کی سفارش میں کامیابی

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ جب بنو قنیقاع کے یہودیوں نے غیر مشروط طور پر اطاعت اختیار کر لی اور ان کا انجام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آگیا کہ آپ ان کے متعلق جو چاہیں فیصلہ کریں تو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے آپؐ کے پاس جا کر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے دوستوں (حلیفوں) سے اچھا سلوک کرنا آپؐ نے اس سے منہ پھیر لیا تو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو آپؐ کا رنگ بدل گیا۔ اور آپؐ نے ابن ابی

سے کہا مجھے چھوڑ دو (یعنی میری زرہ سے اپنا ہاتھ نکال لو) اور آپ ناراض ہو گئے یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار دیکھے۔ پھر آپ نے دوبارہ ناراض ہو کر فرمایا۔ تیرا بُرا ہو مجھے چھوڑ دے، مگر منافقین کے سردار نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپکی زرہ سے چپکا رہا اور یہودیوں کے متعلق معافی طلب کرنے میں اصرار کرتے ہوئے کہنے لگا

"خدا کی قسم جب تک آپ میرے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں گے میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ چار سو ننگے سروں اور تین سو زرہ پوشوں نے مجھے احمر و اسود سے روک دیا ہے۔ آپ ان کو ایک صبح کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ خدا کی قسم میں وہ آدمی ہوں جو گردش روزگار سے خائف ہوں"

اس الحاح اور تنگی کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے سردار کی درخواست کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اور آپ نے اس کے یہودی حلیفوں کو یہ کہتے ہوئے معاف فرما دیا۔ جاؤ تیرے ہوئے۔

اس طرح منافقین کے سردار نے سرکش اور متمرد بنو قینقاع کے خون محفوظ کر لیے حالانکہ وہ اپنی سرکشی، عہد شکنی اور تمرد کی سزا میں موت کی توقع رکھتے تھے اس کے بعد انہوں نے یثرب کو صحیح سلامت چھوڑ دیا۔

یہود کا سب سے بڑا باغی

بنو قینقاع کے یہودیوں پر جو سزا نازل ہوئی اس سے بقیہ یہودیوں نے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حالانکہ وہ یثرب کے یہودیوں میں سب سے طاقتور تھے اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس خطرناک طریق کے سوا وہ اپنے شریرانہ مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتے تو وہ اسلام کے خلاف تدابیر کرنے اور اُسے بنوک شمشیر ختم کرنے میں زیادہ بڑھ گئے۔

یثرب میں یہودیوں کا سب سے بڑا باغی اور مشہور سود خور، سرمایہ دار کعب بن اشرف سب یہودیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کا استخفاف کرتا اور انہیں چیلنج دیتا تھا۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ایذا دیا کرتا۔ اور اس پر لوگوں کو آمادہ کیا کرتا تھا۔ وہ بہت اچھا شاعر تھا اور مستزاد یہ کہ وہ مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کرتا اور ان کی عورتوں کی تشبیب

کہتا اور سرو ستاان کے نام لے کر غزلیں کہتا تھا۔

اس یہودی کا نسب عرب کے طے قبیلہ سے ملتا تھا اور اس کی ماں، بنی نضیر کے یہودیوں میں سے تھی۔ اور مدینہ کی ایک جانب وادی مہزور کے جنوب میں اس کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے میں پانی بھی ہیں اور اس میں اس کی اور اس کے اتباع کی ضرورت کی ہر چیز اسلحہ اور غلہ موجود تھا۔

باغی کا عہد توڑنا بدر کے عظیم معرکہ میں مسلمانوں کی فتح اس کے نقض عہد اور مسلمانوں کے تباہ کرنے کی کوشش کا پہلا باعث تھا۔ اس یہودی کو جب اطلاع ملی کہ مسلمانوں کو بدر میں فتح حاصل ہوئی ہے اور اس نے دیکھا کہ زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے بھیجا تھا مسلمانوں کو فتح کی خوشخبری دے رہے ہیں۔ نیز کعب نے ان قریشی لیڈروں کے نام سنے جو بدر میں قتل ہو گئے تھے۔ تو اس نے غصہ سے کہا کیا یہ سچ ہے؟ کیا جن لوگوں کا یہ دونوں نام لے رہے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ یہ عرب کے اشراف اور لوگوں کے بادشاہ ہیں۔ خدا کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مار دیا ہے تو زمین کا بطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے[2]

مسلمانوں کے خلاف اکسانا باوجودیکہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ طے پا چکا تھا۔ اس معاہدہ کی پابندی کے بموجب یہودیوں کو مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک، قریش کی تائید و امداد نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اور باوجود اس کے کہ یہودیوں نے بدر اور اس کے بعد، مسلمانوں سے صرف عہد کی پاسداری کرنے اور یہودیوں کو کسی قسم کی ایذا رسانی کرتے نہ دیکھا تھا۔ اس باغی کعب بن اشرف کے دل میں کینہ اور عہد شکنی نے جوش مارا اور اس نے تمام معاہدات و مواثیق کو دیوار کے ایک گوشہ میں دے مارا، اور حسد و سرکشی سے

---

[1] ان دونوں کے حالات ہماری کتاب غزوہ بدر میں دیکھئے۔

[2] ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۱

مسلمانوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔

باغی مکہ میں

کیونکہ وہ اکیلا مسلمانوں کے خلاف کوئی فیصلہ کن عسکری کارروائی کرنے سے عاجز تھا۔ پس وہ عرب قبائل کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برانگیختہ کرکے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کرنے کی ترغیب دینے کے لیے نکلا۔ اسی ترغیبانہ سفر میں وہ قریش کے قلعہ مکہ میں جا پہنچا اور اس کے لیڈروں سے ملا (جو اس کے دوست تھے) اور ان کے ساتھ اپنی میٹنگوں میں انہیں معرکہ بدر میں ان کے سرداروں کے قتل ہو جانے کو یاد کرانے لگا۔ اس طرح وہ ان کے کینہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کے جذبات بھڑکانے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کرنے لگا۔

اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قریش کو بھڑکانے کے لیے تمام طریق اختیار کیے۔ حتیٰ کہ اس نے اشعار کو بھی بھڑکانے کا ذریعہ بنایا اور وہ ایک اچھا شاعر تھا۔ اور وہ اپنے برانگیختہ کرنے والے اشعار کے ذریعے قریش کی مجالس میں پھرتا پھراتا ان کے دلوں کے پوشیدہ کینوں کو اچھالنے لگا۔ اور معرکہ بدر میں ان کے مقتول سرداروں کو انہیں یاد کرانے لگا۔ اور مکہ میں اس نے جو اشعار کہے اس میں بدر میں قریش کے مقتول کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"بدر کی چکی نے بدر والوں کو پیس دیا۔ اور بدر جیسے واقعہ پر رونا اور آنسوں بہانا چاہیئے لوگوں کے سردار اپنے حوضوں کے ارد گرد قتل ہو گئے۔ تم ہلاک نہ ہو۔ بادشاہ قتل ہوا ہی کرتے ہیں۔ کتنے ہی سفید رو، بزرگ اور خوشدل سردار مارے گئے جن کے پاس تباہ شدہ لوگ پناہ لیا کرتے تھے، جب ستارے وعدہ خلافی کرتے تو وہ کشادہ دستی سے کام لیتے، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے سرداری کرتے اور چوتھائی حصہ لیتے۔ لوگ کہتے کہ میں ان کی مصیبت سے خوش ہوں، ابن اشرف جزع فزع کر رہا ہے۔ کاش جس گھڑی وہ قتل ہوئے زمین اپنے اہل کو نگل لیتی اور پھٹ جاتی"

پھر اس نے خاص طور پر ابوجہل کا مرثیہ کہتے ہوئے کہا:۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تمام بنی مغیرہ ابوالحکم کے قتل سے ذلیل اور نکمے ہو گئے ہیں"

اس کے علاوہ بھی اس نے نظم و نثر میں بہت کچھ کہا ہے۔

بلاشبہ فصیح شعر، عربوں کے دلوں کو متاثر کرنے والا سب سے بڑا مؤثر ذریعہ ہے شعر کو شاعر کی مرضی کے مطابق لوگوں کے دلوں میں تحریک کرنے اور جذبات کو بھڑکانے میں یدطولیٰ حاصل ہوتا ہے اور خصوصاً اس دور میں جب عرب (بغیر کسی استثناء کے) شعر کے ذوق اور فہم اور فصاحت میں صدر رجہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بلاغت کے میدان میں نہایت حساس اور متاثر ہونے والے تھے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قبائل کے درمیان چکر لگانے میں کعب بن اشرف کی گفتگوؤں اور ترغیبات کے علاوہ اس کے اشعار کا بھی بڑا ہیجان خیز اثر ہوا۔

اور اس امر میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ کعب بن اشرف کا یہ ترغیبی عمل، معرکہ اُحد کا تمہیدی عمل، یا وہ کارگر عمل ہے جس نے اس فیصلہ کن معرکہ کی تیاری میں اہم پارٹ ادا کیا جسے معرکہ بدر کے تقریباً ایک سال بعد، قریش، یثرب میں مبتلا مسلمانوں کے صحن میں لے آئے تھے۔ ابھی یہ خبیث یہودی مکہ سے واپس نہیں لوٹا تھا کہ مکہ میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ مسلمانوں کے گھر کے صحن میں ان سے جنگ کی جائے۔ اور بلاشبہ کعب بن اشرف نے قریش سے وعدہ کیا کہ جب وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے تیار ہوں گے۔ تو وہ ان کی مدد کے لیے ہاتھ بڑھائے گا۔ مگر خدا تعالیٰ معرکہ احد کے بپا ہونے سے قبل ہی اس کی روح کو جلد دوزخ میں لے گیا۔

یہودی باغی کا قتل

یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب کعب مدینہ واپس آیا تو اس کا شر بڑھ گیا اور مسلمانوں کے وجود کے لیے اس کے خطرہ ہونے میں اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ تمام یثرب کی سلامتی کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا ترغیبات اور تہدیدات کرنے لگا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اپنے مالی تسلط سے امن برباد کرنے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ترغیب دینے لگا۔[1]

---

[1] کتاب معجزہ محمد رسول اللہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ از سید عبدالعزیز نقابی میں لکھا ہے کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (باقی صفحہ آئندہ)

آپ نے اس باغی اور جابر یہودی کے چیلنجوں، دھمکیوں اور ایذا رسانیوں پر لمبا زمانہ صبر کیا۔ حالانکہ اس نے آپؐ اور آپؐ کے اصحاب سے سوائے عہد کی پاسداری اور کچھ نہ دیکھا تھا۔

اور جب کعب بن اشرف، عہد شکنی اور علانیہ دشمنی اور جنگی تیاریاں اور اس پر ترغیب کے اس مقام تک جا پہنچا جس کے ہوتے ہوئے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہتا تو حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ اس یہودی کی سرکشی کو روکنا ضروری ہے تاکہ یثرب کا معاشرہ اسکے شر سے نجات پا سکے کیونکہ اس کا اس طرح آزادانہ طور پر جنگ کی ترغیب دیتے پھرنا اور امن کو برباد کرنے کے لیے کام کرنا یثرب کو واقعی اضطراب میں مبتلا کر سکتا تھا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد شکن اور متمرد یہودی کے قتل کا فیصلہ کیا اور اس کے قتل کے لیے مشہور صحابی محمد بن مسلمہ کو مقرر کیا اس نے چند انصاری نوجوانوں کے ساتھ اسے اس کے قلعہ سے باہر ہی قتل کر دیا جس سے اس کا خاتمہ ہو گیا جن کی شرح طویل ہے۔

باغی کے قتل کے بعد یہود کی خاموشی

بقیہ یہودیوں کو سکون آگیا اور وہ گھبراہٹ سے جھوٹی خبریں اڑاتے ہوئے دوبارہ اپنے قلعوں میں گھس گئے اور پیچ و تاب کھانے لگے، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امن و استقرار کو برباد

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) مدینہ آئے تو بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے علماء حسب عادت کعب بن اشرف سے انعامات لینے کے لیے آئے تو اس نے انہیں کہا کہ تمہارے پاس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا علم ہے انہوں نے کہا یہ وہی ہے جس کے ہم منتظر تھے ہم اس کی صفات کے منکر نہیں ہیں تو اس نے سختی سے جواب دیا اور کہا تم بہت سے مال سے محروم ہو گئے ہو اپنے اہل کے پاس واپس چلے جاؤ کیونکہ میرے مال میں لوگوں کے بہت سے حقوق ہیں۔ پس وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے، پھر کچھ مدت کے بعد اس کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے آپ کو جو پہلے اطلاع دی تھی اس میں ہم سے غلطی ہوئی ہے ہم نے جب اپنے علماء سے معلوم کیا تو انہوں نے ہمیں ہماری غلطی بتائی اور کہنے لگے یہ وہ نبی نہیں جس کا انتظار ہے پس وہ ان سے راضی ہو گیا اور ان سے صلہ رحمی کرنے لگا اور اس نے اور ان کے پیروکار علماء کو بھی اپنے مال سے حصہ دیا اور وہ اپنے اشعار میں حضرت نبی کریمؐ کی ہجو کیا کرتا اور کفار اور یہود کو آپ کے خلاف برانگیختہ کرتا تھا اور انہیں آپ سے جنگ کرنے اور آپؐ کی عداوت پر جمع کرتا تھا۔

کرنے والی کوششوں کے مقابلہ میں یہ دانشمندانہ اقدامات اختیار کیے جو مصلحتِ اُمت کے متقاضی تھے اور جنہیں ہر تخریب کار غدار کے مقابلہ میں اختیار کرنے کو قرآنی نص صراحۃً واجب کرتی ہے تو ان پر خوف چھا گیا۔ یہ نص، عہد شکنی اور غداری کی بنیادوں کو جلد ختم کرنے اور اس کی حرکت کو اس کے شر کے بڑھنے سے قبل شل کرنے کو واجب کرتی ہے۔

فاما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء ان اللہ لا یحب الخائنین[1]

بنو قینقاع کے عہد شکن یہودیوں کا محاصرہ کرنا پھر انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنا اور عہد شکن اور ستمگر اور رباعی کعب بن اشرف کو قتل کرنا ایک سخت سبق تھا جسے یہودیوں نے اچھی طرح یاد رکھا پس انہوں نے عاجزی اختیار کرلی کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم علاقے کے پرامن واستقرار اور دعوت توحید کو تخریب کاروں کی خرابی اور ڈکٹیٹرشپ سے کے زیر دار اول ہیں اور جب نرمی، رواداری، نصیحت اور صبر نے کوئی فائدہ نہ دیا تو وہ امن و استقرار سے کھیلنے والوں اور معاہدات کا احترام نہ کرنے والوں کے مقابلہ میں طاقت کے استعمال کا طریق اختیار کریں گے۔ یہ لوگ معاہدات کا احترام اسی وقت کرتے ہیں جب انہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

مدینہ میں حالات کا روبراہ ہونا ان سریع اور فیصلہ کن ضربات کے بعد جنہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈکٹیٹرشپ، غداری اور عہد شکنی کے اڈوں پر لگایا، یہود نے اطاعت اختیار کرلی اور ایک محدود وقت تک انہوں نے کسی قسم کی آویزش کا اظہار نہ کیا۔ اور یہودیوں اور منافقوں کے خاموشی اختیار کر لینے کے بعد اس تمام عرصہ میں اندرونی حالات روبراہ ہو گئے۔ نیز انہوں نے یہ اظہار بھی کیا کہ وہ اپنے عہد کے پابند ہیں۔

اس داخلی سکون نے مدینہ سے باہر رونما ہونے والی متوقع دھمکیوں کے مقابلہ کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موقع فراہم کیا، خصوصًا ان اعراب کی دھمکیوں کے مقابلے کے

---

[1] انفال آیت ۵۸ ۔

لیے جو یثرب کو گھیرے ہوئے تھے اور ان قریش کے مقابلے کے لیے جن کے متعلق مسلمانوں کے دل سے یہ بات ابھی محو نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس عظیم ذلت سے ہرگز خاموش نہیں رہیں گے جو ان کی فوج پر معرکہ بدر میں نازل ہوئی تھی جس نے ان کے سرداروں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ نیز جس نے تمام جزیرہ عرب میں ان کے سیاسی اور روحانی تسلط کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اور یہ مسلمانوں کے خلاف وسیع انتقامی جنگ کا ایک ضروری پوائنٹ ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بیرونی خطرہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سرعت وحکمت اور عزم و ثبات سے بیرونی خطرات کا مقابلہ کیا یہودی تخریب کاروں اور فتنہ پردازوں کے خاتمہ سے یثرب کے اندر سکون واطمینان کے قائم کرنے کے بعد آپ نے بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کے لیے پانچ فوجی دستے بھیجے ان میں چار کی قیادت آپؐ نے خود فرمائی تین دستے ان اعراب نجد کے مقابلہ میں بھیجے جو مدینہ کی شرقی جانب تھے اور ایک کے ذریعے آپ نے قریشی جنگجوؤں کو مار بھگایا جو ابو سفیان کی سرکردگی میں آئے تھے اس سے بنو نضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے مدد مانگی تھی۔ تاکہ وہ اسے مسلمانوں کی کمزوریوں سے آگاہ کرے۔

پانچویں بیرونی دستے کی قیادت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید بن حارثہ کی اس دستہ نے قریش کے اس قافلہ پر قابو پالیا جو مدینہ کے مشرق میں جدید راستہ کو طے کر کے شام سے مکہ کے راستے پر جا رہا تھا،

ان پانچوں دستوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ اور یہودیوں کے دلی کینوں پر بڑا اثر ہوا اور منافقین کے دلوں پر بھی ہیبت چھا گئی۔ آپ نے نجد میں اعراب پر سریع اور حواس باختہ کر دینے والی ضربیں لگائیں جن سے ان کے گھروں ہی میں ان کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ اسی طرح آپ نے قریش پر حملہ کر کے ان کو عظیم مادی نقصانات پہنچائے جنہوں نے قریش کو کمزور کر دیا۔

.....

اُحد کی شکست کے بعد کا موقف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام داخلی اور خارجی فتوحات اس زمانے میں حاصل کیں جو معرکہ بدر اور اُحد کا درمیانی زمانہ ہے، جب اسلامی فوج کو معرکہ اُحد میں تکلیف دہ شکست ہوئی جس کے باعث مسلمانوں کے بہترین ستر جانثار زیع کھیت رہے جن کی آج بہت ضرورت تھی تو یہودیوں نے بھی مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ٹھانی۔ اس شکست کے بعد نئے سرے سے یہودیوں کے دلوں میں عہد شکنی اور غداری کے پوشیدہ ارادوں نے انگڑائی لی اور اس شکست نے انکی حوصلہ افزائی کی۔ اور ان کے دلوں میں امید پیدا کر دی۔ اور معاملہ اس طرح خراب ہو گیا کہ یثرب کی اسلامی چھاؤنی کو اُحد کی شکست کے چند ماہ بعد دو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ ان دونوں مصیبتوں میں نجد و حجاز کے اعراب کے ہاتھوں، ۸۰ سے زیادہ آدمی دھوکے سے قتل ہو گئے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب غزوہ احزاب کی فصل اوّل میں واقعہ رجیع اور بئر معونہ پر مفصل بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان تین غم انگیز واقعات میں (ایک سال میں) ایک سو بائیس سے زیادہ مسلح فوجیوں کو کھو دیا۔ اور جب ہمیں پتہ چلتا ہے کہ نومولود مسلح اسلامی افواج کی کل تعداد ان فیصلہ کن گھڑیوں میں آٹھ سو جانبازوں سے زیادہ نہ تھی تو یہ نقصان بڑا خوفناک اور گھبراہٹ پیدا کرنے والا لگتا ہے۔

نئے سرے سے یہودیوں کی سرگرمیاں

اس بات سے بلا کسی نزاع کے یہودیوں کی حوصلہ افزائی کی کر وہ عہد جدید کے خلاف اپنی گھناونی سرگرمیوں کو دوبارہ شروع کر دیں پس وہ نئے سرے سے انگڑائیاں لینے لگے۔ اور انہوں نے منافقین سے رابطہ پیدا کیا اور اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور دسیسہ کاریاں کرنے لگے۔ خصوصاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، اور انہوں نے دوسری بار ثابت کر دیا کہ جو معاہدات وہ دوسروں سے کرتے ہیں ان کی نظر میں ان کی حیثیت کاغذ پر سیاہی کی ہوتی ہے جب وہ معاہدات ان کے مفاد میں ہوں تو وہ اس کی پابندی کرتے ہیں۔ اور اس وقت تک اس کی پابندی کرتے ہیں جب تک انہیں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

بنو نضیر کی عہد شکنی

اس دفعہ بنو نضیر کے یہودیوں نے عہد شکنی کرنے اور مسلمانوں سے غداری کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے میں پہل کی خواہ یہ خاتمہ قوت کے استعمال اور خونریزی کرنے اور قتلِ عام کرنے یا اعلانِ جنگ کرنے کے ذریعے سے ہو۔ اس امر پر ان کی حوصلہ افزائی اس بات نے کی کہ مسلح اسلامی افواج کو اُحد، رجیع اور بئر معونہ میں زبردست نقصان اٹھانے پڑے۔ اور اس کے علاوہ معرکہِ اُحد کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے بیرونی خطرات کا مقابلہ کر رہے تھے جن کی اصلاح کا کام آپ نے فوری طور پر شروع کر دیا۔ یہ خطرات ان حجازی اور نجدی اعراب کی جانب سے تھے جنہوں نے یہودیوں کی طرح، مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو جنگ اُحد کی شکست کے بعد کمزوری نے آ لیا ہے اس لیے وہ ان میں دلچسپی لینے لگے۔

یہ اعراب نجد سے بنی اسد کی اور حجاز سے ہذیل کی فوجیں اکٹھی کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور مدینہ کے اموال، کھیتوں اور پھلوں پر قبضہ کرنے کے لیے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے لگے جس سے مجبور ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خطرے کو دور کرنے اور فوج کے یثرب کی طرف مارچ کرنے سے قبل اس کے اکٹھا ہونے کی جگہ پر اسکو ختم کرنے کا بڑا اہتمام کرنا پڑا۔ آپ نے بنی اسد کی گوشمالی کرنے اور ان کے گھروں پر انہیں مارنے کے لیے اپنے ایک صحابی کی قیادت میں ایک فوجی دستہ بھیجا اسی طرح آپؐ نے اپنے اصحاب میں سے ایک جانباز فدائی کو حجاز کی طرف بھیجا کہ وہ ہذلی فوج کے سالار کو اس کی فوجوں کے مارچ کرنے سے قبل قتل کر دے۔ اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بیرونی جنگ کے خطرے سے بچنے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ آپ کی فوج کے سالار نے اس قبیلہ کے گھروں تک پہنچ کر بنی اسد پر قابو پا لیا اور مارچ کرنے سے قبل ہی اس کی فوجوں کو تتر بتر کر دیا۔ اور آپ کے جانباز فدائی نے ہذلی فوج کے سالار کو حجاز میں، فوج کے مدینہ کی طرف مارچ کرنے سے قبل ہی قتل کر دیا جس سے ہذیل اور اس کے حلیفوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ مدینہ کے ساتھ جنگ کرنے سے رُک گئے[۱] مگر ان

---

[۱] ان واقعات کی تفصیل ہماری کتاب غزوہ احزاب کی فصل اوّل میں دیکھیے۔

سریع اور کامیاب کارروائیوں سے جن کے ذریعے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرونی خطرات کو دور کیا۔ یہود کی گھناؤنی کارروائیوں پر کوئی بڑا اثر نہ پڑا اور وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی تخریبی اور دشمنانہ کارروائیوں کو مسلسل جاری رکھے رہے۔ ان باتوں پر انہیں غم انگیز واقعات نے جرأت دلائی جو اُحد کی شکست کے بعد چند مہینوں میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے۔

بئرمعونہ کا دردانگیز واقعہ ہجرت کے تیسرے سال صفر کے مہینے میں جنگ اُحد سے فقط چار ماہ بعد نومولود اُمت اسلامیہ پر ایک خوفناک مصیبت نازل ہوئی جس کے دردانگیز اور عمیق اثرات، اُحد کی مصیبت سے کم نہ تھے۔ نجد سے بنی عامر کا ایک سردار جعفر بن مالک (جس کا لقب ملاعب الاسنہ تھا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ کی تعجب انگیز باتیں سنیں مگر اسلام نہ لایا، لیکن اسلام سے دور بھی نہ رہا۔ پھر اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے اصحاب کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجیں۔ جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دے۔ اور اس کے حقائق واہداف کو لوگوں پر واضح کرے۔ شاید وہ اسے قبول کرلیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے بارے میں اس خوف کا اظہار کیا کہ کہیں اہل نجد ان سے بدعہدی نہ کریں تو عامر سردار نے اعلان کیا کہ وہ جب تک وہاں رہیں گے اس کے پناہ میں ہوں گے۔ اور عربوں کے ہاں پناہ کی بڑی عظمت ہوتی ہے اور وہ امن وحمایت کا اقرار نامہ ہوتی ہے اور پناہ دینے والا جس شخص کو پناہ دیتا ہے اس کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔

چونکہ ملاعب الاسنہ بنی عامر کے عظیم لیڈروں سے تھا اور اپنی بات میں سچا بھی تھا۔ اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان حاصل ہوگیا اور آپ نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس کی پناہ میں نجد کی طرف اپنے ستر بہترین بہادر اور کبار فقہاء اور قراء صحابہ کو دعوت اسلام دینے اور ان علاقوں میں پرامن تبلیغی فرائض سرانجام دینے کے لیے بھیج دیا۔ لیکن دشمن خدا عامر بن طفیل عامری جو ایک کم عقل بے وقوف، بت پرست نوجوان تھا اس نے اپنی قوم کے بعض اشرار اور بعض دیگر ہمسائے قبائل کو جن کی تعداد ایک ہزار تھی انگیخت کی۔ پس اس نے مسلمانوں سے

بدعہدی کی حالانکہ وہ اس کے چچا کی پناہ میں تھے۔ انہوں نے اچانک ان پہ حملہ کر دیا اور ان کی جانبازانہ مقاومت کے بعد ان سب کو قتل کر دیا۔

مصیبت کے اثرات اس دردانگیز واقعہ سے یثرب کا اسلامی معاشرہ ہل گیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے بہت متاثر ہوئے مگر منافقین اور یہودیوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور اس خوشی کے اثر سے شیطان نے بنی نضیر کے یہودیوں کے نتھنوں میں پھونک ماری تو ان کے دلوں میں شر، عہد شکنی اور غداری کے جذبات مچلنے لگے اور وہ از سر نو تیزی دکھانے لگے۔ اور دوبارہ اپنی خبیث سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اور نجد کے علاقہ میں بئر معونہ کے مقام پر مسلمانوں پر جو جدید مصیبت نازل ہوئی اس سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے انہوں نے اس دفعہ اپنی مجرمانہ کارروائیوں میں وسعت پیدا کر دی اور اسی طرح کی ایک اور مصیبت اس کے بعد ان پر ذات الرجیع میں نازل ہوئی۔

ان یہودیوں کی جرأت یہاں تک بڑھی کہ انہوں نے تاریخ کے بھیانک ترین جرم کے ارتکاب کا منصوبہ بنایا۔ اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا۔ نجد کے دیار بنی عامر میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی اس نے بنو نضیر کے یہودیوں کو موقع فراہم کیا اور انہوں نے اپنے گھروں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے مجرمانہ منصوبے کا پختہ ارادہ کر لیا، مسلمانوں کا ایک آدمی (عمرو بن امیہ ضمری) مدینہ سے باہر رہتا تھا اس نے بنی عامر کے ان دو آدمیوں کو قتل کر دیا جو آپ کے صحابہؓ کے ساتھ بدعہدی کرنے میں شامل تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے مسلمانوں کا بدلہ لیا ہے۔ اُسے اس بات کا علم نہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو امان دی ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ دونوں مشرک تھے اور اس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس کے آدمیوں نے ستر صحابہ سے بدعہدی کی تھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیار بنی نضیر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپؐ نصاً اور روحاً معاہدات کی تنفیذ و وفا کرتے تھے آپ نے ان دونوں عاریوں کے خون کو جو غلطی سے قتل ہو گئے تھے رائیگاں نہیں جانے دیا بلکہ اس قسم کی حالت کے معاہدات کے اصول کے مطابق

آپؐ نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کی دیت ان کے اہل کو دیار بنی عامر میں بھیجی جائے۔ جو آپ کے ستر صحابہ کے ساتھ بد عہدی کرنے میں شامل تھے۔ حالانکہ وہ ان کے سردار ملاعب الاسنہ کی پناہ میں تھے۔

اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ دیار بنی نضیر میں جائیں، جو مدینہ سے کچھ میل کے فاصلہ پر تھے آپؐ ان کے پاس غیر مسلح ہو کر جنگ کی تیاری کے بغیر گئے۔ کیونکہ آپؐ کے اور ان کے درمیان عدم جارحیت کا معاہدہ تھا۔ بلکہ مدینہ کے مشترکہ دفاع کا بھی معاہدہ تھا۔ اس لئے آپ مطمئن ہو کر ان کے پاس گئے آپ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ آپ کو کوئی گزند پہنچائیں گے۔

دیار بنی نضیر میں آپ کی آمد کا سبب یہ تھا کہ ان یہودیوں کے ساتھ (آپس کے باہمی معاہدے کی رو سے اور ان کے بنو عامر کے حلیف ہونے کی رو سے) بات چیت کی جائے کہ وہ ان دو عامری مشرک مقتولوں کی دیت کی ادائیگی کی جائے۔ جنہیں عمرو بن امیہ ضمری نے عہد کا علم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا۔

عظیم موقع جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ یہودی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے اور ہمہ گیر جنگ کے بغیر آپ کی ذات سے نجات حاصل کرنے کے لیئے مناسب موقع اور وقت کی تلاش میں تھے کیونکہ وہ یثرب میں مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی جنگ میں شمولیت سے بہت ڈرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اپنے اصحاب کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ ان کے گھروں میں پہنچے تو ان مجرم یہودیوں کو بہت بڑا موقع ہاتھ آگیا۔ اور انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ اور انہوں نے فوراً اس موقع سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عامریوں کی دیت کے متعلق ان سے گفتگو کا آغاز کیا تو انہوں نے آپؐ کے مطالبہ کو قبول کرنے میں ذرا تردد نہ کیا اور کہنے لگے "ہاں اے ابوالقاسم آپ نے جس بارے میں ہم سے مدد طلب کی ہے ہم اس میں آپ کی مدد کریں گے[1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۹۰

ان یہودیوں کی طرف سے قبولیت کا یہ اعلان ایک دھوکہ تھا جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن ہو کر ان کے گھروں میں ٹھہرے رہیں۔ تاکہ وہ مدینہ سے دوران کے قتل پر قدرت حاصل کریں اور عملاً انہوں نے اپنے جہنمی منصوبے کی تنفیذ کے لیے کام شروع کردیا۔ جسے انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیئے تیار کیا تھا۔ اور اس مال کو جمع کرنے کا کام شروع نہ کیا جو دو عامریوں کی دیت کی ادائیگی میں حصّہ کے طور پر انہوں نے پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کیا اور حضور علیہ السلام پر حقیقت واضح کر دی اور حضورؐ کو معلوم ہو گیا کہ وہ آپؐ کے قتل کی گھناؤنی سازش کر رہے ہیں۔ پس اللہ نے آپؐ کو اس سازش کے شر سے بچا لیا اور وہ اس طرح کہ قبل اس کے کہ یہودی اپنے غداری اور بد عہدی کے منصوبے کی تنفیذ کی قدرت پاتے آپؐ نے نہایت مہارت کے ساتھ ان یہودیوں کے گھروں کو چھوڑنے کی طاقت حاصل کر لی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچتے ہی بنی نضیر کے یہودیوں نے ایک میٹنگ کی۔ اور اس میٹنگ میں آپؐ کے قتل کرنے اور آپؐ سے نجات حاصل کرنے کے موضوع پر بحث کی۔ انہوں نے آپؐ کے مدینہ سے اکیلے دور ہونے کو غنیمت جانا اور اسی وقت آپ کے قتل کی تجویز پیش کرنے والے ایک آدمی نے کہا (اور میرے خیال میں وہ حیی بن اخطب تھا)

"خدا کی قسم تم اس آدمی کو اس جیسی حالت میں کبھی نہ پاؤ گے"[1]

اور ایک مؤرخ نے (میرے خیال میں وہ ابن سعد ہے) بیان کیا ہے کہ بنی نضیر کے ایک سردار اور عالم نے (جو کہ سلام بن مشکم تھا) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تجویز پر شدید معارضہ کیا اور کہا "ایسا نہ کرنا خدا کی قسم تم نے جو ارادہ کیا ہے اسے اس کی خبر ہو جائے گی اور یہ ہمارے باہمی معاہدے کی خلاف ورزی ہے"

مگر ابن مشکم کے معارضہ کو رد کر دیا گیا کیونکہ میٹنگ کرنے والوں نے فیصلہ کیا کہ سازش کو حتی الامکان

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۹۰

بسر عت تمام عملی جامعہ پہنایا جائے اور عملاً انہوں نے نفاذ کا کام شروع کر دیا،

انہوں نے قتل کا کام اپنے ایک مجرم کے سپرد کیا اور اُسے کہا کہ وہ اس قلعے کی چوٹی پر چڑھ جائے۔ جس کے سامنے ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ان پر ایک چٹان گرا دے جو اسی وقت آپ کا کام تمام کر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس سازش کی تنفیذ سے تھوڑا عرصہ قبل آپ کو اطلاع دے کر اس سے نجات دیدی اور آپ نے اس سازش کے آخری مرحلہ کے آغاز سے قبل ہی اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ سازش کی اطلاع حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے ملی ؎

اس طرح مجرم یہودی رسوا اور شرمندہ ہوئے اور تمنا کرنے لگے کہ کاش وہ سلام بن مشکم کے معارضہ پر کان دھرتے جس نے انہیں نصیحت، اعلام اور انتباہ کیا تھا کہ اگر وہ سازش کے پروگرام پر کاربند رہے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سازش کا انکشاف ہو جائے گا۔

محاصرہ پھر جلاوطنی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سازش کا انکشاف ہو گیا تو آپ مدینہ واپس آگئے پھر آپ نے بنی نضیر کے یہودیوں کو انتباہ کیا کہ وہ یثرب سے جلاوطن ہو جائیں۔ اور اس کے لیے آپؐ نے انہیں دس دن کی مہلت دی آپ نے مشہور صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بلا کر فرمایا بنی نضیر کو جا کر کہو کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ میرے شہر سے نکل جاؤ تم نے بد عہدی کا ارادہ کر کے اس عہد کو توڑ دیا ہے جو میں نے تمہیں دیا تھا۔ میں نے تمہیں دس دن کی مہلت دی ہے۔ اس کے بعد جو یہودی نظر آیا میں اُسے قتل کر دوں گا ؎ یہودیوں نے آپ کے انتباہ کی پرواہ نہ کی اور اعلان کر دیا کہ وہ آخری دم تک مقابلہ کریں گے پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور ابھی ان کے محاصرہ پر فقط بیس روز کے قریب ہی گزرے تھے کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اطاعت اختیار کرنے کے لئے مذاکرات شروع کر دیئے اور مذاکرات کا اختتام اس معاہدے پر ہوا کہ

؎ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ ؎ طبقات ابن سعد الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۸

بنی نضیر کے یہودی یثرب سے مکمل طور پر جلا وطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے سوا اپنے جو اموال وہ اٹھا کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطنی کے وقت ان یہودیوں کو ضمانت دی کہ مسلمانوں کی حکومت کے ماتحت علاقہ سے گزرتے تک ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے۔

اور عملاً یہ یہودی مکمل طور پر جلا وطن کر دیئے گئے۔ سوائے ان دو آدمیوں کے جو ان میں سے اسلام لے آئے تھے، جلا وطنی کی کارروائی کی تکمیل کے بعد ان یہودیوں کی اکثریت خیبر میں آباد ہو گئی اور ان میں سے تھوڑے سے آدمی، شام چلے گئے اور بنی نضیر کے یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد یثرب کے علاقہ میں یہودیوں کا صرف ایک قبیلہ بنو قریظہ باقی رہ گیا۔ جس کے مردوں اور عورتوں کی تعداد دو ہزار کے قریب تھی، بخاری کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کے یہودیوں نے بنی نضیر سے مل کر مسلمانوں سے جنگ کی تھی، مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے بنی نضیر کے یہودیوں کی جلا وطنی کے وقت انہیں معاف فرما دیا۔ اور بنی نضیر کے واقعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ حشر نازل فرمائی۔

ھو الذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر (ا دیات ۲۳) [1]

خیبر میں آمریت کا مرکز

خیبر (مدینہ کے شمال مشرق میں واقع ہے) جزیرہ عرب میں یثرب کے بعد یہودی اکٹھ کا دوسرا مرکز تھا۔ یثرب کے یہودیوں اور عربوں کے درمیان (اوس اور خزرج) ٹکراؤ کا آغاز ہوا اور ظہور اسلام سے صدیوں قبل یثرب پر قبضہ کے لیے ان کے درمیان جنگیں ہوئیں، لیکن خیبر کے دخیل یہودیوں کا اس زرعی سرسبز عربی زمین پر مکمل قبضہ رہا۔ اور کسی عرب کو طاقت نہیں ہوئی کہ وہ اس پر قبضہ کے بارے میں ان سے نزاع کرے۔ جیسا کہ یثرب میں یہود کے ساتھ ہوا۔

اس لحاظ سے خیبر (مسلمانوں کے ہاتھوں سقوط تک) جزیرہ عرب کے قلب کے اندر ایک یہودی کالونی سے مشابہ تھا۔ اور یہود کو اس پر مکمل تسلط حاصل تھا جہاں ان کی مسلح

---

[1] بنی نضیر کے یہودیوں کی جلاوطنی کی تفاصیل ہماری کتاب غزوہ احزاب کی فصل اول میں دیکھئے

افواج کی بڑی تعداد رہتی تھی۔ اس لیے بنی نضیر کے یہودیوں کی اکثریت کی توجہ جنہیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب سے جلاوطن کر دیا تھا اس طرف تھی۔ اور یہ یہودی خیبر میں اتر پڑے تو اہالیان خیبر نے جو ان کے بھائی بند تھے انہیں خوش آمدید کہا اور بنی نضیر کے جو یہودی اپنی قوم کے ساتھ خیبر میں اُترے ان کے لیڈروں میں حیی بن اخطب سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع تھے۔

بنی نضیر کا خیبر پر تسلط

بنی نضیر کے یہودی جزیرہ عرب کے سرمایہ دار یہودیوں سے زیادہ سرمایہ دار تھے اور وہ یثرب اور اس کے قرب و جوار کے علاقے کی اقتصادیات پر پوری طرح حکمرانی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے لیڈر عقل مندی تدبیر اور خاص طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کینہ وری میں بھی ممتاز تھے لیکن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاصرہ کے بعد انہیں مدینہ سے جلاوطن کیا تو آپؐ نے ان کے معاملہ میں کوئی سختی نہیں کی۔ آپ نے انہیں مقدور بھر مال اٹھا کر لے جانے کی اجازت دی اور قدیم زمانہ سے یہودیوں کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ یہ اکثر سونا چاندی ہی جمع کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان یہودیوں نے بیسیوں اونٹ پر بھاری بوجھ لادے اور اپنے ساتھ تمام مملوکہ سونا چاندی بھی اٹھا کر لے گئے۔ اور یہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ حتیٰ کہ ان کا ایک لیڈر سلام بن ابی الحقیق بیل کے چمڑے میں جو سونے چاندی سے بھرا ہوا تھا ایک بہت بڑا خزانہ اٹھا کر اپنے ساتھ خیبر لے گیا۔ اور وہ غصّے سے اس خزانے کو مارتا اور کہتا (گویا وہ مسلمانوں کو جنگ کی دھمکی دے رہا ہے) اسے ہم نے زمین کو زیر و زبر کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔"

خیبر میں بنی نضیر کے نزول سے ان یہودیوں کو نئے سرے سے قوت و طاقت کا احساس ہوا۔ خاص طور پر خیبر کے یہودی ان کی مالیاتی قوت کے باعث ان کے ماتحت ہو گئے اور بنی نضیر کے حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع، اور سلام بن ابی الحقیق جیسے سردار حقیقی معنوں میں خیبر کے سردار بن گئے۔

مدینہ میں یہودیوں کو جو تکلیف پہنچی اور آمریت، غداری اور عہد شکنی کے نتیجہ میں جلاوطنی کی جو سزا ان پر نازل ہوئی اس سے انہوں نے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ اور مدینہ سے جلاوطنی کے

وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نرمی اور رواداری کا جو سلوک کیا اور انہیں مقدور بھر مال اٹھا کر لے جانے کی جو اجازت دی اس کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ چونکہ آمریت، غداری اور عہد شکنی ان کی فطرت اور خون میں رچی بسی ہے اس لیے وہ ان کے مالوف طریق کی طرف سے آئی یعنی دسیسہ کاری، فتنہ پردازی، آمریت اور مسلمانوں کے خلاف جنگیں بھڑکانے کی طرف۔

یہود اور غزوۂ احزاب

خیبر کے سرداروں کو، جو بنی نضیر میں سے تھے اور یثرب سے جلا وطن تھے۔ یثرب کی طرف واپس جانے اور نئے سرے سے اس پر تسلط حاصل کرنے کے خواب آنے لگے اور تب انہوں نے دیکھا کہ خیبر ان کا مطیع ہو گیا ہے تو وہ اپنے خوابوں کے ساتھ زیادہ چمٹ گئے اور اپنی گمراہی میں لاپرواہ ہو گئے۔ پس انہوں نے اپنے ارد گرد قوت اور یگانگت کو دیکھا جسے انہوں نے یثرب میں اپنے دینی بھائیوں میں نہ دیکھا تھا تو انہوں نے از سر نو مسلمانوں پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی اور مسلمانوں کو ضرب لگانے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ایسی قاتل ضرب ہو کہ اس کے بعد انہیں زندگی نصیب نہ ہو۔

ابھی انہیں خیبر آئے چند یوم ہی گزرے تھے کہ انہوں نے خیبر کے لیڈروں کے اتفاق کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کے مقابلہ میں یثرب پر نئے سرے سے تسلط حاصل کرنے کے منصوبے تیار کرنے شروع کر دیئے۔ اور اس کوشش و تیاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابھی خیبر میں ان کے قیام پر چار ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ وہ ایک خوفناک ہمہ گیر جنگی منصوبے کے ساتھ نکلے۔ جس کے ساتھ انہوں نے یثرب کی طرف واپسی اور اس کی کامیابی کی صورت میں اسلامی وجود کو ملیامیٹ کر دینے کی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک عظیم اور ہمہ گیر جنگ کا منصوبہ بنایا۔ جس کا ملخص درج ذیل ہے

(۱) نجد و حجاز کے وہ عرب قبائل جو اسلام دشمن ہیں ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو بغض و کینہ پوشیدہ ہے اسے بھڑکانے کی کوشش کی جائے اور انہیں لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے مدینہ کے ساتھ جنگ کرنے پر برانگیختہ کیا جائے۔

(۲) ان طاقتور قبائل کے لیڈروں اور سالاروں سے رابطہ کیا جائے۔ اور انہیں وعدہ جات

اور رشوت بہ آمادہ کر کے دعوت دی جائے کہ ان تمام مختلف قبائل سے ایک زبردست بت پرست عرب فوج تیار کی جائے جو ایک قیادت کے ماتحت ایک بڑی فوج میں متحد ہو جائے۔

(۳) ایک زبردست فوج کا سب سے بڑا ہدف مدینے سے جنگ کرنا اور اسلام کی جڑوں کو اکھاڑنا اور مسلمانوں کی ہستی کو مکمل طور پر مٹا دینا ہو۔

(۴) یثرب میں سہنے والے بنو قریظہ کے یہودیوں سے رابطہ کر کے انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے منصوبے سے موافقت کرنے اور جونہی حملہ آور فوج مدینہ کے نواح میں پہنچے۔ اس کے ساتھ شامل ہو جانے پر راضی کیا جائے (بنو قریظہ کے جانبازوں کی تعداد ایک ہزار تھی) اور جنگجو دشمن عرب قبائل کے لیڈروں کو تاکید کی جائے۔ کہ جب وہ جنگ کا آغاز کریں گے تو بنو قریظہ، مسلمانوں کے خلاف ان کے مددگار ہوں گے۔

اس منصوبے کی اساس پر یہودی لیڈروں پر مشتمل ایک وفد جس کی سرگرمی یثرب سے جلاوطن ہونے والے بنی نضیر کے سردار کر رہے تھے۔ خیبر سے نکلا۔ ان کا پیشرو فتنہ فساد کا بانی حی بن اخطب تھا۔ یہودی وفد ہجرت کے چوتھے سال ماہ شعبان میں اس منصوبے کے پروپیگنڈہ اور نجد و حجاز کے بت پرست عربوں میں اس کو مستحکم کرنے کے لیے نکلا۔

سب سے پہلے یہ وفد مکہ مکرمہ میں گیا اور وہاں پہنچتے ہی اس نے خیبر میں تیار کیے ہوئے جنگی منصوبے پر وہاں کے مشرک لیڈروں سے مذاکرات کیے، قریشی لیڈروں نے اس منصوبے کی مکمل تائید و ترحیب کی اور ابھی یہودی وفد مکہ سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اس جنگ کی مقررہ میعاد پر اتفاق کے بعد قریش نے اس دشمنانہ منصوبے کی تائید و حمایت کی حامی بھر لی۔

زعمائے مکہ کی جانب سے یہودی منصوبے کی مکمل تائید حاصل ہو جانے کے بعد یہودی وفد قبائل نجد غطفان، فزارہ، اشجع اور مرہ کی طرف گیا اور ان قبائل کے دیار میں پہنچتے ہی ان کے سرداروں کے سامنے خطرناک جنگ کا منصوبہ پیش کیا اور لمبے مذاکرات کے بعد ان قبائل نے اس خطرناک دشمنانہ جنگ کے منصوبے کی تنفیذ میں شامل ہونے پر موافقت کا اظہار کر دیا اور ابھی یہودی وفد اپنے مکہ اور نجد کے سفر سے واپس نہیں آیا تھا کہ اس نے قریش اور قبائل نجد کے دس ہزار جانبازوں کو جمع کر لیا۔ ان ہزاروں جانبازوں نے

مدینہ کی طرف اس سے جنگ کرنے اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے مارچ کر دیا[1]۔ مشہور غزوہ احزاب ہمارے اس سلسلہ (اسلام کے فیصلہ کن معرکے) کی تیسری کتاب کا موضوع ہے اور اس کتاب سے پہلی کتاب ہے اور یہ اس تاریخی سلسلہ کی چوتھی کتاب ہے۔ پس احزاب کی خوفناک جنگ اپنی ذات میں صرف ایک یہودی جنگ ہے جسے اسرائیلی ذہن نے خیبر میں تیار کیا۔ اور یہودی مال نے اس کی سرپرستی کی جو صرف یہودی نفوذ کی وسعت کے لیے جنگوں کے بھڑکانے اور معاہدات کے خریدنے پر خرچ ہوتا ہے۔

قریب تھا کہ یہودی اپنے خبیث دشمنانہ منصوبے کی تنفیذ میں کامیاب ہو جاتے مگر آخری گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ اس منصوبے کی تنفیذ میں حائل ہو گیا اور اس نے ظالموں کی تدابیر ان کے سینوں میں دے ماری اور اللہ نے اپنے نبی اور اس کے اصحاب کو بچا لیا۔ اور جنگجو ناکام و نامراد ہو کر واپس آ گئے۔ اور انہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوئی اور مدینہ قبضے کے خطرے سے محفوظ رہا اور وہ اس طرح کہ احزاب کی جنگجو فوجیں تقریباً دو ماہ تک محاصرہ کرنے کے بعد اپنے کسی دشمنانہ مقصد کو پورا کیے بغیر واپس چلی گئیں۔ جیسا کہ ہماری کتاب غزوہ احزاب میں مفصل بیان ہوا ہے۔ نیز یہود ان مدینہ کے عہد شکن غداروں نے سخت اور عادلانہ سزا پائی جیسا کہ اس کی تفصیل اس کتاب میں عنقریب بیان ہو گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیبر میں یہودی مظالم کے اڈوں کو تباہ کرنے کی قوت عطا فرمائی اور وہ یوں کہ مسلمان اس علاقے پر غالب آ گئے اور انہوں نے آمریت اور عہد شکنی کے سرداروں کو تباہ کر دیا جنہوں نے خیبر میں احزاب کی خوفناک جنگ کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب غزوہ خیبر میں[2] بیان ہو گی جو ہمارے سلسلۂ "اسلام کے فیصلہ کن معرکے" کی پانچویں کتاب ہے آپ اس کتاب کو اس کے فوراً بعد پڑھیں گے۔

---

[1] اس خطرناک یہودی منصوبے کی مکمل تفاصیل اور نجدی اور قریشی قبائل کے ساتھ اس وفد کے مذاکرات اور سفارتی تفاصیل ہماری کتاب غزوہ احزاب کی دوسری فصل میں دیکھئے۔

[2] ہم نے خیبر کے یہودیوں کی تاریخ کو زیادہ وسعت سے بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ہم اس کی تفاصیل اپنی کتاب غزوہ خیبر میں بیان کریں گے۔ اسی طرح ہم جزیرہ عرب کے یہودیوں کے متعلق ایک خاص الگ کتاب لکھیں گے انشاء اللہ۔

فصل سوم

- بنی قریظہ کے یہودیوں سے ان کی غداری کا محاسبہ
- ان کا محاصرہ کرنا
- ان کا غیر مشروط طور پر اطاعت کرنا
- ان کے حلیف سعد بن معاذ کا حکم بننا
- ان کے تمام جوانوں کے قتل کا حکم
- ان میں سے آٹھ سو جوانوں پر موت کے حکم کا نفاذ ہونا

ہم نے اپنی کتاب "غزوہ احزاب" کی فصل اول کے صفحہ ۴۲ پر بیان کیا ہے کہ تمام یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک حلیفانہ معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کی متعدد دفعات تھیں جن میں سے ایک دفعہ یہ تھی جس میں صراحۃً بیان تھا کہ اگر کسی بیرونی دشمن نے یثرب کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام کیا تو مسلمان اور یہودی مشترکہ طور پر اس کا دفاع کریں گے اس دفاع کی ذمہ داری مسلمانوں پر بھی یہودیوں کی ذمہ داری جیسی تھی اس طرح اس معاہدہ میں یہ بیان بھی تھا کہ دونوں فریق باہم پر امن رہیں گے اور اس بات کا خیال رکھیں گے کہ اندرونی طور پر کوئی ایک فریق دوسرے پر جارحیت نہ کرے۔

اس معاہدے کے مطابق بنی قریظہ پر واجب تھا کہ جب احزاب کی فوجوں نے مدینے کو گھیرا ہوا تھا وہ مدینہ کے دفاع میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوتے اور ان ظالم جنگجو فوجوں کے مقابلہ میں مسلمان فوجوں کے ساتھ ہوتے لیکن بنو قریظہ نے اس کے الٹ کیا جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب غزوہ احزاب میں مفصل بیان کیا ہے ان یہودیوں نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی اور نہایت نازک

حالات میں ان کی فوج پر پیچھے سے ضرب لگانے کی کوشش کی ان یہودیوں نے (معاہدہ کی پابندی کی بجائے ان خطرناک اور فیصلہ کن حالات میں پوری اسلامی بستی کو جو تند و تیز ہواؤں کی زد میں تھی اور مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج جس کی تعداد ایک ہزار جانبازوں سے زیادہ نہ تھی دس ہزار جانبازوں کا سامنا کر رہی تھی جو ہر مادی سامان میں ان سے فوقیت رکھتے تھے اور انہوں نے اسے اس طرح گھیر رکھا تھا جیسے موجزن سمندر چاروں طرف سے جزیرہ کو گھیر لیتا ہے اور ہر لحظہ تمام اطراف سے اسے نگلنے کو دوڑتا ہے انہوں نے ظالم جنگجو فوجوں کے ساتھ شامل ہونے اعلان کر دیا۔

ان جنگی اور دم گھٹنے والے حالات میں مسلمانوں سے عہد شکنی اور غداری کے باوجودیکہ ان یہودیوں کے لیڈر کعب بن اسد نے اعتراف کیا کہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے صدق پاسداری عہد اور فریقین[1] کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی پابندی کے سوا کچھ نہیں دیکھا اس لحاظ سے بنو قریظہ نے عہد شکنی اور غداری کی دنیا میں اعلیٰ نمبر حاصل کر لیا پس انہوں نے دوسری بار اپنی فطری خباثت اور کمینگی کی وہ پیل سہیا کی جو ان کے دلوں میں پیوست اور ان کے وجود میں یوں تیرتی پھرتی ہے جیسے خون شریانوں میں تیرتا ہے۔ ان کے نزدیک معاہدات و مواثیق کی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے اور نہ کوئی احترام، ہاں جب ان کی پابندی اور تنفیذ میں ان کا فائدہ ہو تو یہ معاہدات کی پابندی کرتے ہیں۔

ہم نے اپنی کتاب غزوہ احزاب کی تیسری فصل کے صفحہ ۱۸۷ پر بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجت کے قائم کرنے اور یہودیوں کی خرابی کی اصلاح کی کوشش کے لئے ان کی طرف ایک وفد عہد کی یاد دہانی کرانے اور اس کی پاسداری کرنے اور اس کے التزامات کی تنفیذ کرنے کے لئے بھیجا نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ عملاً یہ وفد دیار بنی قریظہ میں ان کے حلیف سعد بن معاذ سردار اوس کی سرکردگی میں پہنچا اور اس نے انہیں نصیحت و تذکیر کی اور تب انہوں نے عہد شکنی اور غداری کے طریق پر چلنے کا اصرار کیا تو اس کے بعد اس نے انہیں انتباہ کیا کہ اسکے نتائج نہایت بُرے ہوں گے ہو سکتا ہے کہ ان میں سب کی تباہی

---

[1] بنو قریظہ کے سردار کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری اور اس کی تنفیذ میں مصدق کے اعترافات کے لئے ہماری کتاب "غزوہ احزاب کی تیسری فصل کا صفحہ نمبر ۱۸۲ دیکھئے

ہو جائے اور ہم نے بیان کیا ہے کہ ان یہودیوں نے اس وفد کو نہایت بری طرح واپس کیا اور نہایت بے حیائی اور بے شرمی سے اعلان کیا کہ وہ اپنی عہد شکنی اور غداری کے موقف سے ہرگز رجوع نہیں کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں جانتے اور نہ ہی ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ ہے اور ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ جنگجوؤں کے ساتھ طے شدہ منصوبے کے تحت مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنے کے لئے عملاً تیاری کرنے لگے اور عملاً ان کے ساتھ شمولیت اختیار کرنے کی دلیل کے طور پر اپنے ہم وطنوں اور اپنے حلیف مسلمانوں کے خلاف ان کو خرچ کی مدد دینے لگے۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں کی تباہی

بنو قریظہ نے مدینہ کے اردگرد احزاب کی زبردست فوجوں کی موجودگی کو، مسلمانوں کو جلد کچلنے اور مکمل طور پر تباہ کر دینے کے لئے ایک قیمتی موقع خیال کیا اور انہیں ایک لحظہ کے لئے بھی احزاب کی فوجوں کے متعلق شک نہیں ہوا ان کے خیال میں یہ فوجیں مسلمانوں کو تباہ کرنے اور مکمل طور پر ان کی جڑیں کاٹ دینے کی پوری قدرت رکھتی تھیں یہی وجہ ہے کہ عہد و پیمان کی پرواہ کئے بغیر وہ جنگجو فوجوں کے ساتھ شامل ہونے سے خائف نہیں ہوئے اور ہم نے اپنی کتاب غزوہ احزاب میں بیان کیا ہے کہ کس طرح یہ خوفناک جنگ انجام کو پہنچی اور احزاب کی فوجیں مدینہ میں داخل ہوئے بغیر اور کسی مقصد کو پورا کئے بغیر کیسے واپس چلی گئیں اور کس طرح اکیلے بنو قریظہ میدان میں رہ گئے تاکہ اس انجام کا سامنا کریں جس کا ہر غدار عہد شکن اور دھوکے باز مستحق ہوتا ہے۔

غزوۂ بنو قریظہ احزاب کی جنگ کا پچھلا حصہ ہے

اس لحاظ سے غزوہ بنو قریظہ اپنی ذات میں معرکہ احزاب کا پچھلا حصہ ہے یہود بنو قریظہ، یہودی/بت پرست ملکی اتحاد کے تیسرے بازو کی نمائندگی کرتے تھے جو مسلمانوں کو کچلنے اور مکمل طور پر تباہ کرنے کے لئے قائم ہوا تھا بادجود یکہ بنو قریظہ نے عظیم غداری کا ارتکاب کیا تھا انہیں احزاب کی فوجوں کے ساتھ شمولیت کرنے اور مسلمانوں کے خلاف ان کا اتحاد الگ ہونے کا اعلان کرنے کی وجہ سے اور عملاً مسلمانوں کو پیچھے سے ضرب لگانے کے لئے مارچ کرنے اور جنگجو قوموں کو رسد کی مدد دینے کی وجہ سے محارب جنگجو خیال کیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے جب معرکہ احزاب میں مسلمانوں کو مشرکوں پر زبردست فتح حاصل ہوئی اور وہ اپنے کسی مقصد کو حل کئے بغیر ناکام واپس چلے گئے .... تو یہ معرکہ فقط یہودی/بت پرست اتحاد

کی نسبت سے ختم ہوا اور یہ دونو بازو قریش اور غطفان کے تھے جن کی عظیم فوجیں ایک ماہ تک خوفناک محاصرہ کرنے کے بعد اپنی طویل عسکری تاریخ کی ذلت آمیز شکست کے بعد مدینہ سے اپنے گھروں کی طرف عار کو گلے کا ہار بنائے ہوئے واپس چلی گئیں۔

یہودیوں سے حساب چکائی

اس خوفناک اتحاد کا تیسرا بازو وہ تھا جس کی نمائندگی بنو قریظہ کرتے تھے جنہوں نے اپنے سلوک سے تاریخ غدر و خیانت کا بھیانک جرم کیا بنو قریظہ اسلامی فوج سے اس حساب کی توقع رکھتے تھے جس کے متعلق انہیں ایک لحظہ کے لئے بھی شک نہیں ہوا کہ وہ ایسا سخت حساب ہوگا جو اس گھناؤنے جرم کے عین مطابق ہوگا جو ان یہودیوں نے اس فوج کے خلاف کیا تھا جس کے سالار اعلیٰ اور تمام زعماء افراد سے انہوں نے حسن سلوک اور پاسداری عہد کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا یہی وجہ ہے کہ ان عہد شکن یہودیوں نے اپنے قلعوں میں پناہ لی اور اس خوفناک انجام سے کانپنے لگے۔ جو ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں سزا کے طور پر پہنچ رہا تھا کیونکہ انہوں نے نہایت خطرناک اور نازک حالات میں مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی اور غداری کی تھی ـــــ بجائے اس کے کہ یہ یہودی احزاب کی باغی اور جنگجو فوجوں کے خلاف اپنے ہتھیاروں سمیت مسلمانوں کے ساتھ ملتے اور عسکری التزامات پورے کرتے جیسا کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے پانے والے مشترکہ دفاعی معاہدے[1] کا رو سے ان پر فرض تھا یہ اپنے ہتھیاروں سمیت پھر گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو جلد ختم کرنے کے ارادے سے پیچھے سے ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی حالانکہ ان یہودیوں نے جب سے فریقین کے درمیان معاہدہ طے پایا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے پاسداری عہد حسن سلوک اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا لیکن عہد شکنی ہر زمانے میں ان یہودیوں کے زعماء اور اساتذہ کے خون میں تیرتی رہتی ہے

ہاں ان عہد شکن یہودیوں کے ساتھ حساب چکائی بیلنس کے مطابق ہونی چاہیے اور سزا جرم کے مطابق ہی ہوتی ہے اس وجہ سے جب یہودیوں کی عہد شکنی اور غداری انتہائی بری اور گھناؤنی ہے تو اس غداری کا فیصلہ بھی مکمل جزا کے لحاظ سے نہایت سخت ہوگا۔

---

[1] اس معاہدہ کی اہم دفعات ہماری کتاب غزوہ احد صفحہ ۴۳ پر دیکھئے نیز اس معاہدہ کی مفصل دفعات ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسیۃ صفحہ ۱ اور سیرۃ ابن ہشام جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۰۱ پر دیکھئے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بنی قریظہ کے محاصرے کے لئے غدر و خیانت کے قلعوں پر حملہ کرنے سے قبل اپنی فوج کو کچھ آرام پہنچانے کو ترجیح دیتے تھے لیکن آسمان کے صریح اور سخت احکام نے ایسا کرنے سے روک دیا اور یہ کہ آپ اپنی فوج کے ہتھیار اتارنے سے قبل ہی غدار اور مجرم یہودیوں پر عادلانہ سزا نازل کرنے کے لئے ان کے قلعوں پر حملہ کریں لیکن ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی عہد شکنی اور غداری کے باعث اسلام کی چھوٹی سی فوج کی تباہی اور اسلامی ہستی کو نیست و نابود کرنے کا سبب بن جائیں

بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تھے ایک آدمی نے ہمیں سلام کیا اور ہم گھر میں تھے پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی کیا دیکھتی ہوں کہ وہ آدمی گھوڑے پر سوار ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی ایال کو تھامے ہوئے اس سے باتیں کر رہے ہیں آپ بیان فرماتی ہیں کہ میں واپس آگئی اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے تو میں نے پوچھا آپ کس آدمی سے باتیں کر رہے تھے آپ نے فرمایا تو اسے کس سے تشبیہ دیتی ہے میں نے کہا دحیہ کلبی سے آپ نے فرمایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بنی قریظہ کی طرف جاؤں۔

اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو آپ خندق سے مدینہ کی طرف واپس لوٹے اور مسلمانوں نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے پس جب ظہر کا وقت ہوا تو جبریل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ریشم کا عمامہ پہنے ہوئے خچر پر اس کا پالان رکھے ہوئے آئے جس پر دیباج کی چادر پڑی ہوئی تھی اور کہنے لگے یا رسول اللہ کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں آپ نے فرمایا ہاں تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ابھی فرشتوں نے تو ہتھیار نہیں ڈالے اور میں لوگوں کی تلاش میں واپس آیا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو بنی قریظہ کی طرف مارچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور ان کی طرف جا کر ان کو ہلانے والا ہوں اور بعض روایات میں ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یوم کی مہلت مانگی تاکہ آپ کی تھکی ہوئی فوج کچھ آرام کرے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ میرے صحابہ تھکے ہوئے ہیں کاش آپ انہیں چند یوم مہلت دے دیں جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ان کی طرف جایئے خدا کی قسم میں ان کو ایسے توڑوں گا جیسے انڈا پتھر پر توڑا جاتا ہے اور میں اپنے اس گھوڑے کو ان کے قلعوں میں داخل کر دوں گا اور پھر انہیں کمزور کر دوں گا

بنی قریظہ کے قلعوں پر جلد حملے کے حکم کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حکم کو جلد نافذ کرنے کے سوا کوئی چارا نہ رہا جسے آپ نے جبرئیل سے حاصل کیا تھا۔ فوج کے سالار اعلیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے ساتھ حساب چکانے کے لئے فوج کو فوراً بنی قریظہ کی منازل کی طرف مارچ کرنے کے لئے فوری احکام صادر فرما دیئے۔

یہودیوں پر حملہ کا فرمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو مؤذن رسول حضرت بلال بن رباح نے فوج کو سنایا آپ نے حضور علیہ السلام کے حکم کے مطابق فوج کو بلا کر کہا کہ

"جو شخص سننے والا اور اطاعت گزار ہے وہ نماز عصر بنی قریظہ میں پڑھے" اور منازل بنی قریظہ کی طرف مارچ کرنے کا حکم معرکہ احزاب کے دوسرے دن ظہر کے وقت ہوا اور مسلمانوں نے اپنے سالار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی اور اپنے ہتھیاروں کی طرف جلدی سے گئے اور اسلامی فوجیں یہودی قلعوں کی جانب روانہ ہونے لگیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جلد اپنے ہتھیار پہن لئے آپ نے زرہ اور خود پہنا اور نیزہ اپنے ہاتھ میں لیا پھر اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئے جس کا نام اللحیف تھا

امیر مدینہ بنی قریظہ کی منازل مدینہ سے جنوب مشرق کی طرف کئی میل دور تھیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرمان جاری کیا جس کے بموجب آپ نے بنی قریظہ کے معاملہ سے فراغت پانے تک حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف مارچ کرنے کا عزم فرمایا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا اور یہ وہی علم تھا جس کے تحت خندق کے روز مسلمانوں نے جنگ کی تھی جسے ابھی تک بانس سے کھولا نہیں گیا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہراول دستے میں رہیں۔ اور تمام فوج کے پہنچنے سے قبل وہ بنی قریظہ کی طرف جھنڈا لے کر بڑھیں۔ حضرت علیؓ نے اسلامی فوج سے الگ ہو کر جلدی سے یہودیوں کے قلعوں کے درمیان پہنچ کر وہاں جھنڈا گاڑ دیا۔ جس سے قریظہ کو پتہ چل گیا کہ اب جنگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

یہودیوں کا محاصرہ اسلامی فوجوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں یکے بعد دیگرے بنی قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور ہر مقام سے ان کا گھیراؤ کر لیا، معلوم ہوتا ہے کہ بنی قریظہ

پر مسلمانوں کا حملہ بغیر کسی تیاری کے تھا۔ کیونکہ وہ جماعت در جماعت ہو کر یہودیوں کی طرف جا رہے تھے اور وہ اس مارچ میں ایک فوج کی طرح نہ تھے جو تیاری کی صورت میں ساقہ، مجنبہ اور مقدمہ کے ساتھ چلتی ہے۔ جیسا کہ ان تمام دستوں کا حال تھا۔ جن کی قیادت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔

موسیٰ بن عقبہ نے المغازی میں زہری سے بیان کیا ہے کہ ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غسل خانے میں ہی تھے اور آپؐ نے ایک ہی کنگھی کی تھی کہ آپؐ کے پاس جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر آئے جس پر جنگ کا سامان تھا اور مسجد کے دروازے پر جنازوں کی جگہ پہ کھڑے ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو انہوں نے آپ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں؟ آپ نے جواب دیا ہاں، تو جبریل علیہ السلام نے کہا لیکن ہم نے اس وقت سے ہتھیار نہیں اتارے جب سے دشمن آپ کے مقابلہ میں آیا ہے اور میں ہمیشہ ان کی تلاش میں رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان کو شکست دیدے پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ سے کہا اللہ تعالیٰ آپکو بنی قریظہ سے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل علیہ السلام کے پیچھے باہر نکل گئے۔ اور بنی غنم کی مجلس کے پاس سے گزرے اور وہ آپؐ کے انتظار میں تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا ابھی تمہارے پاس سے ایک سوار گزرا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس سے دحیہ کلبی سفید گھوڑے پر سوار گزرا ہے۔ جس کے نیچے زین پر ڈالنے والا کپڑا، اور ریشمی چادر تھی اور وہ زرہ پوش تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا کہ وہ جبریل تھے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دحیہ کلبی کو جبریل سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا میرے ساتھ بنی قریظہ کے پاس چلو اور وہاں نماز عصر ادا کرو، بلاشبہ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمانوں نے بغیر کسی تیاری کے بنی قریظہ کی طرف مارچ کیا اور وہ غیر منظم صورت میں ان کے پاس گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب مسافت کا چھوٹا ہونا تھا۔ جس میں مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے اچانک حملے یا گھات میں

لہ ساقہ، فوج کے پچھلے حصے اور مجنبہ، پہلو پر چلنے والے اور مقدمہ، ہراول فوج کو کہتے ہیں (مترجم)

بیٹھی ہوئی فوج کا خوف نہ تھا۔ کیونکہ تمام وہ علاقہ جس کو طے کر کے وہ بنو قریظہ کے علاقہ میں گئے۔ خالص اسلامی علاقہ تھا۔

ایک اہم فقہی مسئلہ

غزوہ بنی قریظہ کی تفاصیل اور واقعات و نتائج کے بیان سے قبل ضروری ہے کہ ہم ایک عظیم فقہی نقطہ بیان کر دیں جس سے قارئین مستفید ہونگے بنی قریظہ کی طرف مارچ کرنے کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم میں سے ہر کوئی عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھے۔ یہ حکم ایک قانونی نص ہے جس کے بارے میں فقہائے اسلام اور ائمہ حدیث نے اختلاف کیا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جن صحابہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھیں وہ اس حکم نبوی کے سمجھنے میں دو قسموں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور وہ اس طرح کہ ابھی وہ بنی قریظہ کی طرف جاتے ہوئے راستے ہی میں تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ پس انہوں نے امر نبوی کی روشنی میں اس موضوع پر مناقشہ کیا۔ صحابہ کے ایک گروہ کا خیال تھا کہ نماز کے وقت نماز کی تاخیر کرنا ممکن نہیں اس لحاظ سے بنی قریظہ کے ہاں پہنچنے سے قبل اس کی ادائیگی ضروری ہے اس گروہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تفسیر یہ کی ہے کہ آپ نے بنی قریظہ کی طرف جلدی جانے کی ترغیب دی ہے۔ نہ کہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنے کی۔ اس گروہ نے بنی قریظہ کے ہاں پہنچنے سے قبل راستے میں نماز عصر ادا کر لی۔ اور صحابہ کے دوسرے گروہ نے خیال کیا کہ امر نبوی کے الفاظ کی تنفیذ ضروری ہے۔ خواہ غروب آفتاب کے بعد ادا کرنی پڑے۔ حالانکہ اس وقت نماز عصر کا اساسی وقت باقی نہیں رہتا۔ اور مثلاً اس گروہ نے اس دن عصر کی نماز بنی قریظہ میں غروب آفتاب کے بعد پڑھی۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ اس نے صریح امر نبوی کی پیروی کی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کو درست قرار دینا

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں گروہوں کے فعل کی اطلاع ملی تو آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کو نہ ڈانٹ ڈپٹ کی اور نہ ملامت کی بلکہ سب کو درست قرار دیا۔ ان کو بھی جنہوں نے وقت پر راستے میں نماز پڑھی اور ان کو بھی جنہوں نے نماز کو مؤخر کیا اور غروب آفتاب کے بعد اسے بنی قریظہ

میں جاکر پڑھا۔

اصحاب حدیث و مغازی نے (جیسا کہ البدایۃ والنہایۃ میں ہے) موطا بن عقبہ کی حدیث سے اس کا قول روایت کیا ہے کہ مسلمان بنی قریظہ کی طرف گئے۔ اور ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ نماز عصر کا وقت ہوگیا تو انہوں نے نماز کے متعلق بات چیت کی اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ میں نماز عصر پڑھنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے کہنے لگے یہ نماز ہے پس ان میں سے کچھ لوگوں نے نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے نماز کو مؤخر کر دیا۔ اور بنی قریظہ میں جاکر غروب آفتاب کے بعد نماز پڑھی۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جلدی نماز پڑھنے والوں اور مؤخر کرکے پڑھنے والوں کا ذکر ہوا تو آپ نے کسی ایک فریق کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہ کی۔

مختلف نقطہ ہائے نظر کے احترام کا وجوب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس حکیمانہ تصرف میں ایک عظیم قانونی اصول وضع کیا ہے جس کے مطابق نصوص کے فہم میں مختلف نقطہ ہائے نظر کا احترام ضروری ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ یہ اختلاف صحیح اور صاف اجتہاد کی وجہ سے ہو۔ جیسا کہ نماز عصر کے متعلق امر نبوی کے مفہوم کے بارے میں صحابہ میں اختلاف ہوا۔ ان میں سے ہر فریق کا مقصد یہ تھا کہ وہ نماز کو اس رنگ میں ادا کرے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول راضی ہو۔ نیز یہ بات بھی بیان کرنے کے لائق ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کی نماز کو درست قرار دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے دونوں میں سے کسی ایک کو بھی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا خواہ انہوں نے وقت پر راستے میں ادا کی یا بنی قریظہ میں اس کے وقت کے چلے جانے کے بعد ادا کی۔

اسی طرح فقہائے اسلام نے بھی سفر میں نماز کی تقدیم و تاخیر کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ ان کا اختلاف یہ ہے کہ صحابہ کے دونوں گروہوں میں درست اور صحیح کون ہے۔ مگر باوجود اس اختلاف کے ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دونوں فریق کو اجر ملے گا۔ اور علماء کے ایک فریق (جس کے سرخیل ابو محمد بن حزم ہیں) کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے وقت پر راستے

میں نماز ادا کی ہے۔ انہوں نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہے اور جنہوں نے غروب آفتاب کے بعد جب کہ اس نماز کا وقت بھی نہیں تھا بنو قریظہ میں جا کر ادا کی ہے وہ درست اجتہاد والے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نماز ادا کی ہے۔

نماز کی تاخیر قریب الی الصواب ہے

ابو محمد اپنی کتاب "جوامع السیر" میں بیان کرتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ اگر ہم وہاں موجود ہوتے تو بنی قریظہ میں ہی نماز ادا کرتے۔ خواہ کئی دنوں کے بعد ادا کرنی پڑتی۔ اور ابن حزم کا یہ قول آپ کے اس اساسی قاعدہ کے مطابق ہے کہ ظاہر کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور وہ ظاہری المذہب ہیں۔ اور وہ نص کو اس وقت تک ظاہر سے پھیرنے کا کوئی جواز نہیں سمجھتے جب تک خود شارع اس کو بیان نہ کرے حقیقت میں یہ قول تمام مخالف اقوال و آراء کے مقابلہ میں حق و صواب کے زیادہ قریب ہے اور اس جگہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ نے نماز ظہر و عصر کو مؤخر کیا اور انہیں غروب آفتاب کے بعد پڑھا اور یہ واقعہ جنگ خندق کے ایک سخت دن ہوا جب مشرکوں نے نہایت سخت حملہ کیا اور مسلمانوں کو دن بھر مصروف رکھا اور ان کو وقت پر نماز ادا کرنے کا کوئی موقع نہ دیا جس سے مجبور ہو کر مسلمان دفاعی جنگ میں مصروف رہے جس کے باعث نماز ظہر و عصر کا وقت فوت ہو گیا۔

جنگ کے عذر کی وجہ سے نمازوں کی تاخیر

امام بن اسماعیل بخاری نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ جنگ کے عذر کی وجہ سے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کیا جا سکتا ہے خواہ وہ نماز ظہر کی ہو یا عصر کی، مغرب کی ہو یا عشاء کی یا صبح کی اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب جنگ میں فوجوں کو اپنی جگہوں پر ٹھہرنا پڑتا ہے جیسا کہ معرکہ خندق میں ہوا اور اس قول میں بخاری کی سند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا فعل ہے کیونکہ اس دن جنگ کے حالات نے انہیں نماز ظہر و عصر اور مغرب عشاء کے وقت تک مؤخر کرنے پر مجبور کر دیا تھا

اور میرا خیال ہے (یہ خطاء ایک شخص کی رائے ہے) کہ امام بخاری کا یہ قول اسلامی شریعت کی روح کے زیادہ قریب ہے اور اتباع کے زیادہ لائق ہے خصوصاً اس زمانے میں واللہ

اعلم بالصواب۔

یہود کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا جب یہودیوں نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابوطالب کی قیادت میں فوج نبوی کے ہراول دستے ان کے قلعوں کی طرف بڑھتے آ رہے ہیں تو ان کے دلوں میں جو خباثت اور رکینگی چھپی ہوئی تھی وہ باہر آ گئی۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد حضرت علی بن ابیطالب کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواج مطہرات کے بارے میں گالیاں سنائیں اور ان پر تہمتیں لگائیں۔ جن کے الفاظ کو کسی مؤرخ نے ان کی قباحت اور شناعت کی وجہ سے بیان کرنا گوارا نہیں کیا۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے ان بیوقوف یہودیوں کو جواب نہ دیا اور خاموشی اختیار کئے رہے۔ یہود نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کو جو گالیاں دیں ان سب کے جواب میں حضرت علیؓ نے کہا ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔ مسلمانوں نے ان جیسی گالیاں بھی جواب میں نہ دیں کیونکہ وہ لوگوں کے ساتھ (خواہ وہ کوئی بھی ہوں) اپنا معاملہ قرآن کی رہنمائی اور تادیب کے مطابق روا رکھتے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب پہلے شخص ہیں جو جھنڈا لے کر بنی قریظہ کی طرف بڑھے۔ آپ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اپنے متعلق اور اپنی ازواج کے متعلق یہ تیسے گالیاں نہ سن لیں۔

سالارِ نبیؐ دیارِ بنی قریظہ میں یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے دور سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا تو ابوقتادہؓ[1] کے علم اٹھانے اور فوج کی قیادت سنبھالنے کے بعد، آپ نے علمبردار فوج جو یہود کے قلعوں کے ارد گرد پڑاؤ کیے ہوئے تھی، کے ہیڈکوارٹر کو چھوڑ دیا۔ اور جلدی سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب جا کر یہود کے قلعوں سے دور ہی آپ کو روک لیا۔ اور آپ سے استدعا کی کہ آپ ان قلعوں سے دور ہی کھڑے رہیں تاکہ آپ ان کی گندی گالیوں کے سننے سے تکلیف

---

[1] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ اُحد میں دیکھئے۔

نہ اٹھائیں۔ کیونکہ یہودی آپ کو اور آپ کی ازواج کو برے سے برے بول بول رہے ہیں۔ حضرت علی نے کہا یا رسول اللہ آپ ان خبیثوں کے قریب نہ آئیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تو نے ان سے میرے متعلق تکلیف دہ باتیں سن لی ہیں۔ حضرت علی نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ، حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ایسی کوئی بات نہ کریں[1] پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قلعوں کی طرف مسلسل بڑھنا شروع کیا۔ جنہیں آپ کے جنگی بورڈ کے ارکان جو آپ کے چند صحابہ میں سے تھے۔ گھیرے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ آپ عہد شکن قریظہ کے قلعوں کے قریب چلے گئے۔

محاصرہ کے وقت یہودیوں کے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات چیت

جہاں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اور وہ آپ کی باتیں سن سکتے تھے آپ نے ان کے لیڈروں کی ایک جماعت کو آواز دی اور جب وہ اپنے قلعوں کے برجوں میں دکھائی دیئے تو آپ نے انہیں کہا اے بندر اور شیطان کے چیلو، کیا اللہ نے تمہیں ذلیل کیا اور کیا تم پر عذاب نازل کیا ہے؟[2] اس وقت نے اپنی فطرت کو درست کر لیا (یعنی طاقت کے وقت حماقت، زیادتی، عہد شکنی اور مقابلہ کرنا اور کمزوری کے وقت عاجزی، مہربانی اور صلح کرنا) جب انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جنگی بورڈ گھیرے ہوئے ہے اور آپ کی فوجوں نے قلعوں کے ارد گرد اپنی پوزیشنیں سنبھالی ہوئی ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے اور ان کی قبیح و شنیع عہد شکنی اور غداری کا محاسبہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ شرمندہ ہو گئے۔ اور سالار نبی سے دوستی کا اظہار کرنے لگے اور انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا کہ ہم آپ کو اور آپ کی ازواج کو گالیاں دیں اور جھوٹی قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے آپ کے بارے میں اس قسم کی کوئی بات نہیں کی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی اچھی اور تعریفی باتیں سنانے لگے۔ انہیں یہ خیال تھا کہ آپ ان کی عظیم غداری کی اس سزا میں تخفیف کریں گے۔ جس پر مدینہ کی قیادت پکے تہیہ

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۴

کئے ہوئے ہے۔ ان یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے ابوالقاسم آپ ناواقف نہیں ہیں" اور اس قسم کی دیگر اچھی اور صلح کی باتیں کرتے رہے۔

یہود کی نہ بدلنے والی فطرت

یہ یہود کی وہ فطرت ہے جو ہمیشہ سے ان کے نفوس میں داخل ہے جب وہ قدرت پالیں تو کسی جرم کے ارتکاب سے نہیں ڈرتے (خواہ وہ کس قدر گھناؤنا ہو) اور جب ان کے گناہ ان کا احاطہ کرلیں اور انہیں کمزوری آئے تو وہ درگزر کرنے اور حلم اختیار کرنے کی نصیحت کرنے لگتے ہیں۔ اور ایک حلم صلح جو اور بیگناہ واعظ کے مقام پر کھڑے ہوئے بالکل نہیں شرماتے۔ یہ واعظ وتذکیر کا کام اس وقت ہوتا ہے جب اس میں ان کا فائدہ ہو۔ اور جب انہیں فائدہ نہ ہو تو یہ سب سے پہلے اچھے نمونوں اور اقدار کا مذاق اڑاتے ہیں۔

آؤ اب ذرا ان کا حال دیکھیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچنے سے چند منٹ قبل یہ گالیاں دیتے، ڈراتے، دھمکاتے ہیں اور انہیں یہ خیال ہے کہ ان کے قلعے انہیں بچالیں گے۔ اور فحش گوئی کے چند منٹ بعد جب سالار نبی کو (جس کو اس کی امت سمیت ختم کرنے کے لئے انہوں نے ہر قسم کی غداری، خیانت اور عہد شکنی کی ہے) دیکھتے ہیں کہ اس کی کامیاب فوجوں نے ہر جانب سے ان کا محاصرہ کرلیا ہے تو مکر و فریب کا طریق اختیار کر لیتے ہیں۔ اور فاتح سالار کو اس پر اثر انداز ہونے کے لیے تاکہ وہ انہیں معاف کردے مدحیہ انداز میں اس کا علم وحلم یاد کرانے لگتے ہیں۔ لیکن ان یہودیوں کو جو اس وقت بیگناہ صلح جو اور مسکین واعظ کے مقام پر کھڑے تھے یہ بات بھول گئی (یا کم از کم انہوں نے بھلا دی) کہ انہوں نے تمام انسانی اقدار اور اخلاقی نمونوں کو دیوار کے ایک گوشے میں پھینک دیا تھا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ احزاب کی جرار فوجیں مسلمان اقلیت کا اس طرح گھیراؤ کیئے ہوئے ہیں جس طرح متموج سمندر چھوٹے جزیرے کو ہر جانب سے گھیر لیتا ہے تو انہوں نے نہایت کمینگی کے ساتھ معاہدات ومواثیق کو پیروں تلے روند دیا اور ان باغی ——— فوجوں کو خوش آمدید کہا اور جن مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ میں ان کے ساتھ الغام کیا اب ان کا مضبوط عسکری معاہد تھا اور وہ معاہدہ مشترکہ دفاع کا تھا۔ ہاں ہاں ان یہودیوں نے یہ بات بھی بھلا دی کہ جب ان کا

فیصلہ کن گھڑیوں میں نبوی وفد ان کے پاس یہ مطالبہ کرتے ہوئے آیا کہ وہ آپس کے باہمی معاہدہ کے مطابق جنگجو احزاب کے مقابلہ میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر عسکری التزامات کریں مگر انہوں نے ان نازک گھڑیوں میں اپنے حلیف مسلمانوں کی مدد سے توقف کر کے صرف معاہدہ کی نصوص کی خلاف ورزی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ نہایت بے شرمی کے ساتھ انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سرے سے کوئی معاہدہ ہے ہی نہیں۔

ہاں ہاں ان یہودیوں کو جو رحم طلب کرتے اور حلم یاد دلاتے ہیں یہ بات بھی بھول گئے کہ جب نبوی وفد کا لیڈر ان کے پاس معاہدہ کی تنفیذ کا مطالبہ لے کر آیا تو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا (ان کا خیال تھا کہ اب مسلمانوں کا کام تمام ہوا چاہتا ہے) کون اللہ کا رسول ہے ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے

ہاں یہ یہودی اس بات کو بھی بھلا بیٹھے ہیں کہ جب محاصرہ کی شدت سے مسلمانوں کے دل گلے تک پہنچ چکے تھے تو ان کے دلوں میں کمینگی اور عہد شکنی کے سوتے پھوٹ پڑے اور انہوں نے مسلمانوں کی مصیبت کی سختی کو غنیمت جانا اور اس کے حلقوں کو مضبوط کرنے میں جلدی کرنے لگے پس یہ احزاب کی جنگجو فوجوں کے ساتھ منظم ہو گئے اس کمینے فعل سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی ہستی کو جلد از جلد تباہ کر دیا جائے ان کا خیال تھا کہ یہ سخت ایام اسلامی وجود کے آخری دن ہیں اور احزاب کی فوجیں اس وجود کے خاتمہ کے بعد ہی اپنے شہروں کو واپس جائیں گی۔

اب اللہ تعالیٰ نے احزاب کی جنگجو فوجوں کو دھتکار دیا اور قریظہ کے بلے چوڑے خواب پریشان ہو گئے اور قرآن کی فوجیں ان غدار، عہد شکن اور دھوکہ باز یہودیوں سے حساب چکانے کے لئے آگئیں ان کی زبانوں نے انسانی اقدار اور اخلاقی نمونوں کے متعلق باتیں کرنا جان لیا اور زہریلے دھوکہ باز سانپ اپنی بیگناہی اور اچھائی ظاہر کرنے لگے اور ان کا نرم رد مظہر کہنے لگا" اے ابوالقاسم آپ ناواقف نہیں ہیں" غدار اور خائن قریظہ نے یہ بات اس وقت کہی جب اس کی خطاؤں اور بُری تدبیروں نے اسے گھیر لیا اس نے دیکھا کہ اس کے بلند بالا

تھے اسلامی فوج کے متلاطم سمندر میں غرق ہو رہے ہیں اور ان فوجیوں کے دلوں میں ان یہودیوں کے متعلق غصے کے جذبات کھولاؤ کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں کیونکہ اگر ان یہودیوں کو موقع مل جاتا تو یہ مسلمانوں کی مکمل تباہی میں ایک لحظہ بھی تردد نہ کرتے۔ اور عہد شکنی اور غداری کے وقت بھی ان کا یہی مقصد تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس کی فوج کو غالب کیا اور اکیلے ہی احزاب کو شکست دی۔

اب قریظہ کے غدار یہودی حسرت و ندامت کی راہوں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور اس خوفناک انجام کی طرف چل رہے ہیں جس کا انہوں نے مسلمانوں کے متعلق ارادہ کیا تھا اور انہیں اس حد تک پہنچانے کی کوشش بھی کی تھی۔ ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ

عقلائے یہود کا بچانے کی کوشش کرنا

ہم نے اپنی کتاب "غزوہ احزاب" میں بیان کیا ہے کہ چار یہودی عقلمندوں نے نقض عہد کے بعد (جو مسلمانوں کے اور ان کے درمیان تھا) اپنی قوم کو انتباہ کیا۔ ان سے استدعا کی کہ وہ بنی نضیر کے شیطان کے وساوس کو قبول نہ کریں یعنی حیی بن اخطب کے وساوس کو جس نے بنی قریظہ کو نقضِ عہد پر آمادہ کیا اور ہم نے بیان کیا ہے کہ ان چاروں عقلاء نے (جن کا سردار عمرو بن سعدی تھا جو خود بھی بنو قریظہ میں سے تھا) غدر و خیانت کے جرم میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور اعلان کیا کہ وہ اپنے عہد پر قائم ہیں اور ہم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان میں سے تین نے اسلام قبول کر لیا اور چوتھا عمرو بن سعدی جو ان کا ایک سردار تھا اپنی یہودیت پر قائم رہا لیکن وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور اس نے اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ہونے والے معاہدے کا پابند ہے اور اس نے مسلمانوں سے غداری کرنے سے انکار کر دیا۔

اور اس وفادار یہودی سردار نے اپنی قوم کو خوفناک انجام سے بچانے کی کوشش کی جو ان کی عہد شکنی اور غداری کی جزا میں ان کا منتظر تھا اور یہ کوشش یوں کی کہ اس نے انہیں تجویز پیش کی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور اسلام میں داخل ہو جائیں خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور مرسل ہیں حتیٰ کہ ان کے ہاں تورات میں لکھا ہوا ہے۔

یہودی سردار کا اپنی قوم کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا

جب عمرو بن سعدی کو پتہ چلا کہ احزاب کی فوجیں چلی گئی ہیں تو وہ اپنی قوم بنی قریظہ کے پاس آیا اور اس نے انہیں ایک ارجنٹ میٹنگ منعقد کرنے کی دعوت دی یہ بات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے محاصرہ کے لئے پہنچنے سے قبل کی ہے۔

اور اس میٹنگ میں جس میں بنو قریظہ کے تمام لیڈر موجود تھے اس عاقل یہودی نے کھڑے ہو کر اپنی قوم سے کہا (آپس کے باہمی عہد کے توڑنے پر برا بھلا کہنا اور دھجریوتو بیخ کرنے کے بعد) اے بنی قریظہ میں نے بہت عبرت کی باتیں دیکھی ہیں میں نے اپنے بھائیوں یعنی بنو نضیر کا گھر عزت و شرف عقل اور فاضلانہ رائے کے بعد خالی دیکھا ہے انہوں نے اپنے اموال کو چھوڑ دیا جن پر غیروں نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ ذلیل ہو کر یہاں سے نکل گئے ہیں

پھر اس نے علمائے تورات کی طرف انہیں نا کہا اگر کہا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرے گا اس کا انجام ناکامی ہوگا۔ اس نے کہا کہ تورات کی قسم، یہ نبی اس قوم پر مسلط ہوگا جس کی اللہ کو مرضی ہو گی اس نبی نے بنو قینقاع پر حملہ کیا حالانکہ وہ بڑے صاحب نخوت اور ہتھیاروں اور تیاری والے تھے پس اس نے انہیں قید کر دیا اور ان میں سے ایک آدمی نے بھی اپنا سر نہ نکالا اور ان کے بارے میں گفتگو ہوئی تو اس نے انہیں یثرب سے جلاوطن کر کے چھوڑ دیا۔ . . . . پھر عمرو بن سعدی نے اپنی قوم بنی قریظہ کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ اپنے خون محفوظ کر لیں اور حق کی پیروی کریں اس نے کہا۔

اے لوگو جو تم نے دیکھنا تھا دیکھ لیا میری مانو اور آؤ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں خدا کی قسم تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ وہ نبی ہے اور ہمارے علماء نے ہمیں اس کی بشارت دی ہے پھر ابن سعدی مسلسل انہیں جنگ اور قید سے ڈراتا رہا اور اس نے ان کے سردار کعب بن اسد کے پاس آ کر اسے کہا۔

طور سینا کے روز موسیٰ پر جو توریت نازل ہوئی تھی دنیا میں عزت و شرف کیلئے تھی (یعنی دخول اسلام کے لئے) اسی دوران میں کہ عمرو بن سعدی اس میٹنگ میں اپنی قوم سے گفتگو کر رہا تھا کہ جیش نبوی کے ہراول دستے ان کے قلعوں کی طرف مارچ کرتے ہوئے نظر آئے اس موقع پر

یہودی سردار ابن سعدی نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا کہ اس بات سے میں نے تم کو انتباہ کیا تھا

اس کے باوجود بنی قریظہ نے عمرو بن سعدی کے مشورے کو جس میں اس نے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی تھی رد کر دیا پس اس نے آخری کوشش کے طور پر ان کے سامنے ایک اور تجویز پیش کی ان کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اور انہیں کہا کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے اور میں تمہاری عہد شکنی میں شریک نہیں ہوا پس اگر تم اس کے دین میں داخل ہونے سے انکاری ہو تو یہودیت پر قائم رہو اور جزیہ دو اور خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ وہ اسے قبول کرے گا بھی یا نہیں مگر بنو قریظہ نے اس تجویز کو بھی رد کر دیا اور جواب دیا (ابھی ان کے سروں میں نخوت باقی تھی) کہ ہم عربوں کو خراج دینا تسلیم نہیں کریں گے اس سے قتل ہو جانا بہتر ہے

وفادار یہودی

اس موقع پر اس عقلمند یہودی (عمرو بن سعدی) کو معلوم ہو گیا کہ اس کی بیوقوف قوم کا فساد اسے موت تک لے جائے گا پس اس نے ان سے اپنی برأت کا اعلان کر دیا اور ہمیشہ کے لئے انہیں چھوڑ گیا یہ یہودی (ابن سعدی) اپنی قوم بنی قریظہ کے قلعوں سے رات کے وقت نکلا جب کہ اسلامی فوج نے ان کا ہر جگہ سے محاصرہ کر لیا تھا اور جب یہ یہودی سرداران کو چھوڑ کر اپنی قوم کے قلعوں سے نکلا تو اسے نبوی فوج کے پہریداروں نے جو گشت کر رہے تھے پکڑ لیا پھر وہ اپنے سالار محمد بن مسلمہ کے پاس لے گئے اور جب محافظ دستے سالار نے اسے پہچان لیا (کہ یہ عمرو بن سعدی ہے جس کے شریفانہ موقف کی اطلاع مسلمانوں کو مل چکی تھی) تو اس نے اس کے چھوڑنے کا حکم دے دیا تاکہ وہ آزادی کے ساتھ جہاں جانا چاہتا ہے چلا جائے کیونکہ اس نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کیا تھا جو اس کے قتل یا اس کے قید کرنے کو واجب کرتا ہو وہ اپنے عہد پر قائم تھا اور عہد شکنی اور غداری میں بنی قریظہ کے ساتھ شامل نہیں تھا نبوی فوج کے محافظ دستے نے عمرو بن سعدی کو آزاد کر دیا حالانکہ وہ اپنی قوم بنی قریظہ کے قلعوں سے نکلا تھا اور وہ ہمیشہ اپنی یہودیت پر قائم رہا

اور یہ ایک بدیہی امر ہے کہ مسلمانوں نے عمرو بن سعدی یہودی کو کوئی گزند نہیں پہنچایا کیونکہ بنی قریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ یہودی ہیں اسلام کو نہیں مانتے ایسا ہرگز نہیں یہ اس لئے تھا کہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی

اور جنگ کے نہایت نازک وقت میں غداری کا ارتکاب کیا تھا جس کی سزا تمام دنیا کے قوانین میں موت ہے اور یہ یہودی ابن سعدیٰ اپنی قوم کے ساتھ نقض عہد اور غداری کے جرم میں شامل نہیں ہوا اور اس کو بغیر کسی تکلیف دینے کے آزاد چھوڑ دینا اسلام کے ایک بنیادی اور عادلانہ اصول کی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول ولا تزر وازرۃ وزر اخری[1] اور فلا عدوان الا علی الظالمین[2] سے ماخوذ ہے۔

ابن اسحاق (عمرو بن سعدیٰ کے بنی قریظہ کے قلعوں سے نکلنے اور انہیں چھوڑنے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس رات عمرو بن سعد قرظی نکل کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ محمد بن مسلمہ انصاری[3] کے پاس سے گزرا۔ جب ابن مسلمہ نے اسے دیکھا تو اسے روکتے ہوئے کہا۔ یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا میں عمرو بن سعدیٰ ہوں (عمرو نے بنی قریظہ کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا) اور اس نے کہا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی عہد شکنی نہیں کروں گا۔ ابن مسلمہ نے ابن سعدیٰ کو پہچان کر کہا اے اللہ مجھے کریم لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرنے سے محروم نہ رکھنا پھر اس نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ سیدھا باہر چلا گیا۔ اور یہ رات اس نے مسجد نبوی میں مسافر بن کر رات گزاری پھر آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کدھر چلا گیا[4]

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وفادار یہودی کی تعریف کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے اس عقلمند وفادار یہودی کی تعریف کی اور یہ واقعہ یوں ہوا ہے کہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ محافظ دستے نے اس کو پکڑ لیا تھا۔ پھر محمد بن مسلمہ نے اسے چھوڑ دیا تو آپ نے فرمایا۔

اس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے اس کی وفاداری کی وجہ سے نجات دی ہے[5]۔

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ بعض لوگوں کے خیال میں عمرو بن سعدیٰ کو اُس بوسیدہ رسی کے ٹکڑے

---

[1] الانعام ۱۶۴، [2] البقرہ ۱۹۳ [3] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ احد میں دیکھئے۔
[4] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۸ [5] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۳۸

سے باندھا گیا جس سے بنی قریظہ کو اطاعت اختیار کرنے کے بعد باندھا گیا تھا اور وہ (دیگر بنی قریظہ) کو چھوڑ کر قتل سے محفوظ رہا کیونکہ اسے جس رسی سے باندھا گیا تھا وہ گر پڑی تھی اور کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کدھر چلا گیا

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات (کہ اس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے اس کی وفاداری کی وجہ سے نجات دی ہے) اس کے متعلق کہی ہے پہلی بات اسلام کی منطق کے زیادہ قریب ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمان اس آدمی کو گرفتار کریں جو اپنے عہد پر قائم اور ان سے عہد شکنی کرنے سے انکاری ہو

یہود کا مقابلہ اور ان کا سخت محاصرہ

بنو قریظہ مسلسل اپنی بے راہروی پر قائم رہے اور ان کے عورتوں کو بچانے کے لئے عمرو بن سعدی نے جو تجاویز پیش کیں انہوں نے ان سب کو رد کر دیا اور وہ قتال و مقاومت کا پختہ ارادہ کر کے اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے مسلمانوں نے قلعوں کے ارد گرد محاصرہ کو سخت کر دیا اور ہر جانب سے ان کا گھیراؤ کرنے لگے اور اسلامی فوجوں نے یہودیوں اور بیرونی لوگوں کے درمیان ہر رابطے کو منقطع کر دیا اور ان کی تمام کھیتیوں اور کھجوروں پر قبضہ کر لیا جو قلعوں سے باہر تھیں۔

محاصرے کے درمیان نبوی کمان کا ہیڈ کوارٹر

بنی قریظہ کے محاصرہ کے دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنوئیں پر نزول اجلال فرمایا جسے بئر انّی کہتے ہیں اور آپ نے وہاں اپنی کمان کا ہیڈ کوارٹر بنایا شروع شروع میں یہودیوں نے لشکر کا شدید مقابلہ کیا مگر چالیس راتیں گزرنے پر ان کے دلوں میں ضعف و قلق سرایت کر گیا اور محاصرے کی تنگی سے انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمان اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک وہ اطاعت نہ اختیار کر لیں اور یا وہ ان کے قلعوں میں داخل ہو کر انہیں بنوک شمشیر فتح کریں گے، اگرچہ ان کے پاس پانی، غذائی مواد، اسلحہ اور مضبوط قلعوں کی وافر طاقت تھی جو طویل عرصہ تک مقابلہ میں ان کی مدد کر سکتی تھی مگر ان کے دل رعب و خوف و گھبراہٹ سے بھر گئے اور ان کے قویٰ جواب دے گئے اور وہ اس طریقہ پر غور کرنے لگے جس سے ان کے خون محفوظ ہو سکتے ہوں۔

بنی قریظہ کے سردار کا انہیں دعوت اسلام دینا

اس مشکل وقت میں بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے لیڈروں کی اپنی کالونی کے ہیڈ کوارٹر کی جنگی موقف کے بارے میں نقطہ ہائے نظر کے تبادلہ اور گھیرے میں گرنے والے موقف سے بچانے کے لئے مشورہ کے لئے میٹنگ طلب کی۔ جب قریظیات کے لیڈر اپنے سردار کعب بن اسد کے پاس اکٹھے ہوئے (جو بڑا عقلمند تھا) کاش یہ برے ساتھی نہ ہوتے جنہوں نے اس کی بات مان لی اور اسے اس عہد کے توڑنے پر آمادہ کر دیا۔ جو اس کے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کعب عہد شکنی کو ناپسند کرتا تھا اور مسلمانوں سے دوستی رکھنے کا بڑا خواہش مند تھا یہی وجہ ہے کہ جب اسے معلوم ہوا کہ احزاب کی فوجیں مدینے کے نواح میں پہنچ گئی ہیں اور بنی نضیر کا شیطان اسے ملنے آ رہا ہے تو اس نے اپنے قلعے کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ اسے علم تھا کہ یہ حیی صرف اس لئے اس کے پاس آ رہا ہے کہ بنی قریظہ سے مطالبہ کرے کہ وہ مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے احزاب کے ساتھ مل جائیں اور کعب عہد شکنی سے متنفر تھا اور اسے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کرنے کے برے نتائج کا اس کے وقوع سے قبل ہی اندازہ تھا

یہی وجہ ہے کہ اس نے شروع شروع میں حیی بن اخطب کی ملاقات سے انکار کر دیا اور اس کی رائے کو جو مسلمانوں سے عہد شکنی کی داعی تھی برا خیال کیا اور اس نے بڑی وضاحت سے اسے کہہ دیا حیی تیرا برا ہو تو ایک منحوس آدمی ہے اور میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا ہے اور میں اس باہمی معاہدہ کو توڑنے والا نہیں اور میں نے اس سے صدق و وفا کے سوا کچھ نہیں دیکھا اس وقت حیی نے ارادہ کیا کہ اس پر احزاب کی زبردست فوجوں کی قوت کا اثر ڈالے اور اسے مؤکد فیصلے کے ذریعے رضامند کرے کہ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گی اس نے اسے کہا کعب تیرا بھلا ہو میں تمہارے زمانے کی عزت (یعنی احزاب کی فوجوں) کے ساتھ آیا ہوں کعب نے اسے کہا کہ گویا وہ احزاب کے ساتھ شامل ہونے کے نتیجے میں نازل ہونے والی سزا کو کھلم کھلا دیکھ رہا ہے خدا کی قسم تو میرے پاس زمانے کی ذلت کو لے کر آیا ہے تو میرے پاس ایسا بادل لایا ہے جس کا پانی ختم ہو چکا ہے وہ گرجتا اور چمکتا ہے اور اس میں کوئی چیز موجود نہیں اے حیی تیرا برا ہو مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔

جب بنی قریظہ کے یہودی اپنے سردار کعب بن اسد کے پاس جمع ہوئے اس وقت عمار نے

انہیں تنگ کر رکھا تھا اس نے انہیں اور خاص کر حیی بن اخطب کو نصیحت کی کہ اس نے انہیں اس انجام سے انتباہ کیا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ شروع شروع میں مسلمانوں کے ساتھ غداری اور عہد شکنی کرنے سے مانع تھا۔

اس نے انہیں اس میٹنگ میں کہا اے گروہ یہود! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ تم پر نازل ہو چکا ہے میں نقض عہد کو ناپسند کرتا تھا پھر اس نے حیی بن اخطب کی طرف متوجہ ہو کر کہا جو کچھ بنی قریظہ سے ہوا ہے یا ہو گا یہ اس کا ذمہ دار ہے اس نے کہا مصیبت اور نحوست صرف اس بیٹھنے والے کی وجہ سے ہے۔

جب حیی بن اخطب بنی قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی اور غداری کرنے پر آمادہ کر چکا تو اس نے بنی قریظہ کے سردار سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ اس کے قلعے میں داخل ہو جائے تاکہ احزاب کی فوجیں جب مسلمانوں کو مکمل تباہ کئے بغیر واپس آ جائیں تو اسے بھی وہی تکلیف پہنچے جو بنی قریظہ کو پہنچے اور عملاً اس نے حیی کے ساتھ یہ عہد پورا کیا پس اللہ تعالیٰ اسے بنی قریظہ کے قلعوں میں لے آیا تاکہ وہ اپنے قرار اور عمل کا پھل حاصل کرے اور وہ ان کے انجام میں ان کے ساتھ ان کے قلعوں میں محصور ہو کر کعب بن اسد نے اس میٹنگ میں اپنی قوم سے بات جاری رکھی اور انہیں تین امور کی اتباع کی دعوت دی تھی۔

(۱) یا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور اسلام میں داخل ہو جائیں۔

(ب) یا بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کے قتل کے بعد مسلمانوں پر خودکشی کے طریقے سے حملہ کریں

(ج) یا ہفتے کے روز مسلمانوں پر اچانک حملہ کریں اس دن یہودی ذہنی نقطہ نگاہ سے کوئی کام نہیں کرتے۔

لیکن یہودیوں نے ان میں سے کسی ایک تجویز پر بھی عمل کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے سردار کعب بن اسد نے انہیں کہا اے بنی قریظہ کیا تمہیں یاد ہے جو ابن خراش نے تمہیں کہا تھا یہ ان کا ایک عالم تھا کہ اس بستی سے ایک نبی ظاہر ہو گا اس کی پیروی کرنا اور اس کے مددگار بن جانا اس طرح تم دو کتابوں پہلی اور دوسری پر ایمان لانے والے بن جاؤ گے پھر کعب نے اپنی قوم کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے اور آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور کہا خدا کی قسم تم پر یہ بات واضح ہو چکی ہے

کہ وہ نبی اور مرسل ہے اور وہ وہی ہے جسے تم اپنی کتاب میں لکھا ہوا پاتے ہو اور ہمیں اس کے ساتھ شامل ہونے سے صرف عربوں کے حسد نے روکا ہوا ہے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں اس کی پیروی کرو تو تمہارے خون اموال اور عورتیں محفوظ ہو جائیں گی بنو قریظہ نے اپنے سردار کی اس تجویز کو رد کر دیا اور کہا کہ ہم تورات کے حکم کو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور نہ اس کے بدلے ہم کسی اور حکم کو اختیار کریں گے۔

اس کا عورتوں، بچوں کو قتل کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تجویز پیش کرنا

جب کعب کو معلوم ہوا کہ اس کی قوم نے اس کی تجویز کو رد کر دیا ہے تو اس نے ان کے سامنے دوسری تجویز پیش کی جو مسلمانوں پر خودکشی کے مترادف حملہ کرنے یا بہادروں کی طرح مرنے کا فیصلہ کرتی تھی اس نے کہا جب تم میری یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی طرف تلواریں سونت کر چل پڑیں اور اپنے پیچھے کوئی بوجھ نہ چھوڑیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فیصلہ کر دے اگر ہم ہلاک ہو گئے تو ہم ہلاک ہوں گے اور اپنے پیچھے کوئی نسل نہ چھوڑیں گے جس کے متعلق ہمیں کوئی خوف ہو اور اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں عورتیں اور بچے مل جائیں گے بنو قریظہ نے اس جرأت مندانہ تجویز کو بھی رد کر دیا اور اپنے سردار کعب بن اسد سے رعب، خلوص اور اضطراب سے کہا ہم ان مسکینوں کو قتل کر دیں پس ان کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں۔

اس کے بعد کعب نے ان سے تیسری اور آخری تجویز کی تنفیذ کا مطالبہ کیا کہ مسلمانوں پر ہفتہ کے روز اچانک حملہ کر دیا جائے اس نے کہا کہ اگر تم نے میری یہ بات بھی نہ مانی تو رات سبت کی رات ہے شاید اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہمیں امن دیں اور ہم اچانک حملہ کر کے ان سے اپنا حصہ وصول کر لیں انہوں نے اس تجویز کو بھی رد کر دیا اور کہا کہ تو ہمارے سبت (ہفتہ) کو خراب کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے اس میں وہ بات کریں گے جو ہم سے پہلے لوگوں نے نہیں کی سوائے اس بات سے جسے تم جانتے ہو تو انہیں ایسی تکلیف پہنچی جو تم سے مخفی نہیں اس موقع پر بنو قریظہ کا سردار اپنی قوم سے مایوس ہو گیا اور اپنے ہاتھ جھاڑ دیے اور یہ کہتے ہوئے اپنی بات ختم کر دی تم میں سے کسی آدمی نے جب سے اس کی ماں نے اسے جنا ہے دنیا میں ایک رات بھی عقلمندی کا

سے نہیں گزاری۔

یہود کا مذاکرات کی استدعا کرنا

جب محاصرہ اپنے انتہائی مقام کو پہنچا تو بنی قریظہ نے کئی بار کوشش کی کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جانوں کی حفاظت کی ضمانت حاصل کریں اور آپ ان کی عورتوں اور بچوں کو معاف فرما دیں پھر وہ یثرب سے ہمیشہ کے لئے چلے جائیں گے ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ بنی قریظہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ وہ یثرب سے اس طرح جلاوطن ہونے کے لئے تیار ہیں جیسے ان کے بھائی بنی نضیر کراسد کے بعد جلاوطن ہوئے تھے اس یہودی پیش کش کو بنی قریظہ کا ایک لیڈر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر گیا جس کا نام نباش بن قیس تھا اس یہودی لیڈر نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں جو قلعوں کے ارد گرد تھا مذاکرات کے لئے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کے بغیر مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محافظ دستہ اس یہودی لیڈر کو آپ کی خدمت میں لایا تو اس نے بنو قریظہ کی پیش کش کو آپ کے سامنے پیش کیا جس میں انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں عورتوں اور بچوں سمیت اور جس قدر اونٹ (ہتھیاروں کے سوا) سامان اٹھا سکتے ہیں اس کے ساتھ یثرب سے نکل جانے کی اجازت دے دیں اور ہم اپنی بقیہ مملوکہ چیزیں یثرب میں مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیں گے مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیش کش کو قطعی طور پر رد کر دیا اور بنی قریظہ کے نمائندے سے فرمایا کہ آپ ان یہودیوں کی غیر مشروط اطاعت کے سوا اور کسی بات کو قبول نہیں کریں گے ان کا نمائندہ قریظہ کی طرف واپس آ گیا اور اس نے سالار بنی کے ساتھ اپنے مذاکرات کے نتیجے سے انہیں آگاہ کر دیا کہ وہ اس یہودی پیشکش کو قبول نہیں کرتے۔

اس انکار پر بھی یہودی مایوس نہیں ہوئے انہوں نے دوبارہ اپنے اسی نمائندے (نباش بن قیس) کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اور عرض داشت پیش کرنے کے لئے بھیجا جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ انہیں عورتوں اور بچوں سمیت جان کی امان دے کر یثرب سے جلاوطن

ہونے کی اجازت دے دیں اور انہوں نے آپ کو یہ اطلاع بھی کہ وہ اپنا سب کچھ مسلمانوں کے لئے
چھوڑنے کو تیار ہیں اور وہ اپنے ساتھ کسی قسم کا مال اٹھا کر نہیں لے جائیں گے۔ نباش بن قیس نے جیش
اسلامی کے سالار اعلیٰ کے سامنے بنی قریظہ کے نام سے جب یہ پیشکش کی تو آپ نے اس سے اتفاق
کرنے سے انکار کر دیا اور دوبارہ کہا کہ وہ ان یہودیوں کی غیر مشروط اطاعت کے سوا اور کوئی بات قبول
نہیں کریں گے جب قریظہ کو اطلاع ملی کہ ان کی آخری پیشکش بھی رد ہو گئی ہے تو وہ شرمندہ ہو گئے
اور ان کے خوف و قلق میں اضافہ ہو گیا اور ان کے لیڈر قلق و حیرت میں ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے
انہیں معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا کریں خصوصاً محاصرہ کی سختی نے ان کا گلا گھونٹ کر ان کے اعصاب
کو شل کر دیا تھا۔

مدد کی امید جاتی رہی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بنی قریظہ کے حالات دگرگوں ہو چکے تھے اور کسی بھی
پارٹی کی طرف انہیں امید نہ رہی کہ وہ ان کی گردنوں کو اس واقع ہونے والی موت
سے بچائے جو ان کی غداری کی جزا میں ان کی منتظر تھی اگر اس بارے میں غور و فکر اور بحث و تمحیص انہیں کیا فائدہ
دے سکتی تھی اور وہ کس سے مدد طلب کرتے کیا قریش سے یا غطفان سے بلا شبہ یہ قبائل رسول دشمن
کے ساتھ ساتھ جزیرہ عرب کے طاقتور ترین اور خودسر قبائل تھے ممکن تھا کہ قریظہ ان قبائل سے مدد مانگتے
خواہ اپنے قلعوں سے محاصرہ کرنے کے لئے ہی مانگتے لیکن اب قریظہ کو معلوم ہو گیا کہ محاصرہ اپنے تلاطم سمندر
میں ان کے قلعوں کو غرق کر دے گا اور اس کی تعجیل کا اہم سبب ان قریشی اور نجدی قبائل کا ان یہودیوں
پر غصہ و ناراضگی تھا اس لئے ان محصور یہودیوں کو کوئی امید نہیں رہی کہ مدد مانگنے پر یہ قبائل ان کی مدد کریں گے

بنی قریظہ کے متعلق خیبر کا موقف بنی نضیر وغیرہ کے یہودان خیبر (جو جزیرہ عرب کی طاقتور ترین مسلح
فوج تھی) جنہیں احزاب کی فوجوں کو اکٹھا کرنے اور مدینہ سے جنگ
کے لئے انہیں مدد دینے میں ید طولیٰ حاصل تھا جب احزاب کی فوجیں کسی مقصد کو حاصل کئے بغیر واپس
ہو گئیں تو انہیں بھی خوف اور گھبراہٹ نے گھیر لیا اس پر مستزاد یہ کہ یہودان بنو نضیر مسلمانوں سے ناکام جنگ
لڑنے کے بعد نہایت ذلت کے ساتھ جلاوطن ہو کر نکلے تھے ان کا جنگ کی انتہا اطاعت کرنا اور ان یہودیوں
کی جلاوطنی پر سر ہلانا تھی اگر ان میں مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کچھ بھی سکت ہوتی تو وہ مدینہ سے اس ذلیل صورت
، جلاوطن ہونا قبول نہ کرتے پس اب وہ اس محاصرہ کو جو ان کے سردار حیی بن اخطب اور بنو قریظہ کے عہد شکن اور غدار

لوٹے کا کیا گیا تھا۔ توڑ نے کیلئے مدینہ پر حملہ کے متعلق سوچنے پر بھی بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اس لیے بنی قریظہ نے خیبر کے یہودیوں اور بنی نضیر سے مدد مانگنے کے متعلق مطلقاً نہ سوچا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ جب انہوں نے ان سے مدد مانگی تو وہ ان کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ اپنے خون کو محفوظ کرنے کی تمام ناکام کوششوں کے بعد یہودان جو قریظہ کے سامنے دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

یا تو سالار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت اختیار کرلیں۔ اور یا مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکے میں شامل ہو جائیں، اور قریظہ نے ثابت کر دیا کہ وہ اس معاملہ میں سوچنے سے کہیں زیادہ بزدل ہیں...... قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے ان کے سامنے یہ بہادرانہ پیش کش کی تھی۔ لیکن انہوں نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور وہ اس کے ذکر سے ہی بزدلی کی وجہ سے لرزہ براندام ہونے لگے تھے۔ اب قریظہ کے لیے مسلم فوجوں کی اطاعت کرنے اور غیر مشروط طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور آخر کار بنو قریظہ نے یہی فیصلہ کیا۔ انہیں امید تھی کہ شاید اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاف فرما دیں اور ان کی جانوں کی حفاظت کریں جیسا کہ آپؐ نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کے ساتھ کیا تھا۔ جنہوں نے آپ کے مقابلہ میں تو سرکشی اختیار کی تھی انہوں نے آپؐ کی اطاعت اختیار کر لی تھی اور آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا۔

یہودیوں کی آخری کوشش

بنو قریظہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اطاعت کے فیصلہ ... کی قانونی رنگ میں اطلاع دینے سے پہلے ایک اور کوشش کی کہ شاید وہ اس سے اپنی عہد شکنی اور غداری کی سزا میں کچھ تخفیف کرالیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پہلی اور دوسری پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ تو انہوں نے اس کے بعد اس تکلیف دہ مؤقف کے مقابلہ میں کسی ضروری اقدام کی تحقیق کے لیے ایک خاص میٹنگ منعقد کی۔ اس میٹنگ میں بنی قریظہ کے لیڈروں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ وہ سالار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ کر کے ان سے استدعا کریں کہ آپ ان کے حلیف ابولبابہؓ انصاری کو ان کے پاس آنے کی اجازت دیں تاکہ وہ اپنے معاملے میں ان سے مشورہ کر

سکیں۔ ابولبابہؓ بنی قریظہ کے حلیف تھے۔ اور ان کی اولاد و اموال بھی ان کے علاقے میں تھے۔ اس لیے ان کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان سے اخلاص و مہربانی سے پیش آئیں گے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست کے مطابق ابولبابہؓ کو بنو قریظہ سے ملاقات کی اجازت دے دی اور انہیں فرمایا کہ اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ۔ انہوں نے اوس سے تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے۔ ابولبابہؓ بنو قریظہ کی طرف گئے۔ اور جب آپ ان کے بڑے قلعے میں داخل ہوئے تو محاصرہ کی شدت کی وجہ سے ان کی عورتیں اور بچے رونے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کیا تھا۔ تاکہ انہیں ابولبابہؓ پر اثر ڈالنے کیلئے رونے کیلئے تیار کریں۔ اور جب یہودی لیڈر، ابولبابہؓ کے پاس اکٹھے ہوئے تو آپ کے سامنے اپنی تنگی اور تکلیف کا ماجرا بیان کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ کیا غیر مشروط طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے میں ان کی کوئی بھلائی ہے۔"

صحابی نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی

ابولبابہؓ بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے جس کا بعد میں انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ عظیم غداری تھی۔ جب ابولبابہؓ نے اپنے سامنے عورتوں اور بچوں کو روتے دیکھا تو انہیں ترس آگیا اور وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے جس سے وہ جادۂ صواب سے منحرف ہو گئے۔

اور یہ واقعہ یوں ہے کہ جب بنی قریظہ کے لیڈر اکٹھے ہوئے تو انہوں نے ان کے سامنے اپنی مشکلات کو بیان کیا اور ان سے رہنمائی چاہی کہ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے اور غیر مشروط اطاعت کرنے میں ان کی بھلائی ہو تو وہ ایسا کریں گے۔ انہوں نے اشارہ سے ان کو مشورہ دیا کہ ایسا نہ کرنا۔ اور انہیں سمجھا دیا کہ اگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مانا تو ان کا انجام قتل ہوگا۔ اب ہم اس جلیل القدر صحابی حضرت ابولبابہؓ سے آپ کو وہ واقعہ سناتے ہیں جس میں انہوں نے اس دن لغزش کھائی تھی۔ حضرت ابولبابہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرے بھیجنے کے متعلق درخواست کی تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا اپنے حلیفوں کی طرف جاؤ۔ انہوں نے اوس سے تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے (اوس، سعد بن معاذ کی قوم تھی جو بنی قریظہ کی حلیف تھی) ابولبابہ بیان کرتے

ہیں میں انکی طرف گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے میرے پاس آکر کہا اے ابولبشیر آپ کو ہماری حالت معلوم ہی ہے محاصرہ ہم پر سخت ہو گیا ہے اور ہم ہلاک ہو گئے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قلعوں کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک ہم ان کا حکم نہ مان لیں۔ اور اگر وہ ہم کو چھوڑ دیں تو ہم شام یا خیبر کے علاقے میں چلے جائیں گے۔ اور ہم ان کے علاقے میں نہیں آئیں گے۔ اور نہ کبھی ان پر فوج سے حملہ کریں گے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی ہے۔ پھر کعب بن اسد سے مشورہ طلب کرتے ہوئے کہا کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان لیں۔ اس موقع پر جلیل القدر صحابی کا قدم پھسل گیا اور اس نے کعب بن اسد کے مشورہ کے جواب میں کہا۔ ہاں۔ اور اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ قتل ہو گے یعنی اگر یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا تو ان کا انجام موت ہو گا۔

حضرت ابولبابہؓ سچے مومن تھے آپ نے اس اشارہ کے سوا اور کوئی بات نہ کی اور شرمندہ ہو گئے اور آپ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کے حق میں جو عظیم گناہ کیا اس کی عظمت کا آپ کو ادراک ہو گیا۔ پس آپ خاموش ہو گئے۔ پھر آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہا اور اپنے فعل پر ندامت کے باعث آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جب بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے خوف و اضطراب کے باعث آپکی یہ حالت دیکھی تو آپ سے متعجب ہو کر کہا ابولبابہ، آپ کو کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے۔ یعنی یہودیوں کو یہ اشارہ کیا ہے کہ اگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے حکم کو مانا تو ان کا انجام موت ہے۔

ابولبابہ کا اپنے آپ کو مسجد میں باندھنا

اللہ میں باوجود اپنی وسعتوں کے ابولبابہ پر تنگ ہو گئی۔ اور ان کا ضمیر ان کے فعل پر انہیں کچو کے دینے لگا۔ اور انہوں نے نہایت غمناک حالت میں فوری طور پر اپنے حلیف کعب بن اسد کا قلعہ چھوڑ دیا۔ اور شرمندگی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ گئے۔ بلکہ مسجد کی طرف چلے گئے۔ اور آپ کی آنکھیں اشکباری کر رہی تھیں اور آپ نے فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو مرنے تک یا توبہ قبول ہونے تک مسجد کے ستون سے باندھ دیں، حضرت ابولبابہ خود اس واقعہ کو بیان

کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

خدا کی قسم جونہی میرے قدم اپنی جگہ سے پھسلے مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے عملاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے غداری کی ہے اور ابولبابہ نے اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پھر ابولبابہ سیدھے چلتے گئے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ اور کہنے لگے جب تک اللہ تعالیٰ میرے فعل کی مجھے معافی نہیں دے گا میں اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ میں کبھی بنی قریظہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اور نہ کبھی اس شہر میں دکھائی دوں گا۔ میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے غداری کی ہے۔

یہ ایک سخت نفسیاتی آزمائش تھی جو اس جلیل القدر صحابی کو پیش آئی، انہوں نے اپنے آپ کو ایک وزنی زنجیر کے ساتھ اس ستون سے باندھ دیا۔ جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ کر واپس جاتے تھے۔ اور وہ ستون حضرت ام سلمہؓ کے دروازے کے نزدیک تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابولبابہ کے واقعہ اور جو کچھ انہوں نے اپنے ساتھ کیا تھا اس کی اطلاع ملی تو آپ نے آہستگی سے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لیے استغفار کرتا۔ اب جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا، جب تک اللہ انہیں معاف نہ فرمائے میں انہیں ان کی جگہ سے کھولنے کا نہیں،

ابولبابہ کی بیوی اور بیٹی نماز کے وقت آکر ان کے بندھن کھول دیتی۔ اسی طرح جب انہیں قضائے حاجت وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو وہ انہیں کھول دیتی۔ پھر وہ واپس آجاتے اور انہیں ستون سے باندھ دیا جاتا۔ ابولبابہ سترہ راتوں تک بندھے رہے قریب تھا کہ ان کی سماعت اور بصارت جاتی رہتی۔

ابولبابہ کی توبہ

جب تک اللہ نے چاہا یہ آزمائش میں پڑا ہوا صحابی بندھا رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ منظور اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے آزاد کیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ابولبابہ کی توبہ کی آیت سحر کے وقت حضرت ام سلمہؓ کے

گھر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر کے وقت مسکراتے دیکھا میں نے کہا خدا تعالیٰ آپ کو مسکراتا رکھے آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ کیا میں اُسے خوشخبری نہ دوں۔ آپؐ نے فرمایا بیشک دو، آپ اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑی ہو گئیں۔

یہ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ نے کہا اے ابولبابہ تمہیں خوشخبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ لوگ انہیں کھولنے کے لیے دوڑ پڑے تو انہوں نے کہا خدا کی قسم مجھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے ہاتھ سے کھولیں گے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے جاتے ہوئے ان کے پاس سے گزرے تو انہیں کھول دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں سارا مال صدقہ کرنے سے روکنا

اس جلیل القدر صحابی کو اپنی توبہ کی قبولیت کی اس قدر خوشی ہوئی کہ انہوں نے اپنی توبہ کی تکمیل کے لیے اپنے تمام مال سے الگ ہو جانا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تمہارے لیے تیسرا حصہ صدقہ کافی ہے۔[1]

ابن اسحاق کے بیان کے مطابق ابولبابہ کی توبہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی وہ سورہ توبہ کی یہ آیت ۱۰۳ تھی اور وہ تھی۔ وآخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم، اسی طرح قرآن کریم ابولبابہ کی اس غلطی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کا ارتکاب ابولبابہ نے کیا تھا (جیسا کہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے) اور یہ اشارہ (جیسا کہ ابن عباس نے کیا ہے اور ان سے ابن اسحاق نے نقل کیا ہے) سورہ انفال کی آیت ۲۷ میں ہے جو یہ ہے۔ یاایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون۔

---

[1] ابولبابہ کے واقعہ کے ماخذ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۶، سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۹، جوامع السیرۃ از ابن حزم صفحہ ۱۹۳

مقابلہ میں یہود کے مورال کا گرنا

ابولبابہ کا مشورہ بنو قریظہ کی آخری کوشش تھی جس کے ذریعے وہ کسی طور پر اطاعت کر کے اپنی جانوں کو بچانا چاہتے تھے مگر بجائے اس کے کہ انہیں اس میں کچھ کامیابی ہوا انہیں ابولبابہ کے اشارے سے حتمی طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت کی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لیا۔ تو انکی موت یقینی ہے اس طرح موت کی سزا میں تخفیف کی امید کا آخری تار بھی کٹ گیا اور بجائے اس کے کہ یہ کوشش انہیں موت تک جرأت و قتال پر آمادہ کرتی، ان پر رعب اور گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ اور ان پر بزدلی نے قبضہ کر لیا۔ اور ان کا مورال کلیتہً گر گیا۔

خصوصاً ان حالات میں بنو قریظہ کے اندر یہ طاقت موجود تھی کہ وہ کئی ماہ تک مقابلہ جاری رکھتے جس میں وہ مسلمانوں سے یہ فائدہ حاصل کر لیتے کہ وہ انہیں صرف مدینہ سے جلاوطن کرنے پر اکتفا کریں۔ اور جن مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا وہ جنگ خندق کی راتوں میں جن مسلمانوں پر مصیبت آ پڑی تھی اور وہ پچیس راتوں سے زیادہ عرصہ تک محاصرہ میں رہے تھے ان میں وہ شدتِ خوف اور مسلسل نگرانی اور اپنے محاصرہ کرنے والے سخت دشمن کے مقابلہ میں ٹھہراؤ کرنے کی وجہ سے نیند تک سے محروم تھے اور شدید تھکاوٹ کی حالت میں تھے دشمن نے انہیں آرام کا کوئی موقعہ ہی نہ دیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمان سخت بھوک کی حالت میں تھے۔ اور اس کے ساتھ فضا نہایت ٹھنڈی۔ پس مسلمان، میدان میں یہودیوں کے اردگرد پڑاؤ کیے ہوئے تھے اور انہیں شدید ٹھنڈک کے ساتھ بھوک کی شدت کے تھپیڑے بھی کھانے پڑ رہے تھے اور بنو قریظہ اس دوران یثرب کے باشندوں میں سب سے زیادہ صاحب ثروت تھے اور اپنے مضبوط قلعوں میں شدید ٹھنڈک کے تھپیڑوں سے محفوظ تھے۔ اور ان کے پاس طویل مہینوں تک کے لیے ضرورت کی چیزیں وافر حد تک موجود تھیں۔ اسی طرح ان کے قلعوں کے اندر ہمیشہ پانی موجود رہتا تھا۔ کیونکہ ان قلعوں میں بہت سے کنوئیں تھے۔ لیکن ان تمام عوامل کے باوجود جو یہودیوں کی مادی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور جن سے وہ طویل مدت تک مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے۔ یہود کے اعصاب جواب دے گئے اور ان کا مورال اس حد تک گر گیا کہ وہ پچیس راتوں سے زیادہ

محاصرہ کو برداشت نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ حالانکہ ان کی حالت یہ تھی کہ بڑی قوت و طاقت، وافر اسلحہ، اور کثرت تعداد کے مالک تھے وہ اپنے قلعوں کے دفاع کے لیئے ہتھیاروں کے استعمال کے سوا ہر چیز کے متعلق سوچ سکتے تھے۔

محمود شیث خطاب اللواء الرکن اپنی کتاب "رسالار رسول" میں بیان کرتا ہے کہ بنی قریظہ کی جنگ، میدانی جنگ نہ تھی بلکہ اعصابی جنگ تھی۔ اور وہ غذائی مواد اور پانیوں اور کنووں کی فراوانی اور قلعوں کی مضبوطی اور ان میں داخل ہونے کی صعوبت کے باوجود محاصرہ کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے محاصرہ کی سختی برداشت کرنے کے مقابلہ میں اطاعت اختیار کرنے کو ترجیح دی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام اسباب اور مسلمانوں کی شدید تھکاوٹ اور موسم کی ٹھنڈک کی وجہ سے، عسکری موقف ان کے حق میں تھا۔ لیکن ان کا پست مورال گر گیا اور وہ لمبا عرصہ تک مقابلہ نہ کر سکے جیسا کہ امید کی جاتی تھی۔

یہود کے قلعوں میں داخلہ کی دھمکی

شدید گھبراہٹ اور مورال کے کلیتہً گر جانے کے باوجود یہود کے عام مسلح دستے اطاعت اختیار کرنے میں اس لیے ٹال مٹول کرنے لگے کہ شاید انہیں گلا گھونٹ دینے اور بھنور کے تھپیڑے سے بچانے کے لیے کوئی خارق عادت امر ظاہر ہو۔ لیکن کہاں۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ یہودی، مورال کے گر جانے کے باوجود اطاعت اختیار کرنے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں تو انہوں نے یہ اعلان کر کے کہ وہ ان کے قلعوں میں گھس کر انہیں بنوک شمشیر فتح کریں گے۔ شدید طور پر خوفزدہ کر دیا۔

بلاشبہ مسلمان، بغیر جنگ کے بنی قریظہ کے اطاعت کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھوک اور تھکاوٹ کے باوجود پچیس راتوں سے زیادہ عرصہ تک ان کا محاصرہ کیئے رہے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اطاعت اختیار کرنے میں ٹال مٹول کر رہے ہیں اور خیال کیا کہ اس شدید سرد موسم میں اسلامی فوجوں کا میدان میں ضروری مواد کی قلت کے باوجود ان کا محاصرہ کیئے رکھنا ان کے لیے عظیم نقصان کا موجب ہوگا۔ اور یہودیوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوگا

تو انہوں نے بند قلعوں میں داخل ہونے اور ہر قیمت پر انہیں فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا

اور جب حضرت علی بن ابی طالب علمبردار جیش اور آپ کے پھوپھی زاد حضرت زبیر بن العوام نے پکار کر کہا خدا کی قسم میں اس پیالے کو ضرور چکھوں گا جسے حضرت حمزہ نے چکھا اور میں ان کے قلعے کو ضرور فتح کروں گا[1]

یہود کا اطاعت اختیار کرنا اور محاصرہ کا ختم ہونا

اس اشتباہ کے بعد جسے یہودیوں نے علمبردار جیش حضرت علی بن ابی طالب سے سُنا، اسلامی فوج کے دستوں نے مارچ کر دیا اور عام حملہ، ایک تباہ کن حملہ میں تمام قلعوں میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو گئے لیکن جب یہودیوں نے (اسلامی کمان اس بات کی ان سے توقع رکھتی تھی) اسلامی فوج کے دستوں کو مارچ کرتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے قلعوں پر حملہ ایسی بات ہے جس سے کوئی مفر نہیں تو انہوں نے حملہ روکنے کی استدعا کی اور غیر مشروط طور پر اطاعت اختیار کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننے کا اعلان کر دیا، مسلمانوں نے حملہ روک دیا۔ اور یہودی ہتھیار ڈالنے اور اطاعت اختیار کر کے قلعوں کو چھوڑنے اور ان کے دروازوں کے کھولنے میں جلدی کرنے لگے۔ پس اسلامی فوج ان کو حفاظت میں لینے کے لیے بڑھی اور وہ ایک جانب الگ ہو کر اکٹھے ہونے لگے اور جب تمام مرد، عورتیں اور بچے قلعوں سے نکل گئے تو سالار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو قید کرنے اور ان کے ہاتھوں میں کڑیاں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور یہ تمام کارروائی نبوی دستے کے سالار محمد بن سلمہ انصاری کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچی۔ عورتوں اور بچوں کے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو مردوں سے الگ رکھا جائے۔ ان کا معاملہ حضرت عبداللہ بن سلام کو سپرد کرنے کے بعد انہیں ایک طرف کر دیا گیا۔

اطاعت اختیار کرنے کی کارروائی کی تکمیل کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مردوں کو ان کے خاص قید خانہ میں رکھا جائے اور عورتوں اور بچوں کے متعلق آپ نے حکم دیا

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۲، [2] ان کے حالات ہماری کتاب "غزوہ بدر" میں دیکھئے۔

کہ ان کی حفاظت ایسی جگہ پر کی جائے جس میں قید اور تنگی کی صورت نہ ہو۔

بنی قریظہ کے تقریباً آٹھ سو جانبازوں کو اسامہ بن زید کے گھر میں قید کر دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کے متعلق نبوی کمان نے ایک گھر تیار کیا جس میں قید خانہ کی صورت نہ تھی۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مہمان خانہ میں اتارنے کا حکم دیا یہ حرث کی نجاریہ بیٹی کا گھر تھا جو ہمیشہ سے مدینہ آنے والے وفود کے اترنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ان عورتوں اور بچوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی [1]

اوس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی سفارش کرنا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنو قریظہ جاہلیت میں اوس کے حلیف تھے جیسے بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودی، خزرج کے حلیف تھے اور اس حلف کے آثار، اسلام کی آمد کے بعد بھی قائم رہے۔ جس میں ایک حلیف اپنے حلیف کی مقدور بھر مدد کرتا (خواہ وہ دین اور عقیدہ میں اختلاف رکھتے ہوں) اور اسلام نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اوس کے سرداروں کا ایک وفد اپنے حلیف یہودیوں کی ثالثی کے لیے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور جب اوس کا سفارشی وفد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو انہوں نے یہ درخواست کی کہ ازراہ کرم آپ ان یہودیوں کی سزا میں تخفیف کر دیں۔ خواہ انہیں مدینے سے جلاوطن کرنے پر اکتفا کریں۔ اس سفارشی وفد نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا روادارانہ موقف بھی یاد کرایا جو آپ نے خزرج کے حلیفوں (بنو قینقاع کے یہودیوں) سے روا رکھا تھا جن کے متعلق (جب انہوں نے آپ کا حکم مان لیا تھا) آپ نے خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی کی سفارش قبول کی تھی اور انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا تھا [3]

---

[1] الکامل ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، [2] السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲، [3] بنو قینقاع کے یہودیوں کی جلاوطنی کا واقعہ ہماری کتاب غزوہ احد کی پہلی فصل میں دیکھیے۔

بنی قریظہ کا محاکمہ

باوجود یہ کہ بنی قریظہ نے عہد شکنی اور غداری کے عظیم اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا پھر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی فطرت میں شرافت، ذکاوت اور اپنے ان صحابہ کے جذبات کے لحاظ سے خیال تھا۔ جنہوں نے آپ کو پناہ دی تھی۔ آپ نے نہ چاہا کہ آپ اوس کی ثالثی کو اپنے قدیم یہودی حلیفوں کے بارے میں رد کر دیں بلکہ آپ نے ان جلیل القدر صحابہ کا لحاظ کرتے ہوئے جن کے نیزوں کے دباؤ اور تلواروں کے خوف سے ان یہودی مجرموں نے اطاعت اختیار کی تھی، ان کا انجام خود اوس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ آپ نے ان یہودیوں کے معاملہ کو اوس کے سردار سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ ان کے بارے میں وہی فیصلہ کرے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس معاملے کی تفویض سے اوس کا دل، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے خوش ہو گیا۔ کیونکہ وہ اس کے پس پردہ یہ امید رکھتے تھے کہ ان کا سردار سعد بن معاذ اپنے حلیفوں کی سزا میں تخفیف کرے گا۔ مگر سعد کا حکم اس کی قوم کی توقعات کے خلاف صادر ہوا۔

سعد بن معاذ کا بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ دینا

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب صبح ہوئی تو بنو قریظہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لیا۔ اوس نے کہا یا رسول اللہ! یہ خزرج کے مقابلہ میں ہمارے حلیف ہیں اور آپ نے گزشتہ کل ہمارے بھائیوں کے حلیفوں کے متعلق جو کچھ کیا تھا اس کا آپ کو علم ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ سے قبل، بنی قینقاع کا محاصرہ کیا تھا اور انہوں نے آپ کا حکم مان لیا تھا، عبداللہ بن ابی نے آپ سے ان کے متعلق درخواست کی تھی کہ تو آپ نے انہیں اس کے سپرد کر دیا تھا۔ جب اوس نے آپ سے گفتگو کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہِ اوس، کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ان کے بارے میں تم میں سے کوئی آدمی فیصلہ کرے۔ انہوں نے جواب دیا بیشک ہم راضی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ فیصلہ کرنے والا سعد بن معاذ ہے [1]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۹

اوس کے سرداروں کا اپنے سردار کے پاس یہودیوں کی سفارش کرنا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے یہودیوں کے انجام کو ان کے حلیف سعد بن معاذ کے ہاتھ میں دے چکے تاکہ وہ ان کے متعلق جو چاہے فیصلہ کرے تو اس کی قوم اوس نے اس سے امید کی کہ وہ ان کے بارے میں عفو کا حکم صادر کرے گا جو انہیں قتل ہونے سے بچا دے گا، اس لیے زعمائے اوس کا ایک وفد اپنے سردار سعد بن معاذ کے پاس گیا تاکہ اس سے درخواست کرے کہ وہ اپنے حلیف بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ میں نرمی کرے۔ اور انہوں نے اسے یاد دلایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا معاملہ اس لیے اس کے سپرد کیا ہے کہ وہ ان کے بارے میں اچھا فیصلہ دے [1]

مجروح حاکم حضرت سعد بن معاذ بنی قریظہ کے محاصرہ میں شریک نہیں تھے۔ کیونکہ آپ مدینہ میں اپنے خطرناک زخم کا علاج کروا رہے تھے۔ جو آپ کو جنگ خندق میں لگا تھا۔ اور آپ کی شریان کٹ گئی تھی۔ یہ زخم خندق کے روز کسی مشرک کے تیر سے آپ کو آیا تھا۔ اور مجروح سعد کا علاج ایک جلیل القدر صالحہ صحابیہ کر رہی تھیں جس کا خیمہ مسجد نبوی میں لگا ہوا تھا۔ آپ جیشۃ اللہ معرکوں میں زخمی ہونے والے ان صحابہ کا علاج کرتی تھیں جن کے اہل میں سے ان کا کوئی علاج کرانے والا نہ ہوتا تھا۔ حضرت سعد اس قسم کے نہ تھے کیونکہ آپ اوس کے سردار تھے اور آپ کے اہل اور خاندان والے آپ کے علاج معالجہ کی طاقت رکھتے تھے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ انہیں مسجد میں خیمہ میں رکھا جائے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے یہ غرض تھی کہ اوس کا یہ سردار آپ کے قریب رہے اور آپ اس کی عیادت کرسکیں اور جب چاہیں اس کا حال معلوم کرسکیں۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کو مسجد میں اسلم قبیلے کی ایک عورت کے خیمے میں رکھا ہوا تھا جسے رُفیدہ کہتے ہیں وہ مریضوں کا علاج کرتی تھی۔ اور جو شخص مسلمانوں میں سے ضائع ہونے والا ہوتا تھا اس کی خدمت کرکے اپنے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۳۹۔

لیے ثواب کی خواہاں تھی۔ جب خندق میں انہیں تیر لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لوگوں سے فرمایا، اسے رفیدہ کے خیمے میں رکھو تاکہ میں قریب سے اس کی عیادت کرسکوں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس قبیلے کے سرداروں کو یہ اطلاع دی کہ آپ نے ان یہودی حلیفوں کا معاملہ سعد بن معاذ کے سپرد کردیا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے مطابق فیصلہ کرے تو یہ سردار نبوی چھاؤنی سے جو بنو قریظہ میں تھی اٹھ کر مدینے چلے گئے تاکہ اپنے مجروح سردار سے ملاقات کریں اور اسے یہودیوں کے متعلق نبوی فیصلے سے آگاہ کریں۔ اوس کے سرداروں نے مسجد نبوی میں اپنے سردار سعد سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا معاملہ آپ کے سپرد کردیا ہے تاکہ آپ ان کے متعلق خدا کی منشا کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس لیے ان کے لیے ضروری تھا کہ دیار بنی قریظہ میں اس جگہ پہنچیں جہاں اسلامی فوج پڑاؤ کیے ہوئے تھی تاکہ آپ ان کے متعلق کچھ سوچ سکیں۔ اگرچہ سعد کا زخم خطرناک تھا مگر وہ خود ایک جسیم آدمی تھے۔ آپ کی قوم نے آپ کے لیے ایک گدھا مہیا کیا تھا تاکہ آپ اس پر سوار ہو کر بنی قریظہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ جائیں۔ جب سعد دیار بنی قریظہ پہنچے تو آپ کی قوم اوس کے سرداروں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کو اپنے حلیف یہودیوں سے حکم میں نرمی کرنے کے لیے کہنے لگے۔ جب انہوں نے آپ پر دباؤ ڈالا تو آپ نے انہیں کہا کہ میں ان کے بارے میں وہی فیصلہ کروں گا جس کے یہ مستحق ہیں۔ اور ان کے اور یہودیوں کے درمیان جو حلف ہے وہ ان کے اور اس سزا کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتا جس کے یہ مستحق ہیں۔

ابن کثیر نے البدایہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو بنی قریظہ کے بارے میں حکم بتایا تو ان کی قوم ان کے پاس آئی اور انہیں ایک گدھے پر سوار کرایا۔ اور ان کے لیے چمڑے کا ایک تکیہ بچھایا (اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو ایک گدھے پر لایا گیا، جس پر کھجور کی چھال کا پالان تھا۔ آپ کو اس پر سوار کرادیا گیا اور آپ کی قوم نے آپ کو گھیر لیا اور کہنے لگی اے ابو عمرو یہ تیرے حلیف دوست اور زخم خوردہ ہیں اور وہ ایسے جنہیں تو جانتا ہے۔ اے ابو عمرو اپنے حلیفوں کے بارے میں اچھا حکم صادر کرے۔ پس جب انہوں

نے آپ پر دباؤ ڈالا تو آپ نے کہا اب سعد کے لئے وقت آگیا ہے کہ اُسے اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت قابو نہ کرے سردار اسد کی اس تقریر کے سامنے اس کی قوم، یہود کے متعلق اس کے حکم میں کسی قسم کی نرمی کروانے سے مایوس ہو گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ سعد، بنی قریظہ کے متعلق قتل کا حکم دے گا۔ یہاں تک کہ اوس کے بعض ان لوگوں نے سعد سے بنی قریظہ کے متعلق حسن سلوک کرنے کی استدعا کی جنہوں نے سعد کی اس تقریر کے بعد انہیں مُردوں میں شمار کیا اور انہوں نے بنی قریظہ میں نبوی چھاؤنی میں سعد کے پہنچنے سے قبل ان کی قوم کو ان کی موت کی اطلاع دے دی تھی۔

ابن اسحاق نے سیرۃ میں بیان کیا ہے کہ اوس کے ان سرداروں نے جب سعد سے یہود کے متعلق حسن سلوک کرنے کے معاملہ میں یہ جواب سُنا تو وہ اپنی قوم کے گھر بنی عبد الاشعل میں لوٹ آئے۔ پھر انہوں نے سعد کے پہنچنے سے قبل انہیں بنی قریظہ کی موت کی اطلاع دی۔[1]

سعد لشکر گاہِ نبوی میں

اوس کے سردار سعد بن معاذ، بنی قریظہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچ گئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آپ کی بڑی شان تھی۔ اور عام مسلمان اور خاص کر اپنی قوم کے درمیان بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ جب سعد بنی قریظہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیڈ کوارٹر کے قریب پہنچے تو لشکر گاہ میں جو لوگ آپکے اردگرد موجود تھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ سعد بن معاذ کے لئے کھڑے ہو جائیں کہتے ہیں کہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قوموا الی سیدکم) اپنے سید کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا سید تو اللہ تعالیٰ ہے[2] اور ابن برہان الدین سیرت حلبیہ جلد ۲ کے صفحہ ۱۱۹ پر بیان کرتا ہے کہ جب سعد بن معاذ لشکر گاہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے بہترین آدمی کیلئے کھڑے ہو جاؤ[3]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ — [2] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹

[3] صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۱۴۴ میں ہے کہ جب سعد انصار کے قریب آئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اپنے سردار یا اپنے بہترین آدمی کی تعظیم میں کھڑے ہو جاؤ۔

ایک فقہی کا مسئلہ

سعد بن معاذ کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم دیا اس کے مقاصد کے بارے میں فقہا کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا آپ نے یہ بات سعد کی تکریم کے لئے فرمائی یا سعد کو سواری سے اتارنے کے لئے فرمائی کیونکہ آپ زخمی اور تھکے ہوئے تھے ہمارے نزدیک (واللہ اعلم) کھڑے ہونے سے آپ کا مقصد سعد کو اتارنا تھا نہ کہ ان کی تعظیم کرنا ہماری دلیل اس بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو بصیغہ امر بنتا ہے کہ قوموا الی سیدکم اگر کھڑے ہونے سے مراد تعظیم ہوتی تو آپ فرماتے قوموا لسیدکم (واللہ اعلم) اس کے علاوہ ابن برہان الدین نے سیرۃ حلبیہ میں بیان کیا ہے کہ صحابہ سعد کے لئے اپنے قیام کرنے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ہم دو صفوں میں کھڑے ہو گئے اور ہم میں سے ہر ایک اسے سلام کہتا یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ قیام انہیں سلام کرنے کے لئے تھا

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور مہاجرین بھی قریش میں سے تھے وہ کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام کا مقصد انصار سے تھا (معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھڑے نہیں ہوئے تھے) اور انصار کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام تھا پس وہ ان کے لئے کھڑے ہو گئے۔

سعد کا اپنے فیصلے پر یہودیوں سے موافقت چاہنا

جب اوس کا سردار بنی قریظہ میں فوجی کمان کے ہیڈ کوارٹر میں ٹھہر گیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا، سعد ان کے بارے میں فیصلہ کرو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تجھے فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے[1]

سعد اپنی قوم کی اس خواہش سے آگاہ تھے کہ وہ اپنے حلیف یہودیوں کے متعلق فیصلہ میں نرمی کی خواہاں ہے مگر آپ سب سے عہد لینے کو زیادہ پسند کرتے تھے یعنی رسول کریم

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۱۹

صلی اللہ علیہ وسلم اوس اور بنی قریظہ سے تاکہ جب آپ کا حکم صادر ہو تو اس پر جرح اور معا لعت نہ ہو، پس نوجوان مجروح حاکم سعد بن معاذ نے نبوی پڑاؤ میں کھڑے ہو کر خاص طور پر اپنی قوم سے اور عموماً ان تمام لوگوں سے جو پڑاؤ میں موجود تھے کہا تمہیں اللہ کی قسم کیا فیصلہ وہی ہوگا جو میں کروں گا انہوں نے جواب دیا ہاں، پھر آپ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ جس طرف موجود تھے اس کی طرف اشارہ کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام و اکرام کے باعث ان سے منہ دوسری طرف کر کے کہا اور جو یہاں موجود ہیں اور اس خیمہ کی طرف اشارہ کیا جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہاں میں جواب دیا[1] پھر انہوں نے پڑاؤ کی ایک جانب بنی قریظہ کے محصورین کی طرف اشارہ کیا تاکہ ان سے بھی عہد لے لیں آپ نے کہا ـــ کیا تم میرے فیصلہ پر راضی ہو۔ انہوں نے جواب دیا ہاں[2]۔ اس دوران نبوی پڑاؤ کے اندر بنی قریظہ کے معاملہ کو سعد بن معاذ کو تفویض کرنے کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں ان یہودیوں کو ان کی بد تدبیروں نے گھیر لیا تھا اور وہ متوقع خوفناک انجام سے لرزہ براندام تھے۔ مگر شدید خوف کے احساس کے باوجود انہیں زندگی کی کچھ امید باقی تھی کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے اوسی حلیفوں نے سالار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی ثالثی کے لیے جان لڑا دی ہے تاکہ آپ ان کی سزا میں تخفیف کردیں۔ اور اس ثالثی کے نتیجہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کے معاملہ کو ان کے حلیف اور حلیفوں کے سردار سعد بن معاذ کے سپرد کر دیا ہے۔

بنی قریظہ کی تاریخ کی خوفناک گھڑی

فیصلہ کن گھڑی آ گئی اور سعد بن معاذ، یہودان بنی قریظہ کے متعلق اپنی آخری بات کا اعلان کرنے کیلئے کھڑے ہوئے اور ان یہودیوں نے اپنے کان اپنے حلیف (حاکم سعد) کی طرف لگا دیئے جس کے ہاتھ میں ان سب کا انجام تھا۔ اور قلق و اضطراب سے اپنی آنکھیں اس پر مرکوز کر دیں اور ان کے خبیث دل ان کے پہلوؤں میں دھڑکنے لگے اور اپنے متعلق فیصلے کے اعلان کے انتظار میں ان کی نبضیں

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ [2] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۰

رُک گئیں یہاں تک کہ جو مسلمان بھی پڑاؤ میں موجود تھے ان کی نگاہیں بھی حکم (سعد) کی طرف لگی ہوئی تھیں اور خصوصاً آپ کی قوم اوس کی بھی جنہوں نے اپنے حلیفوں کے متعلق فیصلے میں تخفیف کرانے کے لیے اپنی تمام ترکوششیں صرف کردی تھیں۔ سب کی نگاہیں سعد کی طرف لگی ہوئی تھیں تاکہ وہ دیکھیں کہ وہ اپنے حلیف یہودیوں کے متعلق کیا حکم صادر کرتا ہے۔ کیونکہ سبھی لوگوں (حتیٰ کہ سالار نبی) کو معلوم نہ تھا کہ سعد ان یہودیوں کے متعلق کیا فیصلہ صادر کریں گے۔ آخر فیصلہ صادر ہوگیا اور وہ نہایت سخت منحوس اور خوفناک تھا۔

سعد کا یہودیوں کے قتل کا فیصلہ دینا

سعد بن معاذ نے بنی قریظہ کے تمام بالغ آدمیوں کو تلوار سے قتل کرنے کا فیصلہ دیا

اور اسی طرح یہ بھی فیصلہ دیا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا جائے اور ان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد ان مسلمان جانبازوں کے لیے غنیمت ہوگی جنہوں نے ان یہودیوں کا محاصرہ کیا اور انہیں ان کے قلعوں سے نیچے اتارا[1]۔ سعد نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے تمام دیار، انصار کے بغیر مہاجرین کے لیے ہوں اس لیے کہ مہاجرین کے مدینہ میں گھر نہیں تھے۔ کیونکہ جب انہوں نے اپنے دین کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی تو وہ اپنی تمام جائداد مکہ میں مشرکین کے پاس چھوڑ آئے تھے۔

اور سعد نے (جب بعض انصار نے اس سے معارضہ کیا) اپنے اس فیصلے کو درست قرار دیتے ہوئے انہیں کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ تم سے مستغنی ہو جائیں[2]۔ بخاری نے اپنی صحیح کتاب المغازی میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ خندق کے روز سعد زخمی ہو گئے۔ انہیں قریش کے ایک آدمی حبان بن العرقہ نے تیر مارا تھا۔ جو ان کی سرگین رگ میں لگا تھا تو حضور علیہ السلام نے مسجد میں ان کا خیمہ لگوادیا تاکہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ جب رسول کریم صلی اللہ

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۴۰، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ قسم اول صفحہ ۲۹، طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۵۷، الکامل لابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ [2] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۹

[3] سعد بن معاذ کے حالات ہماری کتاب غزوہ بدر میں دیکھئے۔

علیہ وسلم خندق سے واپس آئے اور ہتھیار اتارے اور غسل کیا تو جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس سر سے غبار جھاڑتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے ہتھیار نہیں اتارے ان کی طرف چلیئے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کدھر، تو جبرائیل علیہ السلام نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ اور انہوں نے آپ کا فیصلہ مان لیا۔ اور آپ نے ان کا فیصلہ سعد بن معاذ[1] کے سپرد کر دیا۔ سعد نے کہا میں ان کے متعلق یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جانبازوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کر دیا جائے اور ان کے اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔

ابن سعد طبقات الکبریٰ میں بنی قریظہ کے اطاعت اختیار کرنے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انہیں ان کے قلعوں میں شدید غم نے آن لیا۔ پس انہیں سعد[2] کے فیصلہ کو ماننا پڑا۔ اس نے ان کے متعلق فیصلہ کیا کہ ان کے جانبازوں کو قتل کیا جائے اور ان کے بچوں کو قید کر دیا جائے۔ حمید کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ بنی قریظہ کے دیار انصار کے بغیر مہاجرین کے لیئے ہوں گے۔ انصار نے معارضہ کرتے ہوئے کہا وہ ہمارے بھائی ہیں ہم ان کے ساتھ ہوں گے اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ تم سے مستغنی ہو جائیں۔ جب سعد نے یہودیوں کے قتل کے متعلق فیصلہ کر دیا تو اس کی قوم اوس نے کوئی معارضہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس نے ان سے پہلے عہد لیا ہوا تھا کہ کسی کو اس کے فیصلہ پر معارضہ کرنے یا نکتہ چینی کرنے کا حق نہ ہوگا۔

یہودی اس قاطع حکم سے بے ہوش ہو گئے۔ اور ان پر حیرت چھا گئی اور غم نے ان کا احاطہ کر لیا اور کسی مورخ نے بیان نہیں کیا کہ ان یہودیوں نے اس فیصلہ پر نکتہ چینی کی ہو یا کسی احتجاج سے اس کا معارضہ کیا ہو۔ اس لیے کہ وہ ایسا کر ہی نہ سکتے تھے کیونکہ انہوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مشروط فیصلہ قبول کیا۔ پھر انہوں نے اطاعت اختیار کرنے کے بعد سعد کو حکم بنانے سے اتفاق کیا۔ حکم صادر کرنے سے پہلے سعد نے ان کی موافقت حاصل کر لی تھی۔ بعض مورخین بیان کرتے ہیں کہ جب یہود پر محاصرہ سخت ہو گیا تو انہوں نے محاصرہ کرنے والی افواج کی اس شرط پر

---

[1] سعد بن معاذ کے حالات ہماری کتاب غزوہ بدر میں دیکھئے۔ [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۷۷

اطاعت اختیار کی کہ ان کے بارے میں ان کا حلیف سعد بن معاذ فیصلہ کرے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط سے اتفاق کر لیا۔ مگر جمہور محدثین اور اصحاب حدیث و مغازی کا موقف یہ ہے کہ سعد اس وقت حاکم بنے جب ان کی قوم نے بیچ میں پڑ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان یہودیوں کی سزا میں تخفیف کریں۔ ہمارے اس قول کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے (جو اعلیٰ الاطلاق صحیح ترین تاریخی ماخذ ہے) کہ یہودیوں نے غیر مشروط طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تسلیم کیا جائے۔ تو آپؐ نے فیصلہ کو ان کے حلیف کے سپرد کر دیا[1] صحیح بخاری میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد سے جب وہ بنی قریظہ کے پاس ان کے اطاعت اختیار کرنے کے بعد آئے۔ فرمایا ان یہودیوں نے آپ کے حکم کو ماننا قبول کیا ہے[2] یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان پر حکم لگانے میں اپنا نائب مقرر کیا۔ جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ سے بیان کیا ہے[3]۔ اور جب سعد نے بنی قریظہ کو فیصلہ سنا دیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا۔ آپ نے ان کے متعلق خدا کے حکم سے فیصلہ کیا ہے۔ جو سات آسمانوں کے اوپر ہے[4]

سعد بن معاذ کے فیصلہ کے وقت وقفہ

سعد کو ان کے حلیف یہودیوں کے بارے میں فیصلہ کے اختیارات حاصل ہو جانے کے بعد ذہن میں پہلے یہی خیال آیا تھا کہ وہ اپنے حلیف بنی قریظہ کی رعایت کریں گے۔ اور کم از کم ان کو موت سے بچانے کے لیے ان کے متعلق فیصلہ میں تخفیف کریں گے۔ اور اسی بات کی امید ان کی قوم اس وقت ان سے رکھتی تھی۔ جب انہوں نے اپنے حلیف یہودیوں کے معاملہ کو انہیں تفویض کرنے پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور انہوں نے تخفیف حکم کے متعلق ان سے استدعا بھی کی تھی۔

اسی طرح یہودی بھی اس بات کی امید رکھتے تھے کہ ان کے حلیف سعد بن معاذ کے پاس قدیم حلیفانہ تعلقات کی وجہ سے جو ان کے اور اس کے درمیان ہیں ان کی سفارش کی جائے گی اسی لیے آپ کی قوم کے اکثر لیڈر یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ان کے متعلق فیصلہ میں نرمی کریں گے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۵ ص ۲۴۴ ، [2] بخاری جلد ۵ ص ۱۴۳ ، [3] بخاری جلد ۵ ص ۱۴۳ ، [4] زاد المعاد جلد ۲ ص ۱۹۱

سعد نے بھی اپنی قوم کی امیدوں کے دباؤ میں یہ بات فراموش نہ کی کہ اسلام اور اس کی طرف منسوب ہونے والے تمام لوگ اور مدینہ اور مدینہ کی عزت و حرمت والی چیزیں پھل، کھیتی، اور فصل اور اسلام کا نام دینی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی وجود ان یہودیوں کی عہد شکنی اور غداری کے باعث تباہی و بربادی کے کنارے پر کھڑا تھا۔ اور وہ کسی خارق عادت معجزہ کے بغیر بچ نہیں سکتا تھا۔ اور اگر یہ معجزہ رونما نہ ہوتا تو اسلامی وجود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا اور سعد کو اپنی قوم کی امیدوں کے شور و غوغا میں یہ بات بھی نہیں بھولی کہ اگر انہیں اور احزاب کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہو جاتی تو وہ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے ان کو بے عزت کرتے ان کے گھروں کو تباہ کرنے اور ان کے وجود کو برباد کرنے سے بالکل نہ ہچکچاتے۔ جیسا کہ ان کے اور احزاب کی کمان کے درمیان اس امر پر اس وقت اتفاق ہو چکا تھا جب اس کمان نے ان سے مسلمانوں سے عہد شکنی اور غداری کرنے کا مطالبہ کیا تھا اس لیے جونہی سعد کے پاس ان کی قوم کے لوگ اپنے حلیف یہودیوں کے متعلق سفارش کرنے آئے آپ نے اپنی قوم سے یہ ابد تک رہنے والی بات کہی کہ۔

"اب سعد کے لیے وہ وقت آگیا ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرے پھر آپ نے یہ قاطع حکم صادر کیا جو واقعات اور جرم کی نوعیت کے مطابق سزا کے طور پر ہے۔

سعد کے لیے ناقابل فراموش یاد

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی قریظہ عہد شکنی کر کے احزاب کے پڑاؤ میں شامل ہو گئے ہیں تو آپ نے جب کہ احزاب کی فوجوں نے مدینہ کے محاصرہ کا آغاز کیا تھا۔ ایک وفد بنی قریظہ کی حق کی پڑتال کرنے کے لیے بھیجا یہ بات ذکر کے لائق ہے کہ اس وفد کے ایک ممبر سعد بن معاذ بھی تھے۔ اس وفد نے بنی قریظہ کے پاس آکر حسب معاہدہ ان سے معاہدہ کی پابندی کرنے اور مدینہ کے دفاع کے لیے مسلمانوں کے ساتھ مل کر عسکری التزامات کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا، سعد اس وفد کے سردار تھے آپ نے وفد کے مطالبہ پر یہودیوں کے جواب کو سنا اور سوچا کہ وہ تاریخ اسلام کی ان فیصلہ کن گھڑیوں میں ان غداروں کو کیسے بڑا بھلا کہیں۔ انہوں نے کسی ندامت اور شرمندگی کے بغیر عہد شکنی کا اعلان کر دیا۔ اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے اعلانیہ فعال شرکت پر اصرار کیا اور ان کو تنگ کرنے لگے۔

جس طرح وہ خسیس و حقیر انسان کرتا ہے۔ جو بے ضمیر بدعہد اور بے شرف ہوتا ہے)

اوس کے نوجوان سردار سعد بن معاذ نے جب اپنے حلیف یہودیوں سے یہ قبیح بات سنی اور ان کے اس ذلیل کام کو دیکھا تو انہوں نے اس کا بڑا گہرا اثر لیا۔ اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج اپنی تاریخ کے نازک حالات میں سے گزر رہی تھی اس وقت ان یہودیوں نے اپنے مسلمان حلیفوں کو نیزہ چبھویا اس سے ان یہودیوں کی کینگی آپ کے سامنے مجسم ہو کر آگئی۔ سعد کی قوم نے اپنے حلیف یہودیوں پر مہربانی کے لیے جو شور و غل کیا اس میں بھی آپ کو یہ بات فراموش نہ ہوئی کہ آپ نے انہیں حلیف ہونے کے لحاظ سے انتباہ کیا تھا اور نصیحت بھی کی تھی کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غداری نہ کریں تاکہ وہ اس خوفناک انجام سے دوچار نہ ہوں جس کی طرف بالآخر ان کی عہد شکنی اور غداری انہیں لے آئی۔ اس روز سعد نے انہیں انتباہ کرتے ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے کہا اے بنی قریظہ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ ہے اور میں تمہارے بارے میں بنی نضیر جیسا یا اس سے بھی تلخ دن آنے کے بارے میں ڈرتا ہوں تو انہوں نے اس خوشی کے نشہ میں کہ احزاب کی فوجوں نے ہر جانب سے مسلمانوں کا گھیراؤ کر لیا ہے اور اس تخیلاتی فتح کی سرمستی میں جو عنقریب انہیں مسلمانوں پر ہونے والی تھی، سعد کو گندی گالیاں دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی دشنام طرازی کی اور سعد سے کہا تو نے اپنے باپ کا ... کھایا ہے[1]

آپ نے (آپ چونکہ حلیم الطبع اور عفیف آدمی تھے) فرمایا اے بنی قریظہ اگر تم اس کے علاوہ کوئی اور بات کہتے تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوتی۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لتے لیے اور کہنے لگے اللہ کا رسول کون ہے! ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے[2]۔

اس روز سے سعد ان غدار اور ذلیل یہودیوں پر غصے سے بھرے بیٹھے تھے اور متمنی تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ان کے کینے کو دور کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ خندق کے روز

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۰۱، [2] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ ہم نے کتاب کے آغاز میں اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے اس جگہ ہم نے یہ حصہ موقع کی مناسبت سے بیان کیا ہے۔

اس جانگسل زخم سے زخمی ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جب تک وہ ان غدار مجرموں سے انتقام نہ لے لیں ۔ انہیں موت نہ آئے۔ امام احمد نے اپنے مسند میں جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن معاذ کو تیر لگا تو انہوں نے اس کی سرنگیں سر رگ کاٹ دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آگ سے داغ دیا۔ تو آپ کا ہاتھ پھول گیا۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو کہا اے اللہ اس وقت تک میری جان نہ نکالنا جب تک بنی قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔ آپ نے اپنی رگ پکڑ لی تو اس سے ایک بوند لہو نہ ٹپکا یہاں تک کہ انہوں نے سعد کے فیصلے کو ماننا قبول کیا تو آپ نے فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں ۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے ۔ پس جب آپ ان سے فارغ ہوگئے تو آپ کی رگ پھٹ گئی اور آپ فوت ہوگئے ۔ سعد نے ان یہودیوں کے متعلق یہ فیصلہ بڑی تحقیق اور ان کی نفسیات کے کامل مطالعہ اور یہ تسلیم کرنے کے بعد دیا کہ یہ مہلک وباء کے جراثیم ہیں جن کی تباہی سے کوئی مفر نہیں ۔

یہود کے قتل کے متعلق فیصلہ کی تنفیذ

بنی قریظہ کے متعلق فیصلہ کی کارروائیوں کی تکمیل کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے ساتھ مدینہ کی طرف مارچ کیا اور اس میں داخل ہو گئے۔ اور بنی قریظہ سے آپ کی واپسی ، ذوالحجہ ۵ھ کو ہوئی ۔ سالار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یہود ان بنی قریظہ کو مدینہ میں داخل کیا گیا۔ ان سب کو محمد بن مسلمہ اور عبداللہ سلام کی کمان میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ دستے نے داخل کیا ، آپؐ نے مردوں کو اسامہ بن زید کے گھر قید کرنے کا حکم دیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو بغیر کسی قید اور تنگی کے مہمان خانہ میں رکھا گیا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ دیار بنی قریظہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد ان یہودیوں کے قتل کے فیصلہ کی تنفیذ کے لیے کارروائیاں شروع کی گئیں ۔ آپؐ نے گہری خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ تاکہ ان غداروں کے اجسام کو قتل کرنے کے بعد دفن کر دیا جائے ۔ اور ان کے قتل و دفن کے لیے مدینہ کے بازار کو منتخب کیا گیا جسے ان دنوں سوق المناخہ کہتے تھے ۔

قتل کے بعد یہودیوں کو خندقوں میں دفن کرنا

یہود کی تدفین کے لیے تیار کی گئی خندقوں کی کھدائی کی کارروائی کے اختتام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کبار صحابہ کے ساتھ اس جگہ بیٹھ گئے جو ان کے قتل کے لیے تیار کی گئی تھیں پھر آپ نے بنی قریظہ کے ان مردوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا جن پر فیصلہ لاگو ہو چکا تھا۔ پس آپ نے ان کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ انہیں باری باری قتل کیا گیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک آدمی بھی باقی نہ رہا۔ جب ایک بار ان یہودیوں کے قتل کی تکمیل ہو جاتی تو صحابہ انہیں ان خندقوں میں پھینک دیتے اور مٹی سے چھپا دیتے یہاں تک کہ ان سے فارغ ہو گئے مورخین نے قتل ہونیوالے یہودیوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ انکی تعداد چھ سو تک تھی اور بعض کہتے ہیں کہ وہ آٹھ سو سے نو سو کے درمیان تھے[۱] ان سب یہودیوں کو ایک رات میں تہ تیغ کیا گیا۔ اور قتل کی کارروائی کھجور کی شاخوں کی مشعلوں کی روشنی میں ہوئی اور ان غدار یہودیوں کے قتل کی کارروائی کے منتظم حضرت علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام تھے[۲] بعض مورخین کہتے ہیں کہ اوس کے لیڈروں نے (جو بنی قریظہ کے حلیف تھے) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اوس کے کچھ جوانوں کو بھی یہود کے قتل کی کارروائی میں شریک کیا جائے۔ کیونکہ ان کے بعض خزرجی حاسدوں نے ان پر اتہام لگایا ہے کہ وہ ان یہودیوں کے قتل کو اپنا حلیف ہونے کی وجہ سے ناپسند کرتے تھے۔ پس اوس قتل میں شریک ہو کر اس اتہام کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

الامتاع میں ہے کہ سعد بن عبادہ اور حباب بن منذر خزرجی[۳] آئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ اوس نے اپنا حلیف ہونے کی وجہ سے بنو قریظہ کے قتل کو ناپسند کیا ہے۔ سعد بن معاذ (اوس کا سردار) نے کہا کہ اوس کے کسی اچھے آدمی نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا اور جس نے اسے ناپسند کیا ہے اللہ اُسے راضی نہ کرے۔ اوس کے سرداروں میں سے اسید بن حضیر[۴] نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ آپ انصار کے نام گھروں میں انہیں تقسیم کر دیجئے آپ نے انہیں تقسیم کر دیا اور انہوں نے انہیں قتل کر دیا[۵]

---

[۱] سمط النجوم العوالی جلد ۱ صفحہ ۳۸۱، [۲] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰، [۳] ان کے حالات ہماری کتاب "غزوہ بدر" میں بیان ہو چکے ہیں [۴] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ بدر میں بیان ہو چکے ہیں۔ [۵] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کے قتل کی کارروائی کا مشاہدہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے ان یہودیوں کے قتل کے فیصلہ کی تنفیذ کی کارروائی کا مشاہدہ کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ وہ اس خوفناک انجام سے دوچار ہوں جس سے انہوں نے مسلمانوں کو دوچار کرنا چاہا تھا

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یہودیوں کے قتل کی کارروائی کے وقت موجود تھے۔ پھر آپ مدینہ کے بازار کی طرف گئے اور وہاں خندقیں کھدوائیں۔ پھر بنی قریظہ کو پیغام بھیجا اور ان خندقوں میں انہیں قتل کیا گیا۔ انہیں جماعت در جماعت لایا جاتا تھا۔ اور جن یہودیوں کے قتل کے متعلق حکم نافذ ہوا تھا ان میں ان کا سرکردہ اور عظیم مجرم اور فتنہ و فساد کا بانی حیی بن اخطب[1] بنی نضیر کا سردار بھی تھا۔ جس نے احزاب کو مرتب کیا اور مدینہ سے جنگ کرنے کے لیے ان کی فوجوں کو اکٹھا کیا اور بنی قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا اور اسلامی فوج کے لیے جو نازک ترین وقت تھا اس میں اس پر پیچھے سے خوفناک غدارانہ چوٹ لگانے کی حوصلہ افزائی کی اور اس خبیث مجرم (حیی بن اخطب) نے اپنے اس کام کو اپنے قتل ہونے تک جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی چاہا کہ یہ شیطان یہودی بنی قریظہ کے قلعوں کے محاصرہ کے وقت ان کے درمیان موجود رہے۔ پس حیی نے بھی بنی قریظہ کے ساتھ اطاعت اختیار کر لی اور اسے بھی ان کے ساتھ اسی دن قتل کر دیا گیا۔ اور یہ واقعہ یوں ہے کہ جب یہ شریر یہودی، بنی قریظہ کو عہد شکنی اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کرنے پر رضامند کرنے کے لیے آیا تو بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے اس سے عہد لیا کہ وہ بنی قریظہ کے ساتھ ان کے قلعوں میں رہے۔ مگر احزاب کی فوجیں اپنے مقصد کو پورا کیے بغیر مدینہ سے واپس چلی گئیں اور وہ مقصد مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ و برباد کرنا تھا۔

اور عملاً اس نضری یہودی سردار نے اپنے بھائیوں بنی قریظہ سے یہ عہد پورا کیا اور ان کے ساتھ ان کے قلعوں میں داخل ہو گیا۔ اور ان کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت اختیار کر لی تو اس نے بھی ان کے ساتھ اطاعت اختیار کر لی اور ان کے ساتھ ہی قتل ہو گیا۔

---

[1] حیی بن اخطب کے بنی قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے پر آمادہ کرنے کا واقعہ کی تفاصیل غزوہ احزاب میں دیکھئے۔

بنی نضیر کے شیطان کا قتل ہونے سے پہلے گفتگو کرنا

جب اس خطرناک یہودی (حیی بن اخطب) کے قتل کی گھڑی آئی تو اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے بغض و کینہ کو پوشیدہ نہ رکھا بلکہ اسے اپنی شریر زندگی کی آخری گھڑیوں میں بڑے فخر اور صراحت کے ساتھ نمایاں کیا۔

ابن اسحاق، حیی کے قتل کی ساعت میں اس کے مؤقف کو بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ اور اللہ کے دشمن حیی بن اخطب کو لایا گیا۔ وہ سرخ حلہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ جسے ہر جانب سے انگلیوں کے برابر پھاڑا ہوا تھا تاکہ اسے کوئی چھین نہ سکے اور اس کے ہاتھ رسی کے ساتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو کہنے لگا

"خدا کی قسم میں نے تمہاری عداوت میں کبھی اپنے آپ کو ملامت نہیں کی۔ لیکن جو اللہ کو چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے چھوڑ دیتا ہے" اور سہیلی نے روض الانف میں یہ اضافہ کیا ہے کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حیی کو بندھے ہوئے دیکھا تو [1] فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تجھے نہیں پکڑا۔ اس نے کہا ہاں، لیکن جو آپ کو چھوڑے گا اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

حیی بن اخطب کی شجاعت

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مجرم یہودی پر خوف کا کوئی اثر نہ تھا بلکہ قتل کے وقت بھی اس نے بڑی شجاعت اور ثابت قدمی دکھائی اور جب محافظوں نے اس یہودی کو قتل کیلئے مقتل میں پیش کیا تو اس نے بات چیت کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب انہوں نے اجازت دے دی تو اس نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے لوگو! اللہ کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں۔ اللہ نے کتاب، اقدار اور جنگ کو بنی اسرائیل پر فرض کیا ہے۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور اسے قتل کر دیا گیا پھر فوج نے اس کے جسم کو خندق میں پھینک دیا۔ ایک یہودی شاعر جبل بن غنطفانی ثعلبی نے ابن اخطب کے اس مؤقف پر جو اس نے قتل سے پہلے اختیار کیا اس کی مدح کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

"تیری زندگی کی قسم ابن اخطب نے اپنے آپ کو ملامت نہیں کی۔ لیکن جو اللہ کو چھوڑتا

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۴۱

ہے اُسے بھی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس نے عذر کی حد تک کوشش کی۔ اور اس نے آواز دی اور وہ ہر آواز سننے والے کی عزت کا خواہاں تھا۔

اور اس بات کا بتانا بھی ضروری ہے کہ اس نے ثابت کیا کہ شر سے خیر کا ظہور ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس یہودی حیی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ خیبر میں ان کے خاوند کے قتل ہونے کے بعد شادی کی تھی اور آپ امہات المومنین میں سے بہتر اور عقلمند تھیں۔

بنی قریظہ کے سردار کو کیسے قتل کیا گیا

بنی نضیر کے سردار کے قتل کی تکمیل کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محافظ دستہ اہل قریظہ کے سردار کعب بن اسد کو مقتل میں لایا۔ کعب بڑا عقل مند اور دور اندیش تھا۔ اور عہد شکنی کو ناپسند کرتا تھا۔ اور مسلمانوں سے غداری کرنے میں بھی دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ بلکہ اسلام کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی قوم کو حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعوت دی۔ لیکن پھر ان پر بدبختی غالب آگئی اور بنی نضیر کے شیطان حی بن اخطب نے اس پر غلبہ پالیا۔ یہاں تک کہ وہ اس خط مستقیم سے منحرف ہوگیا۔ جس پر وہ چلنا چاہتا تھا۔ پس وہ اُسے اور اس کی قوم بنی قریظہ کو انجام کار اس خوفناک انجام تک کھینچ لایا جو قتل تھا۔

کعب بن اسد، حیی بن اخطب پر زبان کی پاکیزگی اور وفور ادب کے لحاظ سے امتیاز رکھتا تھا۔ جب نبوی محافظ دستہ اس یہودی سردار کو قتل کے حکم کی تنفیذ کے لیے لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا اے کعب، اس نے کہا جی ابوالقاسم۔ آپ نے فرمایا تم نے ابن خراش[1] کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ میرا مصدق تھا۔ کیا اس نے تمہیں میری اتباع کا حکم نہیں دیا تھا کہ جب تم مجھے دیکھو تو مجھے سلام کہو۔ اس نے کہا تورات کی قسم ابوالقاسم بیشک یہی بات ہے۔ اگر یہودی مجھے تلوار دیکھ کر گھبرانے کا عیب نہ دیتے تو میں آپ کی اتباع کرتا۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے آگے کر کے قتل کرنے کا حکم دیا اور اُسے قتل کر دیا گیا[2]

---

[1] ایک یہودی عالم جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل فوت ہوگیا تھا وہ یہودیوں کو آپ کی اتباع کی وصیت کیا کرتا تھا۔
[2] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰

کیا تم کسی بھی جگہ عقل سے کام نہیں لیتے

بنو قریظہ، اپنے سردار کعب بن اسد کے ساتھ قید خانے میں بند تھے۔ جب محافظ ان میں سے ایک جماعت کو قتل ہونے کے لیے بلاتا تو وہ اپنے سردار کعب کی پناہ لیتے اور اس سے گھبراہٹ سے پوچھتے، تمہارے خیال میں ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور وہ انہیں بڑی مضبوط دلی اور ثبات سے جواب دیتا کہ "کیا تم کسی جگہ بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔ خدا کی قسم تم قتل ہو گے"

یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا (انہیں محافظ جماعت در جماعت مقتل میں لے جاتے رہے) یہاں تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فارغ ہو گئے۔ اس لحاظ سے بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کی فراست نے غلطی نہیں کی۔ اس نے بنی نضیر کے شیطان حیی بن اخطب سے (جب اس نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کا مطالبہ کیا) کہا تیرا بُرا ہو تو ایک منحوس آدمی ہے۔

پس مسلسل واقعات ہونے تھے اور زمانے نے کعب بن اسد کی فراست اور اندازے کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ کہ حیی بن اخطب، بنی قریظہ کے لیے منحوس ترین انسان تھا کہ اس نے انہیں آخر کار مکمل تباہی تک پہنچا دیا۔

قتل ہونے والی واحد عورت

اس طرح بنی قریظہ کے تمام مردوں کو عہد شکنی اور غداری کے جرم کی سزا میں مکمل طور پر قتل کر دیا گیا۔ اور مسلمانوں نے بنی قریظہ کی عورتوں میں سے کسی کو قتل نہیں کیا کیونکہ اسلام کے آداب جنگ میں دشمن کی عورت کو قتل کرنا حرام ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی کو حد یا قصاص میں میدان جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے قتل کیا جائے۔ اسی لیے بنی قریظہ کی عورتوں میں سے کسی عورت کو سوائے ایک عورت کے قتل نہیں کیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو ایک مسلمان کے قتل کے قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس یہودیہ قریظیہ عورت کا نام مُزنہ تھا۔ اس نے اپنے خاوند کی انگیخت پر خلاد بن سوید پر چکی کا پاٹ گرا کر قتل کر دیا تھا۔ پس اسے اس کے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔[۱]

یہ عورت (قتل کے حکم کے نفاذ کے وقت) بنی قریظہ کے مردوں میں حضرت عائشہ کے

---

[۱] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰

گھر میں موجود تھی۔ اسے محافظوں نے بنی قریظہ کی تمام عورتوں کے درمیان سے اس کا نام لے کر آواز دی اور جب اس نے سنا کہ کوئی محافظ آواز دے رہا ہے کہ مُزنہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا خدا کی قسم میں ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے اُسے کہا کہ تیرا بُرا ہو تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں قتل ہوں گی۔ (میرے خاوند نے مجھے قتل کیا ہے) حضرت عائشہؓ نے اُسے کہا کہ تیرے خاوند نے تجھے کیسے قتل کیا ہے۔ اس نے کہا میرے خاوند نے مجھے حکم دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان صحاب پر چکی کا پاٹ گرا دوں جو قلعے کے نیچے اس کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ میں نے خلاد بن سوید کو دیکھا اور اس کے سر کو کچل دیا۔ اب میں اس کی وجہ سے قتل ہوں گی۔

عجیب بات پھر اس نے حضرت عائشہؓ کو واقعہ کی بہت سی تفاصیل بتائیں۔ اس نے بتایا کہ میں بنی قریظہ کے ایک آدمی کی بیوی تھی۔ اور میرے اور اس کے درمیان میاں بیوی والی شدید محبت تھی۔ جب محاصرہ سخت ہو گیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ مجھے وصل کے ایام پر بہت حسرت ہے۔ وہ ختم ہوا چاہتے ہیں اور فراق کی راتوں میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ میں تیرے بعد زندگی کو کیا کروں گی،

میرے خاوند نے کہا کہ اگر تو دعویٰ محبت میں سچی ہے تو مسلمانوں کی ایک جماعت قلعے کے سائے میں بیٹھی ہے ان پر چکی کا پاٹ گرا دے شاید وہ ان میں سے کسی ایک کا کام تمام کر دے۔ پس اگر انہیں ہم پر فتح حاصل ہوئی تو وہ تجھے اس کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ تو میں نے یہ کام کر دیا[1]۔

حضرت عائشہؓ اس یہودی عورت اور اس کی ثابت قدمی کے متعلق ایک حیران کن بات بیان کرتی ہیں۔ آپؓ فرماتی ہیں۔

خُدا کی قسم وہ میرے پاس میرے ساتھ خوب غور سے باتیں کر رہی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مردوں کو بازار میں قتل کر رہے تھے کہ اچانک آواز دینے والے نے اس کا نام لے کر آواز دی کہ فلاں عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا خُدا کی قسم میں ہوں حضرت عائشہؓ

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۔

فرماتی ہیں میں نے اُسے کہا تیرا بُرا ہو تجھے کیا ہوگیا۔ اس نے کہا میں قتل ہوں گی، میں نے کہا کیوں اُس نے کہا کہ میں نے ایک واقعہ کیا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں اسے لے جا کر قتل کردیا گیا۔ حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں خدا کی قسم مجھے اس کی ایک عجیب بات نہیں بھولتی، اس کی خوش دلی اور بکثرت مسکراہٹ، حالانکہ اُسے یہ پتہ تھا کہ اُسے قتل کیا جائے گا۔[1]

ابو عمر نے بیان کیا ہے کہ یہودی عورت (بُنانہ) حسن قرظی کی بیوی تھی۔ بنی قریظہ میں سے صرف ایک آدمی قتل سے بچا اور وہ رفاعہ بن سموأل قرظی تھا۔[2] جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجار کی ایک عورت عطا فرمائی تھی۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی سفارش کی تھی۔ کیونکہ اس نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ عنقریب اسلام قبول کرے گا۔ اور عملاً اس نے اسلام قبول کر بھی لیا۔ یہ عورت (سلمیٰ بنت قیس[3]) تھی جو انصار کی عورتوں سے اوّلین اسلام لانے والی عورتوں میں سے تھی۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ سلمیٰ بنت قیس اُم المنذر اور اُمّ سلیط سے سلیط کی بہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خالہ تھی اس نے آپ کے ساتھ دو قبلوں میں نماز پڑھی اور عورتوں کی بیعت میں آپ سے بیعت کی۔ اس نے آپ سے رفاعہ بن سموأل قرظی کے متعلق درخواست کی یہ ایک بالغ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ [2] رفاعہ بن سموأل قرظی، صحابہ کرام میں سے تھا۔ اس نے نہایت احسن رنگ میں اسلام قبول کیا۔ اس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے اور یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق بخاری نے حضرت عائشہ رضی سے روایت بیان کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ :-

رفاعہ کی بیوی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفاعہ نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ پس میری طلاق کا فیصلہ فرما دیجئے۔

[3] سلمیٰ بنت قیس بن عمرو بن عبید نجاریہ انصاری، جن کی کنیت اُمّ المنذر تھی، یہ عورت ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں بنائیں گی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ آپ کے باپ حضرت عبداللہ کی والدہ بھی بنی نجار میں سے تھی اور بنو نجار عبداللہ بن عبدالمطلب کے ماموں تھے۔ اس لحاظ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہوئے۔

شخص تھا جس نے اس کی پناہ لے لی تھی اور وہ انہیں پہلے بھی جانتا تھا۔ اس عورت نے کہا اے اللہ کے نبیؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے رفاعہ عطا فرما دیجئے۔ وہ نماز پڑھتا اور اونٹ کا گوشت کھاتا ہے۔ تو آپؐ نے اس کو اسے عطا فرما دیا تو وہ اس سے شرمندہ ہو گئی۔

یہود کا ایک عجیب واقعہ

جب بنی قریظہ کے عہد شکن اور غدار ٹولے کے متعلق قتل کی عادلانہ سزا کے فیصلے کی تنفیذ کا کام مکمل ہو گیا تو ایک عجیب ہیجان خیز واقعہ رونما ہوا جس کا محور ایک قدیم کینہ توز جنگ باز یہودی تھا جس کا نام زبیر بن باطا تھا اور وہ جاہلیت میں بنی قریظہ کے لیڈروں میں سے تھا۔ اور اس نے اسلام سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے بڑا احسان کیا تھا۔ جن کا نام ثابت بن قیس بن شماس خزرجی[1] تھا۔ اس صحابی نے اس یہودی کے سابق احسان کا بدلہ دینے کی کوشش کی پس یہ صحابی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ کے سامنے اس یہودی کے احسان کا تذکرہ کیا اور آپ سے استدعا کی کہ آپ سالار اعلیٰ ہیں اور عفو و درگزر کے مطلق اختیارات رکھتے ہیں۔ آپ اس یہودی کو معاف فرما دیں۔ جس کے قتل کا فیصلہ کیا جا چکا ہے تاکہ وہ اس کے پچھلے احسان کا بدلہ دے سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کی درخواست کو قبول کر لیا اور اس یہودی کیلئے معافی کے حکم صادر ہو جانے کے بعد بھی کہا کہ اسے اس کی قوم کے لوگوں کے ساتھ قتل کیا جائے۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ دوزخ میں جائے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بنی قریظہ، صلح اور جنگ میں قبیلہ اوس کا حصہ سمجھے جاتے تھے۔ اور یہ اس تحالف کی وجہ سے تھا جو دونوں قبیلوں کے درمیان قائم تھا۔ جب کہ جاہلیت میں عربوں کا مروج اصول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہوتی تو بنی قریظہ اوس

---

[1] ثابت بن قیس بن شماس بن زہیر خزرجی انصاری، انصار کے مشہور خطیب تھے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے پر آپ سے کہا تھا کہ ہم جس چیز سے اپنی اور اولاد کی حفاظت کرتے ہیں اسی سے آپ کی حفاظت کریں گے۔ پھر ہمیں کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا "جنت"، رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے پہلے معرکہ احد میں شامل ہوئے اور بعد کے معرکوں میں بھی شامل ہوئے اور معرکہ یمامہ میں شہید ہوئے۔

کی طرف ہو کر ان کے ساتھ جنگ کرتے اور آخر تک وہ ان کا الوٹ انگ رہے جیسا کہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودی اپنے حلیف خزرج کے ساتھ ہوئے تھے۔ اور جب جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی مشہور جنگ برپا ہوئی جس میں اوس کو خزرج پر فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شماس خزرجی اس یہودی لیڈر زبیر بن باطا کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ جو خزرج کے خلاف اس معرکہ میں بعض یہودیوں کی قیادت کر رہا تھا۔ اور زبیر نے ثابت بن قیس کی پیشانی کے بال کاٹنے کے بعد اُسے چھوڑ دیا اور قیس نے زبیر بن باطا کے اس عظیم احسان کو یاد رکھا۔ پس جب بنی قریظہ اپنی بُری کارروائیوں میں لگ گئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر آپ سے درخواست کی (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) کہ آپ اس یہودی پر احسان کریں۔ اور اسے بخش دیں تاکہ یہ قتل ہونے سے بچ جائے۔ حضور علیہ السلام نے ایسے ہی کر دیا۔ بلکہ آپؐ نے اپنے صحابی کی دوسری درخواست کو بھی قبول کیا کہ اس یہودی کو اس کے سب بیٹے، بیویاں اور تمام اموال واپس کیے جائیں۔ لیکن اس مخالف یہودی نے جو ساٹھ سال کی عمر سے بھی متجاوز تھا، ان تمام باتوں کو رد کر دیا اور کہا کہ وہ بنی قریظہ کے عہد شکن غدار اور کمینے ساتھیوں کے ساتھ مرنا چاہتا ہے۔

اب ہم اس عجیب واقعہ کو ابن ہشام سے سنتے ہیں۔ جسے اس نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن اسحاق سے بیان کیا ہے، ابن اسحاق کہتا ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس جیسا کہ ابن شہاب زہری نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ زبیر بن باطا قرظی کے پاس آیا جس کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی اور زبیر نے جاہلیت میں ثابت بن قیس بن شماس پر احسان کیا تھا۔

مجھ سے زبیر کے ایک بیٹے نے بیان کیا کہ اس نے جنگ بعاث کے روز اس پر احسان کیا تھا۔ اس نے اُسے پکڑ کر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیئے۔ پھر اُسے چھوڑ دیا۔ پس ثابت بن قیس اس کے پاس آیا (اور وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا) اور کہنے لگا اے ابو عبدالرحمٰن کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ کیا میرے جیسا آدمی، تم جیسے آدمی کو بھول سکتا ہے" اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تیرے احسان کا بدلہ دوں" اس نے کہا، بلا شبہ کریم آدمی، کریم کو بدلہ دیتا ہے"

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پھر ثابت بن قیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زبیر کا مجھ پر احسان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُسے اس کا بدلہ دوں۔ مجھے اس کا خون بخش دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تجھے اس کا خون بخشا۔ زبیر بن باطا رجب قیس نے اُسے عفو کا حکم پہنچایا) نے کہا میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ نہ میری بیوی ہے نہ بچے، مجھے زندگی کی کیا ضرورت ہے۔ ثابت نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اس کی بیوی اور بچے بھی بخش دیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ بھی تجھے بخشے ثابت نے آکر اُسے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے بیوی بچے بخش دیئے ہیں اور وہ تیرے ہوئے اس نے کہا گھر والے حجاز میں ہیں ان کے پاس کوئی مال نہیں۔ اس صورت میں ان کی زندگی کیا ہوگی۔ ثابت نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس کا مال بھی بخش دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ بھی تیرا ہوا۔ ثابت نے اُسے آکر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیرا مال بھی دیدیا ہے۔ اور وہ بھی تیرا ہو گیا۔ اس یہودی نے ثابت سے کہا کعب بن اسد کے ساتھ کیا ہوا۔ جس کا چہرہ چینی آئینے کی طرح تھا۔ جس میں وہ قبیلے کی نوخیز لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ اس نے کہا وہ قتل ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا شہر و دیہات کے سردار حیی بن اخطب کے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے کہا وہ قتل ہو گیا ہے اس نے پوچھا حملہ کے وقت ہمارے پیشرو اور فرار کے وقت ہمارے حامی عزال بن سموال کے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے کہا وہ قتل ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کے ساتھ کیا ہوا۔ اس نے کہا وہ بھی قتل ہو گئے ہیں۔

اس نے کہا اے ثابت میرا تجھ پر احسان ہے میں اس کا واسطہ دے کر تجھے کہتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ خدا کی قسم ان لوگوں کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں۔ میں صبر کرنے والا نہیں۔ میں جب تک اپنے دوستوں سے نہ ملوں ایک پانی نکالنے والے ڈول کی رسی ہوں پس ثابت نے اُسے آگے کیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق کو اس کے قول کی اطلاع ملی کہ میں دوستوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ تو آپؓ نے فرمایا وہ انہیں

جہنم کی دائم رہنے والی آگ میں ملے گا [1]

قیدیوں اور غنائم کا انجام

بنی قریظہ کے آدمیوں کے معاملہ سے فارغ ہونے کے بعد سالار رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبار صحابہ کی ایک کمیٹی بنانے کا حکم دیا جو بنی قریظہ کے تمام منقولہ اور غیر منقولہ اموال کو لائے اور شمار کرے یعنی ہتھیار، گھریلو سامان، کھیتیاں، گھر، گھوڑے اور خچریں وغیرہ۔

عورتوں اور بچوں کو شمار کیا گیا تو وہ ایک ہزار تھے اور مسلمانوں نے بنی قریظہ کے قلعوں میں مندرجہ ذیل سازو سامان پایا۔

۱۔ پندرہ سو تلواریں۔

۲۔ دو ہزار نیزے۔

۳۔ تین سو زرہیں۔

۴۔ پانچ سو ڈھالیں۔

اسی طرح کمیٹی نے پرانی شراب کے بہت سے مٹکے پائے جسے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرانے اور غنائم کے ساتھ تقسیم نہ کرنے کا حکم دیدیا۔ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ شراب کی تحریم کا حکم غزوہ خیبر سے قبل نازل ہو چکا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب، قیدیوں اور اموال کے شمار کرنے کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس اسلامی فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جو فقط بنی قریظہ کے محاصرہ میں شریک تھے اور قرآنی قانون کے مطابق غنائم کی تقسیم کا کام مکمل ہو گیا اور وہ اس طرح کہ اس کی تقسیم پانچ اقسام میں ہوتی ہے۔ ایک قسم سالار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں رہتی ہے جسے وہ مصلحت کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ اور یہ اس قول الٰہی کی تنفیذ کے لیے ہوتا ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شئ فان اللہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل [2]

اور چار اقسام حصوں کی صورت میں ان جانبازوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ جن کی تلواروں سے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۲۴۳۔ [2] الانفال - ۴۱

یہ غنائم حاصل ہوتی ہیں جیسا کہ ثابت شدہ قانون ہے، غنائم میں سے تین حصے سوار کو دیئے جاتے ہیں ایک اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے، اور وہ شخص جو پیادہ جنگ کرے اور اس کے پاس گھوڑا نہ ہو اسے قانون کے مطابق صرف ایک حصہ دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں سوار کا اخراج پیادے کی نسبت جو گھوڑے پر نہیں لڑتا دشمن پر زیادہ پڑتا ہے۔ پس اس قاعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے یہودیوں کی غنائم ان کے اطاعت کرنے اور قتل ہونے کے بعد تقسیم کی گئیں۔

غنائم میں عورت کی مشارکت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استثنائی طریق کے مطابق بنی قریظہ کی تھوڑی سی غنیمت سات مسلمان عورتوں میں بھی تقسیم کی جو محاصرہ کی کارروائیوں میں موجود تھیں۔ یعنی آپ نے غنیمت میں ان کا مردوں کی طرح حصہ نہیں لگایا۔ بلکہ آپ نے انہیں اپنے اندازے کے مطابق کچھ دیا ہے اور یہ وہ صاحب فضیلت عورتیں ہیں جو بنو قریظہ کے محاصرہ میں موجود تھیں، سیرت حلبیہ میں ان کے نام یہ بیان ہوتے ہیں۔

۱:- اُم عمارہ:- نسیبہ بنت کعب مازنیہ مشہور صحابیہ جس نے معرکہ اُحد میں مشرکین سے جنگ کی[1]

۲:- صفیہ بنت عبد المطلب، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی[2]

۳:- اُم سلیط[3] (۴) ام العلاء[4]

---

[1] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ احد میں دیکھئے۔ [2] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ اُحد میں دیکھیے

[3] ابو عمر کہتے ہیں کہ ام سلیط بیعت کرنے والی عورتوں میں سے تھیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں شامل ہوئیں۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے لیے احد کے روز پانی اٹھا کر لاتی تھیں۔ یہ مشہور صحابی حضرت ابو سعید کی والدہ ہیں۔

[4]:- اصابہ میں تین عورتوں کے حالات دیئے گئے ہیں جن میں سب کا نام یہی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ام العلاء بنت حارث بن ثابت زوجہ انصاریہ ہیں جو خارجہ بن زید کی والدہ ہیں۔ یہ مشہور صحابیات میں سے ہیں۔ اور بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں۔ بخاری اور مسلم نے زہری کے طریق سے ان کی روایت کی ہے۔

۵ ۔ السمیراء بنت قیس [1]

۶ ۔ ام سعد بن معاذ [2]

یہ پہلی دفعہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو دشمن کی غنائم سے حصہ دیا۔ اور غزوہ بنی قریظہ دوسری جنگی کارروائی ہے۔ جس میں مسلمان عورت نے شرکت کی ہے معرکۂ اُحد میں بھی جانباز اور مددگار عورتیں شامل ہوئی تھیں [3]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو مسلمانوں کا بھی حصہ لگایا جو بنی قریظہ کے محاصرہ میں فوت ہو گئے تھے۔ ایک خلاد بن سوید جنہیں ایک عورت نے قلعے سے چکی کا پاٹ گرا کر قتل کر دیا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، یہ خلاد ابن سوید بن ثعلبہ انصاری خزرجی ہیں جو سابق الاسلام لوگوں میں سے ہیں آپ عقبہ اور بدر میں شامل ہوئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حصہ ان کے وارثوں کو دیا۔ اور فرمایا ان کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ اور دوسرے ابو سفیان بن محصن ہیں جو عکاشہ بن محصنؓ کے بھائی ہیں۔ جنہوں نے بنی قریظہ کے محاصرہ کے دوران

---

[1] ابو عمر کہتے ہیں سمیراء بنت قیس انصاریہ مدینہ میں جن سے ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے روایت کی ہے [2] ابن عبدالبر کہتا ہے کہ ان کا نام کبشہ بنت رافع بن عبید خدریہ انصاریہ ہے جو اوس کے سردار سعد بن معاذ کی والدہ ہیں یہ اپنے بیٹے کی وفات تک زندہ رہیں اور ان کا ندبہ کیا کہ ام سعد تو ہلاک ہو گئی اور تجھے سخت غم پہنچا۔ اس لحاظ سے جن عورتوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت سے تھوڑا حصہ دیا وہ چھ نہیں ہیں نہ کہ سات، کیونکہ جن مصادر کو ہم نے دیکھا ہے ان میں کبشہ بنت رافع نام کی کوئی عورت ان کے سوا نہیں ملتی واللہ اعلم) [3] جنگ میں عورت کی شرکت کی بحث ہماری کتاب غزوہ احد کی پانچویں فصل میں "جنگ میں عورت کا کردار" کے عنوان کے تحت دیکھئے۔ [4] سیرت حلبیہ ص۱۴، [5] ابو سنان بن محصن بن حرثان جو بنی اسد بن خزیمہ میں سے ہیں۔ آپ بدر، احد اور خندق شامل ہوئے تھے۔ [6] عکاشہ بن محصن بن حرثان جو بنی اسد بن خزیمہ میں سے ہیں۔ آپ سابقون الاولون میں سے ہیں، آپ بدر، اُحد، خندق، اور تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل تھے۔ عکاشہ نہایت خوبصورت آدمی تھے آپ جب مرتدین میں جب حضرت خالد بن ولید کی فوج کے لیے ثابت بن اقرم کیلئے مخبری حاصل کر رہے تھے تو طلیحہ بن خویلد اور اس کے بھائی سلمہ نے آپ کو نجد کے علاقہ میں بزاخہ مقام پر شہید کر دیا۔ اور صحیحین میں ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (باقی اگلے صفحہ)

میں طبعی طور پہ وفات پائی۔ آپ محاصرہ کرنے والی فوج میں شامل تھے۔ آپ کے وارثوں نے آپ کی غنیمت کا حصہ حاصل کیا۔ یہ پہلا موقع ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی غنائم میں سے کسی مردہ کے لیے غنیمت کا حصہ لگایا۔

ماں اور بیٹے کے درمیان جُدائی سے روکنا

جانبازوں میں غنائم کی تقسیم کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سخت حکم صادر فرمایا کہ کوئی آدمی بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ماں اور بیٹے کو فروخت کرتے وقت ان میں جدائی نہ ڈالے یا ان دونوں کو اکٹھا فروخت کرے یا ان دونوں کو اکٹھا باقی رکھے کیونکہ ماں اور بیٹے کے درمیان جُدائی ڈالنا ان دونوں کے لیے عذاب کا باعث ہے جسے اسلام قبول نہیں کرتا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالنے سے روکنے میں۔ شفقت و رحمت کی آخری حدوں تک چلے گئے ہیں۔ اسی طرح آپ نے یہ سخت حکم بھی صادر فرمایا کہ کوئی شخص دو بہنوں کے درمیان بالغ ہونے تک جدائی نہ ڈالے ترمذی نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی نہ ڈالی جائے۔ آپ سے عرض کیا گیا کب تک، فرمایا جب بچہ بالغ نہ ہو جائے اور لڑکی کو حیض نہ آجائے۔

اور ترمذی نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو چھوٹے لڑکے عطا فرمائے۔ میں نے اُن میں سے ایک فروخت کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تو نے اپنے لڑکے (غلام) کے ساتھ کیا کیا۔ میں نے

(بقیہ حاشیہ) ۔ تو جب ستر ہزار گروہوں کا ذکر کیا تو عکاشہ نے عرض کیا میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے آپ نے فرمایا تو ان میں سے ہے اس پر دوسرے آدمی نے اُٹھ کر آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا عکاشہ اس بات میں سبقت لے گیا ہے تو آئندہ کے لیے کسی بات میں سبقت حاصل کرنے پر ضرب المثل بن گئی کہ قاذبہا عکاشہ ۔

اسے بیچ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اُسے واپس لاؤ۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھائیوں کے درمیان جب وہ چھوٹے ہیں جُدائی ڈالنا ناپسند فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے قیدیوں کے متعلق جو سخت احکام صادر فرمائے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی جنگوں میں، اسلامی فوجوں کے سالار، ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان اور بہنوں کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جُدائی ڈالنے سے منع کیا کرتے تھے۔ اور حضرت عمر بن خطاب نے شام اور عراق میں اسلامی فوجوں کے سالاروں کو لکھا کہ فروخت کرتے وقت دو بھائیوں کے درمیان اور ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان جُدائی نہ ڈالنا۔ کیونکہ وہ قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور حضرت امام شافعی نے بیع کے جُدا کر دیئے جانے والے دو بھائیوں اور جُدا کر دیئے جانے والے ماں اور بیٹے کی بیع کے فاسد ہونے کا حکم دیا ہے[1]

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی قریظہ میں شادی کرنا

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک عورت سے شادی کی جس کا نام ریحانہ بنت عمرو تھا (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام شمعون ہے) آپ نے اسے آزاد کر کے پھر اس سے شادی کر لی[2] اور بنی قریظہ کے یہودیوں کی املاکات پر قبضہ کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے کے بعد رسول اللہ نے اس طیب کے قیدیوں کو قریبی شہروں میں فروخت کرنے اور ان کی قیمت سے فوج کے لئے گھوڑے اور ہتھیار خریدنے کیلئے بھیجا۔ پس آپ نے سعد بن زید انصاری[3] کو بنی قریظہ کے قیدیوں کے ساتھ جزیرہ عرب میں نجد کی طرف بھیجا اس نے گھوڑے اور دوسرے ہتھیار خریدے۔ اسی طرح آپ نے ان قیدیوں کی ایک طیب کو سعد عبادہ کے ساتھ شام کی طرف بھیجا پس انہوں نے ان کو فروخت کیا اور ان کی قیمت سے بہت سے گھوڑے خریدے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا[4]

---

[1] دیکھئے المغنی ابن قدامہ جلد ۹ صفحہ ۳۲۲ کتاب الجہاد قسم الغنائم۔ [2] سیرت حلبیہ جلد ۲۔ [3] سعد بن زید بن مالک انصاری اشہلی سابق الاسلام لوگوں میں سے ہیں۔ واقدی کے قول کے مطابق یہ عقبہ میں شامل تھے۔ آپ بدر، احد، خندق اور تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ ہی کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ کو مشہور بت مناۃ کو تباہ کرنے کے لیے بھیجا۔ پس آپ نے اُسے تباہ کر دیا۔ مجھے آپ کی تاریخ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ [4] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴۔

فصل چہارم

بنی قریظہ کے کھنڈرات پر

○ ــــ یہود کے متعلق نافذ ہونے والے فیصلے پر اعتراض کرنے والے

○ ــــ معترضین کا مناقشہ اور ان کے اعتراضات کی تردید

○ ــــ بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والا فیصلہ ہر زمانے کے بین الاقوامی قوانین کے مطابق ہے۔

○ ــــ بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے کی تحقیق

○ ــــ عمومی طور پر اسلام میں غلامی کی تحقیق اور اس موضوع پر مخالفین اسلام کی تردید۔

ہم نے بنی قریظہ کے یہودیوں کی غداری کے مفصل واقعات اور اس بھیانک غداری پر مرتب ہونے والے خطرناک نتائج کو بیان کر دیا ہے ان میں سب سے اہم بات ان یہودیوں میں سے تقریباً آٹھ سو جانبازوں کا قتل ہونا اور ان کی عورتوں اور بچوں کا قید ہونا اور ان کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں پر قبضہ کر لینا ہے

اس تفصیل کے بعد ہمارے لئے ان یہودیوں کے کھنڈرات پر کھڑا ہونا ضروری ہے تاکہ ہم تحقیق و تجزیہ سے ان اعتراضات کو دور کریں جو بعض ذہنوں میں قتل کے احکام کی سختی اور بنی قریظہ کے اموال اولاد پر نافذ ہونے والے حکم کے متعلق پیدا ہوئے ہیں سلی لوگوں کو سب سے

پہلے یہ خیال آتا ہے کہ اس حکم میں قساوت اور وحشیت پائی جاتی ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس موقع پر معترضین سے مناقشہ کریں اور ان اعتراضات کی تردید کریں جو انہوں نے ان یہودیوں کے متعلق نافذ ہونے والے سخت حکم کے بارے میں کئے ہیں۔

یہودیوں کے قتل کے فیصلے پر اعتراض کرنے والے یہ دو طرح کے فریق ہیں ان دونوں میں سے جو بھی کوئی بنی قریظہ کے یہودیوں پر نازل ہونے والی سزا کے واقعہ سے گزرتا ہے تو وہ ان پر نافذ ہونے والے فیصلے (خصوصاً قتل کی سزا) پر اعلانیہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ یہ سنگدلانہ اور وحشیانہ کاروائی ہے پڑا فریق ان غیر مسلموں کا ہے جو ہمیشہ ہی دعوت اسلام کے متعلق شکوک پھیلانے اور اس دعوت کے علمبردار حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اعتراضات ایجاد کرنے کے بہت مشتاق رہتے ہیں اور اس خفیہ فریق کے بیرے اغراض و مقاصد مشہور اور واضح ہیں یہ اسلام اور نبی اسلام کے اساسی دشمن ہیں۔

دوسرا فریق بعض اسلام کی طرف منسوب ہونے والوں اور اس میں شمار ہونے والوں کا ہے یہ لوگ اس دین کے متعلق صرف اتنا ہی جانتے ہیں جو انہوں نے اسلام دشمن اداروں اور یونیورسٹیوں سے حاصل کیا ہے، یہ سب لوگ کبھی صراحتاً اور کبھی کنایۃً بیان کرتے کہ بنی قریظہ کے متعلق اس سرعت اور سختی سے ہونے والی اجتماعی قتل کی یہ کاروائی ایک ایسی کاروائی ہے جو اس منتقمانہ اور وحشیانہ فطرت کی آئینہ دار ہے جو انسانی اصولوں اور بیسویں صدی کی متمدن روح کے منافی ہے خصوصاً اس لئے کہ یہودی مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو چکے تھے۔

ہر مسلمان کے لئے انتباہ بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والے فیصلے پر اعتراض کرنے والے حضرات پر مناقشہ کرنے سے قبل اور منطقی، قانونی اور وجدانی دلائل سے ان اعتراضات کے رد و ابطال سے قبل ہمارے لئے اور ہر مسلمان کے لئے اپنے دین ایمان کی صیانت و حفاظت کے لئے یہ اقرار تسلیم کرنا ضروری ہے کہ ہمیں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صادر و نافذ ہونے والے کسی حکم پر تعصب و مناقشہ رکھنا اعتقاد کا کوئی حق حاصل نہیں ہے کیونکہ آپ کا ہر حکم اللہ کی طرف سے صادر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ [1]

پس ہر وہ انسان جو اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے اگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صادر و نافذ ہونے والے کسی حکم پر تنقید کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اسلام میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے والا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والا ٹھہرتا ہے۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ پر اور اس کے حکم پر اعتراض کرنے والا ہوتا ہے۔ اور حکم الٰہی پر اعتراض کرنے والا بالاجماع ایسا کافر ہے جس کا خون حلال ہے۔

یہودِ بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والا حکم (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے) دراصل وہ حکم الٰہی ہے۔ جس کا اس نے ارادہ کیا اور اُسے پسند کیا۔ جیسا کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ جب قاضی سعد بن معاذ نے یہودِ بنی قریظہ کے متعلق قتل کا حکم صادر فرمایا آپ نے فرمایا۔

تم نے ان کے بارے میں اس اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اُوپر ہے باوجودیکہ ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے ہم اس پر کامل ایمان رکھتے ہیں اور مطلق طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ بنی قریظہ کے متعلق جو حکم صادر و نافذ ہوا۔ وہ بالکل عادلانہ اور منصفانہ تھا۔ پھر بھی ہم اس کے حکم پر اعتراض کرنے والوں سے مناقشہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور ہم ان کے سامنے ہر دور اور ہر زمانے کے عادلانہ اصولوں کے مطابق جن کی پابندی حاکم اور قاضی کرتے ہیں۔ اس حکم کی قانونی اور سرتی حیثیت ثابت کردیں گے۔ حتیٰ کہ بیسویں صدی کے اصولوں کے مطابق بھی اس کا عادلانہ فیصلہ ہونا بھی ثابت کردیں گے۔ نیز یہ فیصلہ انسانی اصولوں کے مطابق ہے اور اس میں زندہ ضمیر کے احساسات اور صحیح وجدانات کے خلاف کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ اب ہم مناقشہ کا آغاز کرتے ہیں۔

ﭤ

---

[1] النجم ۲۔۳

یہود کی ابدی فطرت

جب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یثرب کے علاقے میں پہنچے تو واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہودیوں بلکہ یثرب کے تمام یہودیوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک سوچی سمجھی تدبیر کی ہوئی تھی کہ آپ کا اور آپ کی دعوت کا ہر طریق سے خاتمہ کیا جائے خواہ وہ طریق کس قدر کمینگی اور ذلت کا حامل ہو اور تمام وہ آدمی جو یہودیوں کے دین کے مخالف اور ان کی جنس سے تعلق نہیں رکھتے ان سے عہد شکنی اور غداری کرنا اور ان کے خون و عزت اور اموال کو حلال سمجھنا یہودیوں کے ہاں ایک عام ثابت شدہ اصول ہے اور یہ ایک ایسی فطرت ہے جو ان کے خون اور طینت میں رچی بسی ہے جب کبھی انہیں موقع ملتا ہے تو یہ فطرت فوراً نمایاں ہو جاتی ہے اور وہ اس لغو اصول کو خواہ انہوں نے ہزار عہد و میثاق دیا ہو اختیار کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لائے اور وہاں کے رہنے والوں میں سے اوس اور خزرج نے اسلام قبول کر لیا اور مسلمان مدینہ میں غالب اکثریت ہو گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین یہودی قبائل (بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ) کے ساتھ ایک ہمہ گیر معاہدہ کیا اس معاہدہ کی اہم بات یہ تھی کہ مسلمان اور یہودی ایک قوم ہیں جو ایک وطن میں مشترک ہیں اور ان پر مدینہ کا مشترک دفاع کرنا فرض ہے مسلمان اور یہودیوں کے لئے خارج کی طرف سے ہونے والی ہر یلغار کو خواہ وہ کہیں سے بھی ہو رد کرنے کے لئے ہتھیار اٹھانا لازمی ہوگا

معاہدے کے چار سال

اس معاہدے کے چار سالہ حالات نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ تمام یہودیوں نے (تینوں قبیلوں سمیت) اس معاہدہ کو قبول نہیں کیا اور انہوں نے دھوکے دہی اور فریب کاری سے اس کی دفعات سے رضامندی ظاہر کی ہے۔ اور اس پر دستخط کئے ہیں اور اس کے پس پردہ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو مطمئن کر دیں تاکہ وہ ان پر اعتماد کریں اور ان کی طرف مائل ہوں اور جب انہیں موقع ملا تو انہوں نے ان معاہدات و مواثیق کو پاؤں تلے روند دیا اور اخلاق ضمیر و وجدان اور دین کا لحاظ کئے بغیر اپنی من پسند فیصلہ کن اور قاتلانہ ضرب لگانے کی کوشش شروع کر دی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی اس خبیث عادت سے بڑے مصائب اٹھائے

حالانکہ آپ باہمی معاہدے کے پابند رہے اور آپ کی حقیقی خواہش یہ تھی کہ اس معاہدے کی آخری حد تک حرفاً پابندی کی جائے۔ اور ان یہودیوں کو (بغیر کسی استثناء کے) کوئی موقع نہ ملتا تھا جس میں وہ مسلمانوں پر قاتلانہ ضرب لگانے پر قادر ہو سکتے۔ ہاں انہوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ گویا مسلمانوں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔

ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور جب انہیں خیال ہوا کہ وہ اسلامی وجود کو تباہ و برباد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں تو انہوں نے باہمی معاہدہ کو توڑ دیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر اور بنی قینقاع پر فتح حاصل کر کے کس طرح صرف ان کی جلاوطنی پر ہی اکتفا کیا۔ اور ہمارے نزدیک جلاوطنی کی یہ سزا اس غلطی کے مطابق تھی جس کا ارتکاب بنو نضیر اور بنو قینقاع نے کیا تھا۔

اور بنو قریظہ نے بنو نضیر کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کی۔ لیکن (خاص باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلاوطن نہ کیا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ تجدید عہد کرنے کے بعد آپؐ نے ان کو وہاں ٹھہرایا اور انہیں معاف فرما دیا۔[1]

معاہدات و مواثیق یہود کی نظر میں

لیکن جب ان یہودیوں کو موقع ملا اور انہیں خیال ہوا کہ یہ مسلمانوں اور ان کے بڑے حصے کو تباہ و برباد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں تو انہوں نے تاریخی غدار خیانت کا ذلیل ترین کام کرنے کا اقدام کیا۔ جب احزاب کی جرار فوجوں نے ان کے مسلمان حلیفوں کا ناطقہ بند کر دیا تو ان بزدلوں نے اس مشکل وقت میں فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور ان کے خون اور دلوں میں رچے بسے ذلیل خصائص نے ان کو بھڑکایا۔ پس انہوں نے پردہ اٹھایا اور راز سر لو اپنی حقیقت واضح کر دی۔ اور جو پختہ معاہدات انہوں نے مسلمانوں سے کیے تھے ان کی حالت یہ ہو گئی کہ گویا ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا ان یہودیوں نے ان معاہدات کے پرخچے اڑا دیئے۔ اور جب یہ جانباز احزاب کی کمان کی

---

[1] ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنی قریظہ، بنی نضیر کے ساتھ مل کر لڑتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے۔

طرف ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر (اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے خوفناک اور فیصلہ کن لمحات میں) مسلمانوں کو تباہ کرنے اور اسلامی وجود کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا معاہدہ کرنے گئے تو اس وقت انہوں نے معاہدات کو پاؤں تلے روند دیا۔ اور مسلمان ان کے پاس آکر ان سے معاہدہ کی پابندی کی استدعا کرتے (جیسا کہ ان کے سردار کعب بن اسد نے گواہی دی ہے) کہ انہوں نے مسلمانوں اور ان کے نبی سے معاہدہ کی پابندی کے علاوہ کوئی بات نہیں دیکھی۔ اور انہیں ان کی عظیم ذمہ داری اور ان معاہدات کے توڑنے پر مرتب ہونے والے بُرے نتائج یاد دلائے خصوصاً ان جیسے نازک جنگی حالات میں،

مگر اس کے جواب میں یہودی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کرتے۔ اور ان معاہدات کا بھی مذاق اڑاتے جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے تھے۔

• محمدؐ کون ہے؟ (یہ شخص کہتا ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ ہے۔) اور اللہ کا رسولؐ کون ہے؟ ہم محمدؐ کو نہیں جانتے اور نہ ہی ہمارے اور اسکے درمیان کوئی معاہدہ ہے۔ یہی جواب بنی قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کو اس وقت دیا جب ان کا وفد ان سے باہمی معاہدہ پر ثابت قدم رہنے اور عسکری التزامات اختیار کرنے کی استدعا کرتے ہوئے آیا۔ ان یہودیوں نے یہ ذلیل طریق اس وقت اختیار کیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ احزاب کی مدد سے اسلامی وجود کو مکمل طور پر تباہ کرنے اور مسلمانوں کے کلیتاً استیصال کر دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان حلیفوں سے اس قبیح صورت میں غداری کرنے میں تردد نہیں کیا۔

اور اللہ جانتا ہے کہ اگر یہ یہودی، مسلمانوں پر فتح پا لیتے اور جانبازوں کی مدد سے مدینہ پر قبضہ کرنے کی قدرت حاصل کر لیتے تو یہ مسلمانوں کو اس سے بھی سخت ترین انجام تک پہنچانے میں تردد نہ کرتے جس تک مسلمانوں نے انہیں پہنچایا تھا۔ اور اس امر پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان یہودیوں نے احزاب کی فوجوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ کیے بغیر مدینہ سے واپس نہ جائیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں کے ساتھ

شامل ہونے اور عہد شکنی کا اعلان کرنے میں یہ ایک بنیادی شرط تھی بلکہ مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ کرنے کا انہیں اس قدر شوق تھا کہ انہوں نے احزاب کی مشترکہ کمان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ستر جوانوں کو بطور یرغمال ان کے پاس رکھ دیں جو اس بات کے ضامن ہوں گے کہ احزاب کی فوجیں مدینہ کے علاقے سے مسلمانوں کو مکمل طور پر تباہ کیے بغیر واپس نہیں جائیں گی ۔[1]

کیا یہود کے اس فعل کے بعد جو انہوں نے بیشتر اصرار کے ساتھ کیا اور جس پر انہوں نے بڑی منصوبہ بندی اور خبیث نیت کے ساتھ اقدام کیا۔ کسی عقلمند منصف کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہودان بنی قریظہ کے متعلق جو حکم صادر اور نافذ ہوا وہ غیر انسانی اور غیر عادلانہ تھا

بنی قریظہ کا دفاع کرنے والوں کی خدمت میں

ہم بڑے اعتماد، اطمینان اور صراحت سے ان لوگوں سے کہتے ہیں جو بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والے حکم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس حکم میں (جیسا کہ انہیں وہم ہوا ہے) کسی کی سنگدلی اور وحشیانہ پن نہیں پایا جاتا یہ ایک عادلانہ سزا ہے جو مجرم غداروں پر نازل ہوئی ہے۔ اور وہ اس کے مستحق ہیں۔ یہ ایک ایسی سزا ہے جس پر ضمیر اور وجدان مطمئن ہیں اور تمام بین الاقوامی قوانین اس کو تسلیم کرتے ہیں اور آج تک اس جیسی سزائیں نافذ کرتے ہیں لیکن ہم عرفی اور قانونی نقطۂ نگاہ سے اس کی صحت کو مبرہن کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

معاہدہ کی اہم دفعات

(۱) یہودی، یثرب کے باشندے تھے، جدید اصطلاح کے مطابق قانونی نقطۂ نگاہ سے وہ اور مسلمان، اسلام سے پہلے اور بعد ایک شہر کے باشندے ہونے کے لحاظ سے ایک قومی یونٹ تھے۔

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے اور یہودیوں سے پہلے (بغیر کسی جبر و اکراہ کے) انصار کے اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اور یثرب میں حکومت کا ڈھانچہ بن جانے کے بعد وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم تھے۔ اس وطن (یثرب) کی جو ذمہ داری مسلمانوں پر تھی وہی ان پر تھی اور جو حقوق انہیں حاصل تھے وہی انہیں حاصل تھے۔

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲۔

۲:۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ کیا[1]۔ جس پر فریقین کے لیڈروں نے دستخط کیے جس پر دونوں فریقوں نے بیرونی زیادتی کے مقابلہ میں یثرب کا مشترکہ دفاع کرنے کی پابندی کو لازم جانا خواہ یہ زیادتی یہودیوں پر ہو یا مسلمانوں پر۔

اور اس معاہدہ کی چوالیسویں دفعہ میں یثرب کے مشترکہ دفاع کا بیان ہے کہ (مسلمان اور یہودی، یثرب پر اچانک حملہ کرنے والے کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے)

اور اس معاہدہ کی چھتیسویں دفعہ میں ہے کہ یہودی اور مسلمان اپنا اپنا خرچہ برداشت کریں گے۔ اور جو معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا وہ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور کسی گناہ کے ارتکاب کے بغیر ایک دوسرے سے خیر خواہی اور حسن سلوک کریں گے۔

یہودی اور مسلمان ایک قوم ہیں

۳:۔ یہودیوں نے اس معاہدہ پر دستخط کر کے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اور مسلمان ایک قوم ہیں جنہیں ایک وطن نے اکٹھا کر دیا ہے۔ اور ان پر اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے ہر وہ بات لازم ہے جو وطن کے مقابلہ میں ہر باشندے پر لازم ہوتی ہے۔

اور اس معاہدہ کی پچیسویں دفعہ میں لکھا ہے کہ

یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہوں گے۔ یہودیوں کا اپنا دین ہوگا اور مسلمانوں کا اپنا دین ہوگا۔

۴:۔ اور مستزاد یہ کہ یہودیوں کا معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد مدینہ پر قبضہ کرنے والے کسی دشمن کو کسی قسم کی سہولت دینا انہیں (تمام زمانوں کے عرف اور قانون کے نقطہ نگاہ سے) غدار بنا دیتا ہے اور وہ اسی سزا کے مستحق ہیں جس سزا کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے جو جنگی حالات میں اپنے وطن سے عظیم غداری کرتا ہے۔ ان یہودیوں نے اس معاہدہ میں دونوں فریقوں (مسلمان اور یہودیوں) کے کسی دشمن کو مدد نہ دینے کا التزام کیا ہے اور خصوصاً قریش جو مسلمانوں کے دشمن نمبر ایک ہیں۔

---

[1] اس معاہدہ کی مفصل دفعات ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب الوثائق السیاسیۃ کے صفحہ اول پر دیکھئے۔

اس معاہدہ کی تینتالیسویں دفعہ میں لکھا ہے کہ

قریش اور ان کے مددگار کو پناہ نہیں دی جائے گی ۔

۱۵۔ ان تمام باتوں کے علاوہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے اس معاہدہ میں یثرب میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت کو تسلیم کیا ہے ۔ اگرچہ انہوں نے قانونی طور پر اسلام کو تسلیم نہیں کیا تھا ۔

یہودی یثرب کے باشندے ہیں

اس معاہدہ میں انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ وہ یثرب کے باشندے ہیں۔ اس حکومت کے ماتحت ان پر وہی حکم لاگو ہوگا جو دوسروں پر ہوگا۔ سوائے ان امور کے جو ان کے پرسنل معاملات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے شادی، طلاق، وراثت اور عبادت گاہوں سے متعلقہ امور، ان کی عبادات کے طور و طریق وغیرہ ۔ نیز انہوں نے اس بات کو مکمل طور پر تسلیم کیا کہ ان کے تمام معاملات میں سوائے دینی معاملات کے) ان کا مرجع اس حکومت کے صدر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے ۔

اس معاہدے کی بیالیسویں دفعہ میں بیان ہوا ہے کہ ۔

معاہدہ کرنے والوں کے درمیان اگر کوئی واقعہ یا جھگڑا ہو جائے جس کے فساد کا خوف ہو تو اسے اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور معاہدہ کی دستاویز میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اس سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ۔

۱۶۔ بلکہ اس معاہدے پر دستخط کر کے یہودیوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان یہودیوں کے حاکم اعلیٰ ہیں۔ معاہدے کی پانچویں، چھٹی اور تیسویں دفعہ میں بیان ہوا ہے کہ :۔

"یہودیوں کی ملی دوستی اپنی جانوں کی طرح ہوگی اور ان میں سے کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گا۔"

یہ مسلمانوں اور یہودیوں کا وہ موقف عام ہے جس پر وہ یثرب کے علاقے میں قائم تھے اور یہ مسلمانوں اور یہودیوں کے معاہدۂ تحالف و تواطن کی اہم دفعات ہیں ۔ یہودی معاہدہ پر مجبور نہیں تھے ۔

یہودی، معاہدہ پر مجبور نہیں تھے

۷۔ یہودیوں نے کسی کے مجبور کرنے کے بغیر اس پوزیشن کو قبول کیا اور اس معاہدہ سے راضی ہوئے اور اس پر دستخط کیے اور برضا و رغبت اس کے مقتضا کے مطابق اس پر عمل کیا۔ پس انہوں نے اس پوزیشن کو پسند کیا اور اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ اسلامی حکومت ابھی نئی نئی تھی۔ اس کی کوئی خوفناک مشہور فوج نہ تھی۔ کیونکہ یہ معاہدہ فریقین کے درمیان بدر کے عظیم معرکہ سے پہلے ہوا تھا۔ جس کے بعد اسلامی فوج سے خوف محسوس کیا جانے لگا۔ یہودی اس معاہدہ کے وقت (عسکری لحاظ سے) ایک ممتاز مرکز میں تھے جس کے ہوتے ہوئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ انہوں نے یہ معاہدہ طاقت و قوت کے کسی خیال کے ماتحت کیا تھا۔

اگر خواہشات سے الگ ہو کر اس معاہدہ کی دفعات پر ایک تحقیقی نظر ڈالی جائے اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے، ان نازک جنگی حالات میں اپنے مسلمان حلیفوں اور ہم وطنوں کے ساتھ جو عظیم غداری کی (جبکہ ان کی عزتیں، جانیں، کھیتیاں اور نسلیں اور ہر چیز تیز آندھی کی زد میں تھیں) اسے عدل و انصاف اور تدبر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ شخص جسے اپنی عزت عزیز ہے اور وہ ہوا و ہوس کا تابع نہیں اس کے لیے یہ نہایت مشکل ہے کہ وہ اس عظیم جرم کی شناعت اور اس عظیم غداری کے گھناؤنے ہونے کا انکار کر سکے۔ جس کا ان یہودیوں نے وطن اور اپنے ہم وطنوں کے متعلق ارتکاب کیا۔ اسی طرح یہ بھی کسی عزت دار اور اپنی عقل و فکر پر مکمل کنٹرول رکھنے والے انسان کے لیے مشکل ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ ان مجرم یہودیوں کے متعلق جو حکم صادر و نافذ ہوا ہے۔ اس میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو انصاف اور انسانیت کے اصولوں اور عام بین الاقوامی قانون کے اصولوں سے منافی ہیں۔

یثرب کے علاقے میں یہودیوں کے وجود کے حکم، اور سینکڑوں سال میں عربوں کے ساتھ رہنے کے حکم، پھر آپس میں باہمی معاہدہ کے حکم کے مطابق کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہوں گے اور قائم شدہ حکومت کو تسلیم کرنے کے بعد اور اس کے ماتحت رہنے اور یہ اعلان کرنے کے بعد کہ وہ اپنے ہم وطنوں کا اٹوٹ انگ ہیں۔ ہاں ان سب باتوں کے حکم کے مطابق بنی قریظہ کے یہودی یثرب کے باشندے تھے اور اس حکومت کے ماتحت

ان پر لازم تھا کہ وہ اس علاقے کا دفاع کرتے اور ان پر وہی احکام واجبات مرتب ہوتے جو اس زمانے میں کسی باشندے پر مرتب ہوتے ہیں۔

بنی قریظہ کے یہودیوں نے تین جرائم کئے جن میں سے ایک ہی قانون سے غداری کرنا (قدیم و جدید قوانین کی رُو سے) ان پر موت کا حکم لگانے کے لیے کافی ہے۔

۱:۔ ان کا دشمن سے رابطہ کرنا اور اسے مفید فوجی راز پہنچانا جن سے مدینہ کی سلامتی کو (جو ان یہودیوں کا وطن تھا) شدید ترین خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔

۲:۔ جنگ ساز دشمن کو ہر قسم کی مادی، ادبی اور معنوی مدد دینا جو اس کے لیے ان کے وطن پر قبضہ کرنے اور اس کے باشندوں کو ختم کرنے میں سہولت پیدا کر دیتی ہے۔

۳:۔ (اور یہ سب سے خطرناک ترین جرم ہے) مدینہ کی فوج کے خلاف ان کا ہتھیار اٹھانا اور عہد شکنی کرنا اور ایسے نازک وقت میں جس سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی فوج اپنی زندگی کی تاریخ میں کبھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ پیچھے سے اپنے ہم وطنوں پر ضرب لگانے کی تیاری کرنا۔

قانونی سوال ہم بنی قریظہ کے یہودیوں پر صادر و نافذ ہونے والے حکم پر اعتراض کرنے والوں اور اُسے بُرا جاننے والوں کی خدمت میں ایک یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ، آج تمام بین الاقوامی قوانین میں اپنے وطن سے غداری کرنے والوں اور جنگی حالات میں اپنی قوم سے دھوکہ بازی کرنے والوں اور وطن پر قبضہ کرنے کے لیے اس کے باشندوں کو کچلنے کے لیے آنے والی جنگجو فوج سے رابطہ کرنے والوں اور قبضہ کرنے میں اس کے لیے سہولتیں فراہم کرنے والوں کے لیے، کیا سزا ہے؟۔

میرا خیال ہے کہ ان معترضین میں سے ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے کہ دنیا کے کسی ملک میں یہ قانون موجود ہے جو مذکورہ بالا جرائم کے مرتکب ہونے والوں سے کہتا ہو کہ جاؤ تم آزاد ہو، بلکہ میرے خیال میں ان معترضین میں سے ہر آدمی یہ کہے گا کہ اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کی کم از کم سزا موت ہے۔ کیونکہ دنیا کے تمام قوانین بلا استثناء بتاتے ہیں کہ موت کی سزا دینا اور مملوکہ چیزوں پر قبضہ کر لینا اس قسم کے

جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیئے ایک عادلانہ سزا ہے۔

بنو قریظہ بین الاقوامی نظر میں

جب ہمیں معلوم ہو گیا اور ہم نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ جنگ کی حالت میں دشمن سے رابطہ کرنے والے اور وطن پر قبضہ کرنے یا حکومت اور قوم کو نقصان پہنچانے والے باشندوں کو قتل کی سزا دینے میں ظلم اور وحشیانہ پن کی کوئی بات موجود نہیں تو ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے جو پہلے سوال سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اور بنی قریظہ پر نافذ ہونے والے حکم پر اعتراض کرنے والوں کے لیے اس کا جواب دینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام قوانین کے عرف میں اس حکم کی بات نہیں جو دشمن کو مفید معلومات فراہم کرتے اور قوم اور ملک کو خطرات سے دوچار کرنے والے شخص پر لگایا جاتا ہے۔ بلکہ اس حکم کی بات ہے جو ملک اور اہل ملک کے نازک حالات میں اس سے فائدہ اٹھانے والے شخص پر لگایا جاتا ہے جس کا وہ اٹوٹ انگ ہے۔ اور ان کے درمیان رہ کر ان سے غداری اور دھوکہ بازی کرتا ہے اور پیچھے سے ملک اور قوم پر حملہ کرتا ہے اور اپنی حکومت اور اہل ملک کے خلاف ہتھیار اٹھاتا ہے اور ان خوفناک اور جنگی حالات میں جنگجو دشمن کے ساتھ انضمام کا اعلان کرتا ہے اور اس غداری اور دھوکہ بازی کے پس پردہ اس کا مقصد اپنے وطن کو جنگجو دشمن کا مطیع بنانا اور اپنے ہموطنوں کو کچلنا اور اس نظام کو (بنوک شمشیر اور دشمن سے اتفاق کر کے) تباہ کرنا ہے۔ جسے اس نے پسند اور تسلیم کیا تھا اور جس کے زیر سایہ امن وامان سے رہ رہا تھا۔ اور اس کا کوئی حق غصب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے حق کی نگہداشت کی جاتی تھی اور اسے پورا کیا جاتا تھا۔

میرے خیال میں (حتیٰ کہ وہ بھی جو بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والے حکم کو برا جانتے ہیں) کوئی ایک شخص بھی (جو اپنی عقل کا احترام کرتا ہو) ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ جواب نہ دے کہ تمام بین الاقوامی قوانین اور ماضی و حال کے دساتیر بالاجماع کہتے ہیں کہ ایسے جرائم کرنے والوں کی سزا موت ہے۔ کیونکہ بلا اختلاف تمام قدیم و جدید اقوام کے نزدیک یہ کہنا ظالمانہ اور فقریانہ بات ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق جو حکم صادر کیا گیا تھا۔ وہ غیر عادلانہ اور انسانی

اصولوں کے خلاف تھا کیونکہ ان یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف ایسے غدارانہ جرائم کیے تھے جن میں سے تمام دنیا کے ہر زمانے کے قوانین میں فقط ایک کی سزا موت ہے۔

یہودیوں نے جنگ کی حالت میں اپنے ہموطنوں کے خلاف صرف جاسوسی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا اور نہ ہی دشمنوں کو مادی اور ادبی مدد دینے پر اکتفا کیا ہے جس سے مدینہ پر جو ان سب کا مشترکہ وطن تھا اس کا قبضہ کرنا آسان ہوجاتا تھا بلکہ یہ عمل عظیم غداری کے باب میں آتا ہے۔ جس کی سزا تمام دنیا کے قوانین میں موت ہے۔ ہاں انہوں نے اسی پر ہی بس نہیں کیا بلکہ اس اسلامی فوج کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھا لیے جو دشمن کے مقابلہ میں مشغول تھی اور ان زلزلہ انگیز گھڑیوں میں بسرعت تمام مسلمانوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لیے دشمن کی فوج کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کی نازک حالت سے فائدہ اٹھانے لگے جو دم گھٹنے کی حالت کو پہنچ چکی تھی اور تمام اخلاق و اعراف اور قوانین اور معاہدات و مواثیق کو دیوار کے گوشے میں پھینک دیا۔

اگر (اس حالت میں جب قریظہ کی خبیث نیت اور کینگ کا پردہ چاک ہوگیا) بنو قریظہ کے یہودیوں اور احزاب کو مسلمانوں پر فتح ہوجاتی تو وہ مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے اور ان کی املاک پر قبضہ کرنے اور ان کی تمام عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے کے سوا اور کسی بات پر اکتفا نہ کرتے اور انہوں نے مسلمانوں کے متعلق یہ بات طے کی ہوئی تھی اور انہوں نے اس عظیم غداری اور جنگجو دشمن کے ساتھ اس ساز باز پر اس لیے جرأت کی کہ انہوں نے ہدفِ اوّل کے طور پر اپنا نصب العین مقرر کیا تھا کہ مسلمانوں کے آخری آدمی تک کو تباہ کر دینا ہے۔ اور یہ خبیث مقصد اس وقت نمایاں ہوگیا جب انہوں نے احزاب سے (ان کے ساتھ منضم ہونے کے لیے بطور بنیادی شرط کے) یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس وقت تک نہ واپس جائیں گے اور نہ مدینہ کا محاصرہ چھوڑیں گے جب تک مسلمانوں کی بیخ کنی نہ کرلیں اور انہیں تباہ و برباد نہ کردیں۔ اور انہوں نے احزاب کے نمائندے حیی بن اخطب سے یہ عہد لیا اور اس نے احزاب کے نام سے ان سے یہ عہد کیا۔ پس دماغ کو زخمی کرنے والے ان حقائق کے بعد، اور یہودیوں کی ان کارروائیوں کے بعد جن میں سے ایک ہی (سب کا کیا حال ہوگا) کی سزا موت اور اموال پر قبضہ کرنا ہے یعنی غداری کی جس سزا کا ارتکاب یہودیوں نے کیا تھا۔ پس ان سب باتوں کے بعد کسی انصاف پسند، عقلمند

کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ان یہودیوں پر نافذ ہونے والے حکم کے متعلق کہے کہ اس میں عدل و انصاف نہ تھا یہ یہودی اسی انجام کو پہنچے ہیں جس سے یہ مسلمانوں کو دوچار کرنا چاہتے تھے۔

اور جو شخص اس زمانے میں ان جرائم میں سے صرف ایک جرم کا ارتکاب کرتا ہے اس پر قتل کی سزا نافذ کرنا کیونکر عدل و انصاف شمار کیا جاتا ہے! حالانکہ دشمن کو جنگی راز پہنچانے کا اکیلا جرم ہی اس کے مرتکب کو سزائے موت کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے۔ یہ بھی عدل و انصاف قرار نہیں دیا جانا چاہیئے۔ بلکہ بنو قریظہ کی طرح ان سب خطرناک جرائم کے مرتکب پر قتل کی سزا کا نفاذ ظلم و سنگدلی اور وحشیانہ پن قرار پانا چاہیئے تھا!"

اب یہودی محکوم ہیں اور مسلمان حاکم ہیں پھر کیا ہے!" ہم ہر روز امریکہ اور یورپ اور تمام آزاد دنیا میں لوگوں کے متعلق قتل کے احکام صادر ہوتے سنتے ہیں، اس لیئے نہیں کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی حکومت اور اہل ملک کے خلاف ہتھیار اٹھا لیئے تھے۔ بلکہ اس لیے کہ انہوں نے دشمن کو وہ معلومات فراہم کر دی تھیں جو اس کے لیے مفید تھیں جن سے وہ ان کے ملک اور اس کے باشندوں کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔

پس بنی قریظہ کے یہودیوں پر جو سخت سزا نازل ہوئی وہ ایک عادلانہ سزا تھی۔ جو ہر دور اور ہر زمانے میں ایک بین الاقوامی مستند اصول رہا ہے اور وہ عدل و انصاف کے اصول کے عین مطابق ہے۔ اور اگر خاص کر اس زمانے میں مسلمان بنی قریظہ اور احزاب کے قابو میں آجاتے جن کے ساتھ بنی قریظہ نے اتفاق کیا ہوا تھا تو مسلمانوں کو اس سزا سے کہیں سخت سزا ملتی جو یہودیوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے ملی تھی۔

یہودی، غدار تھے جنگی قیدی نہیں تھے

ایک فخریہ بات کرنے والا کہتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو ایک فاتح لیڈر، دشمن کی فوج کے جوانوں سے کرتا ہے جس نے جنگ کر کے شکست کھائی اور اطاعت اختیار کر لی ہو، جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے۔

اس سوال کا (موجودہ دور کے بین الاقوامی قانون کے نقطہ نگاہ سے) جواب یہ ہے کہ جب یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف، احزاب کی جنگجو فوجوں کے ساتھ انضمام کیا اس سے

وہ مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں نہ تھے۔ وہ صرف مسلمانوں کے حلیف دوست تھے۔ وہ اور مسلمان ہم وطن اور ایک قوم تھے۔ جو ایک اکائی یونٹ تھا اور ملک کے مشترکہ دفاع میں برابر کے شریک تھے۔ جیساکہ ان کے باہمی معاہدہ سے یہ واضح ہے۔

پس بنی قریظہ کے یہودیوں کی پوزیشن، عام بین الاقوامی قانون کے نقطہ نظر سے اس دشمن کی سی نہیں ہے جو اطاعت اختیار کرے اور قانونی جنگ میں شریک ہو جیساکہ ایک حکومت اور دوسری حکومت کے درمیان کسی وجہ سے جنگ چھڑ جاتی ہے۔ عام بین الاقوامی قانون کے نقطہ نظر سے ان یہودیوں کی پوزیشن غدار آمر کی ہے۔ جو حالت جنگ میں اپنی قوم اور ملک کے خلاف دشمن سے ساز باز رکھتا ہے اور جس کی یہ پوزیشن ہو اس پر کامیابی کی صورت میں جو حکم لگایا جاتا ہے وہ عام وخاص کو معلوم ہے اور تمام بین الاقوامی قوانین میں اسے بیان کیا گیا ہے اور وہ موت کا حکم ہے کوئی اور حکم نہیں۔ پس یہودی بین الاقوامی مفہوم میں جنگی قیدی نہیں ہیں کہ جن کے متعلق یہ کہا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو آپ نے دوسرے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ بلکہ وہ غدار اور عہد شکن ہیں جنہوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے ساتھ عظیم غداری کا ارتکاب کیا ہے۔ پس جب انہوں نے اپنے ملک اور قوم کے خلاف (جس کا یہ حصہ تھے اور جس حکومت کے ماتحت رہ رہے تھے) کے دشمن سے ساز باز کرلی تو ان کے متعلق یہ حکم صادر ونافذ کیا گیا اور جب ہم اسے بیسویں صدی میں تمام حکومتوں میں صرف عرف اور متعارف ومعمول قانون کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ اس عرف اور قانون سے تمام وہ وجوہ سے مطابقت رکھتا ہے اور شاید وہ لوگ جو بنی قریظہ کے متعلق صادر ونافذ ہونے والے حکم کو برا خیال کرتے ہیں بھول جاتے ہیں۔ یا عملاً بھلا دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک بیسویں صدی ترقی وتمدن کی صدی ہے ہم ہمیشہ سے موت کے ان احکام کو سن رہے ہیں جو قانون کے مطابق نافذ ہوتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ان لوگوں نے بنی قریظہ کی طرح اپنے ملک اور اپنی قوم کے خلاف غداری کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے فقط چند راز جو فوج کی سلامتی اور مسلح افواج سے تعلق رکھتے تھے۔ غیر محارب دشمن کو فراہم کردیئے تھے۔ اسی طرح ایک امریکی کے متعلق موت کا حکم نافذ کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس

نے روس سے رابطہ کر کے انہیں کچھ جنگی راز فراہم کر دیئے تھے جو ایٹم بم وغیرہ بنانے سے تعلق رکھتے تھے عدل کے لئے بتاؤ کہ ایک یا زیادہ آدمیوں کو موت کی سزا دینا کیسے اس عدل کے مطابق ہو سکتا ہے جو بیسویں صدی کی روح کا ہم عنان ہے صرف اس لئے کہ انہوں نے فوج کی سلامتی کے ساتھ تعلق رکھنے والے چند راز دشمن کو فراہم کر دیئے تھے اور یہ کوئی قطعی اور یقینی بات نہیں کہ ان رازوں کی فراہمی سے فوج کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے اس لئے صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ روسی کمان اس سے فوجی لحاظ سے کوئی فائدہ حاصل کرے اور اس باشندے کی موت ظلم و وحشیانہ پن قرار پائی ہے جس نے اپنے ملک کی فوج کے راز بر سر پیکار اور محاصرہ دشمن کو فراہم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فوج کے مقابلہ میں ہتھیار بھی اٹھا لئے حالانکہ وہ اپنی مصیبت کی تاریک ترین راتوں میں اُلجھی ہوئی تھی نیز اس نے جنگجو دشمن کے ساتھ اتفاق کر کے اس فوج پر حملہ کرنا شروع کر دیا اور مشترکہ وطن کے اندر ایک مسلح فوج جمع کر لی اور دشمن سے کھلم کھلا رابطہ کر لیا اور اس کے ساتھ اس غرض سے انضمام کا اعلان کر دیا کہ ایسی قوم کو تباہ کر دے اور اپنے ملک پر قبضہ کرنے سے سہولت پیدا کر دے اور اس فوج کو بھی تباہ کر دے جس کی صفوں میں شامل ہو کر اس پر اپنے مشترک وطن کا دفاع واجب تھا میرا خیال ہے کہ بنی قریظہ کو ملنے والی سزا پر اعتراض کرنے والوں اور اسے برا سمجھنے والوں کے پاس سوائے خالی فلسفہ اور کھلے مغالطہ کے اور کوئی جواب نہیں اور اس فلسفہ اور مغالطہ کی طرف وہی لوگ مائل ہو سکتے ہیں جنہوں نے ہر اسلامی چیز پر اعتراض کرنا اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔

بنی قریظہ کے یہودیوں (باشندہ ہونے کے لحاظ سے) کی پوزیشن ایک سپاہی کی تھی جن پر واجب تھا کہ وہ یثرب کو پیش آنے والی کسی بھی زیادتی کے خلاف مدینہ کے اندر ایک جانباز کی طرح ہوتے جیسا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے ہونے والے معاہدے سے ظاہر ہے

پس یہودی (جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے) معروف معنوں میں جنگی قیدی نہیں ہیں کہ ان کے متعلق یہ بات کہی جائے کہ اجتماعی صورت میں انہیں قتل کرنا سنگدلی اور قساوت ہے جو بیسویں صدی کی روح کے منافی ہے بلکہ وہ ایسے باشندے ہیں جنہوں نے اپنی قوم اور ملک کے خلاف عظیم غداری کا ارتکاب کیا اور اتنی بری غداری کی کہ ان سے پہلے اور بعد کسی نے اتنی

بڑی گمراہی اور کمینی غداری نہیں کی یہ ایک پہلو ہے

ہر حکومت کا اپنا خاص قانون ہوتا ہے ایک (ہر زمانے اور ہر دور میں بین الاقوامی سطح پر مانا ہوا یہ) متعارف بات ہے کہ ہر قوم اور ہر حکومت کا اپنا خاص قانون ہوتا ہے جس پر وہ صلح اور جنگ کی حالت میں عمل پیرا ہوتی ہے۔ اور اسلامی حکومت (جس دن بنی قریظہ پر سزا نازل ہوئی) کا بھی ایک قائم شدہ قانون تھا جس کی دفعات تمام باشندوں پر خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ منطبق ہوتی تھیں جیساکہ تمام مفکرین تواتر سے اس بات کو جانتے ہیں اور اسلامی قانون (جیساکہ دستور اعلیٰ قرآن میں ہے) جنگی قیدیوں کے انجام کو امام کے سپرد کر دیتا ہے۔ (جو حاکم اور فوج کا سالار اعلیٰ بھی ہوتا ہے) کہ وہ قوم، حکومت اور دین کی مصلحت کے مطابق ان کے بارے میں کارروائی کرے[1]

اور اس حق کی روشنی میں جو قانون اسلام نے جنگ کی حالت میں صدر حکومت اور فوج کے سالار اعلیٰ کو دیا ہے، اگر بنی قریظہ کے یہودی متعارف معنوں میں بھی جنگی قیدی ہوتے اور سالار اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قتل کا حکم دیتے تو بھی اس عرف کے لحاظ سے جو بین الاقوامی سطح پر حاوی ہے مطلقاً بُرا ماننے کی گنجائش نہیں رہتی[2] کیونکہ سالار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تصرف اس قانون کی حدود میں ہے۔ جس پر عمل کرنے کے آپ پابند تھے اور ہر حال میں اُسے اپنے

---

[1] دیکھیے ابن قدامہ کی کتاب "المغنی جلد ۸ صفحہ ۳۷۲ اور المحلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۲۹۱

[2] تمام مورخین اور رواۃ حدیث کے نزدیک متفقہ طور پر یہ بات ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر تین قیدیوں کے سوا کسی قیدی کو قتل نہیں کیا۔ اور وہ یہ تھے (۱) عقبہ بن ابی معیط (۲) نضر بن حرث العبدری یہ دونوں جنگ کے بڑے مجرم تھے (۳) ابوعزہ۔ عمرو بن عبداللہ الجمحی۔ اسے مسلمانوں نے بدر میں قید کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا۔ لیکن اس نے عہد شکنی کی اور دوسری بار غزوہ اُحد میں ہتھیار اٹھائے۔ پس یہ دوبارہ قید ہوا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔

اور اپنی قوم کے تمام افراد پر نافذ کرنے کے ذمہ دار تھے اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے اس شخص کو نکوہش و ملامت نہیں کی جا سکتی جو اپنے ملک کے قانون کو اپنے ملک میں غیر ملکی افراد پر نافذ کرے پس وہ اسے اپنے ملک کے باشندوں پر کیسے نافذ نہیں کر سکتا؟

یہودیوں کا قتل اور بین الاقوامی معاہدہ

علاوہ ازیں (بنی قریظہ کے واقعہ کے وقت) بین الاقوامی معاہدے نہیں ہوئے تھے۔ جن سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرتبط ہوں جو جنگ باز اطاعت کرنے والوں کے قتل کو ممنوع قرار دیتے ہوں جیسا کہ آج کل ہے کہ جھوٹے اعتراض کرنے والے یہ کہہ سکیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے یہودیوں کو قتل کر کے عرف اور بین الاقوامی قانون کی مخالفت کی ہے۔

بلکہ اس وقت تمام اقوام (مسلم ہوں یا غیر مسلم) کا مشہور اصول یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کا انجام حکومت کے صدر اعلیٰ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور کبھی کبھی محاذ کے سالار کے ہاتھوں میں بھی ہوتا تھا۔ کہ وہ مصلحت کے مطابق ان کے بارے میں کارروائی کرے۔ اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ بنی قریظہ کے یہودی، متعارف معنوں میں جنگی قیدی تھے۔ اور اپنی قوم اور ملک کے خلاف عظیم غداری کے مرتکب نہ تھے۔ (حالانکہ وہ یقیناً ایسے تھے) تو بھی مسلمانوں اور ان کے وجود کی سلامتی کی مصلحت نے ان یہودیوں کی تباہی کا تقاضا کیا جنہوں نے عظیم غداری کا ارتکاب کیا تھا جس کی سزا موت ہوتی ہے وہ ایک جنگی فوجی تھے۔ قریب قریب ہونے والے واقعات نے بتلا دیا تھا کہ اس فوج کا مدینہ کے اندر رہنا یا اسے جلا وطنی کی آزادی دینا یقیناً بہت بڑے خطرے کا موجب ہوگا جو ہر لحظہ اسلام کی نئی حکومت کی سلامتی کے لیے خوف کا باعث ہوگا اور یہ وہ حکومت تھی جس کے آدمیوں سے یہودیوں نے نیکی عدل اور وفاداری کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔

ان یہودیوں کے ساتھ بار بار کے عملی تجربات نے بتا دیا تھا کہ وہ مدینہ کی حکومت کو کچلنے اور اسلامی وجود کو بنیاد سے گرانے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ کسی موقع کی تلاش میں ہیں۔ اور یہ ذلیل سے ذلیل حربہ اختیار کرنے کے لیے آمادہ ہیں جیسا کہ ان کے

بھائیوں بنو نضیر نے کیا تھا جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت[1] اختیار کرنے کے بعد قتل ہونے سے بچا دیا تھا اور پھر انہیں مدینہ سے جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں پس جب بنی نضیر کو موقع ملا تو انہوں نے تنظیم کے قیام میں ذرا تردد نہ کیا یہ مدینہ کی تاریخ کی سب سے خطرناک جنگ تھی کیونکہ ان یہودیوں کے لیڈروں نے کوششیں کیں اور مسلمانوں کے خلاف طاقتور ترین عرب بت پرست جنگجو قبائل کو جمع کرنے کے لئے اپنے اموال اور اثر و رسوخ سے کام لیا اور ان سے انہوں نے یہ عظیم فوج تیار کی جس کی تعداد بارہ ہزار جانبازوں سے زیادہ تھی اور یہ اس فوج کے ہراول میں مسلمانوں کو کچلنے اور وجود اسلامی کی بنیادوں سے گرانے کے لئے آئے۔

بلکہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے خود بھی یہی کچھ کیا انہوں نے بنی نضیر کے ساتھ مل کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی پھر آپ نے انہیں (خاص طور پر) قتل جلاوطنی اور اموال کی لوٹ کھسوٹ سے بچا لیا (جیسا کہ صحیح بخاری سے ثابت ہے)

پس بنی قریظہ کے ان یہودیوں کو ______ حالانکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر احسان تھا اور آپ نے بنی نضیر کے ساتھ جنگ میں ان کی شراکت ثابت ہو جانے کے بعد انہیں خاص طور پر قتل و جلاوطنی اور مالی لوٹ کھسوٹ سے بچایا تھا جب موقع ملا تو انہوں نے اس بڑے کام پر جرأت کرنے میں پس و پیش نہیں کی یعنی مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے اور احزاب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش سے اجتناب نہیں کیا۔

پس بنی قریظہ کے تقریباً آٹھ سو جانبازوں کے قتل کی کارروائی ایسی کارروائی ہے جو قوم کی مصلحت کے تقاضہ کے مطابق ہے اور حکومت اور قوم کی سلامتی کے لئے ضروری عمل ہے اور جس علاقے میں یہود آباد ہیں اس کا قانون بھی اسے تسلیم کرتا ہے۔

ہیروشیما کے باشندے اور بنو قریظہ

جب ہم قصاص کی اس عادلانہ کارروائی کا جس کے ذریعے مسلمانوں نے بنی قریظہ کے تقریباً آٹھ سو غدار جنگی

---

[1] بنی نضیر کے محاصرہ کی تفاصیل اس کتاب کے شروع میں دیکھئے

جانبازوں کو قتل کیا، موازنہ کرتے ہیں جب ہم اس کارروائی کا جسے اسلام کے متعلق موہوم مطاعن پر بحث کرنے والے برا سمجھتے ہیں، موازنہ کرتے ہیں جب ہم اس کارروائی کا موازنہ ان لوگوں کے جرائم سے کرتے ہیں جو باچھیں پھاڑ پھاڑ کر بنی قریظہ کی تباہی کی کارروائی کو وحشیانہ قرار دیتے ہیں جو بیسویں صدی کی تہذیب و انصاف اور حقوق انسانی کے ذکر کو فخر سے بیان کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے تباہی کی جو ایک ہی کارروائی کی ہے اس کے مقابلہ میں بنی قریظہ کی تباہی کی کارروائی ایسی چیز ہے جو ذکر کرنے کے قابل ہی نہیں ہے ہم نے کتنی بار سنا اور ہمیشہ سنتے رہتے ہیں اور دنیا بھی دیکھتی اور سنتی ہے کہ مہذب اور متمدن لوگ کس طرح ان لاکھوں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں جنہوں نے ایک دن بھی ان سے جنگ نہیں کی اور قانون اور ملک و حکومت کی سلامتی کے نام پر ان کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔

پس آٹھ سو جانبازوں (جو غدار، جنگ باز، عہد شکن اور دھوکہ باز تھے) کو قصاص کے طور پر جو قتل کی سزا ہوئی اس کو باون ہزار لوگوں سے کیا نسبت ہے جو نہ جنگ باز تھے نہ غدار تھے اور نہ عہد شکن تھے انہیں اور ان کے تمدن کو عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سمیت حکومت کے ہوائی جہاز کے ذریعے ایک ایٹم بم گرا کر (پہلے سے تیار شدہ منصوبہ کے مطابق) صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا گیا اور آج تک کہا جاتا ہے کہ وہ حکومت آزادیوں کی بانی اور انسانیت کے دفاع کا قلعہ ہے اور وہ حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ہے جس کے جہاز نے دوسری عالمگیر جنگ کے آخر میں ہیروشیما کے شہر پر بم گرایا تھا (یہ جاپانی شہر جنگ سے الگ تھلگ اور پرامن تھا) اس طرح کا ایک بم ناگاساکی پر بھی گرایا گیا (یہ شہر بھی جنگ سے الگ تھلگ تھا) جس نے جنگ سے الگ تھلگ رہنے والے لاکھوں بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو تباہ و برباد کر دیا اور ان کے حلیئے بگاڑ کر رکھ دیئے۔

ہاں ان آٹھ سو یہودیوں کو جو صریحًا غداری اور گھناؤنی عہد شکنی کے جرم میں فیصلہ کے بعد قتل کئے گئے ان لاکھوں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سے کیا نسبت ہے جو جنگ سے الگ تھلگ تھے اور انہوں نے کسی گناہ کا ارتکاب بھی نہیں کیا تھا؟

اسلام کے خلاف تعصب رکھنے والے اور ہر روز اعتراض کر کے اس کی شان کو گرانے

والے محققین شرمندہ نہ ہوں ـــــ وہ اور ان کے اسلام کی طرف منسوب ہونے والے چوزے اور انسانیت کے نام پر غدار یہودیوں کے متعلق نافذ ہونے والے حکم پر نکتہ چینی کرنے والے شرمندہ نہ ہوں۔ وہ اور ان کے اسلام کا محاسبہ کرنے والے چوزے جو باچھیں پھاڑ پھاڑ کر آٹھ سو غدار یہودیوں کے متعلق صادر ہونے والے حکم پر اعتراض کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ وحشیانہ حکم تھا۔ جو مہذب بیسویں صدی کی روح کے مطابق نہیں ہے۔ شرمندہ نہ ہوں۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان لیڈروں (جو بیسویں صدی کے تہذیب کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں) نے ارادتاً ایک منصوبے کے تحت لاکھوں غیر محارب بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو نیست نابود کر دیا

بیسویں صدی کی تہذیب کی خرافات

بیسویں صدی کی یہ کون سی تہذیب ہے جس کی بلندی پر یہ متعصب لوگ ان کے چوزے فخر کرتے ہیں اور اسے عدل و رحم اور تہذیب کا پیمانہ قرار دیتے ہیں اور اس کے معیار کے مطابق بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق صادر ہوئے والے حکم کو قساوت، وحشیانہ پن اور ذلت قرار دیتے ہیں کیا یہ وہی تہذیب ہے (جیسا کہ ہم نے اور دنیا نے دیکھا) جس کے لیڈرا حامیوں اور خادموں نے خود اس بات کی اجازت دی کہ خوفناک وحشیانہ ہتھیاروں سے جنگ سے الگ رہنے والوں لاکھوں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا جائے!

کیا یہ وہ تہذیب ہے جس کے حامیوں اور خادموں نے اپنے پائلٹوں کو دوسری جنگ عالمگیر میں) اجازت دی کہ وہ ایک رات میں جنگ سے الگ رہنے والے چالیس ہزار شہریوں کو نیچوں تلے قتل کر دیں [1]

کیا یہی بیسویں صدی کی تہذیب ہے جسے اسلام کا محاسبہ کرنے والے طوطے منہ پھاڑ

---

[1] جب میں ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء میں مغربی جرمنی کو دیکھنے کے لیے گیا تو میں نے ہبرگ کا شہر بھی دیکھا۔ اور جب ہم اس شہر کے مشہور محلہ میں گھوم رہے تھے تو ہمیں ہمارے رہنما نے کہا کہ اس شہر کے چالیس ہزار آدمیوں کو ایک رات میں فضائی حملوں سے قتل کر دیا گیا تھا۔ جو حلیفوں کے طیاروں نے بغیر کسی تمیز کے ہمبرگ شہر پر کیئے تھے اور اس قسم کے وحشیانہ اعمال کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا ہے جو بیسویں صدی کی مزعومہ تہذیب کا منہ پھاڑ پھاڑ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

پھلا کر بیان کرتے ہیں۔ اور اسے انسانیت، تہذیب اور حقوق انسانی کا اعلیٰ نمونہ اور مرجع اوّل قرار دیتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ بنی قریظہ کے آٹھ سو غدار جانبازوں کو قتل کرنا اس تہذیب کی روح کے منافی ہے[1]۔

کیا یہی بیسویں صدی کی تہذیب ہے جو ایک سفید آدمی کے دو ڈالر چرانے پر ایک زنگی آدمی کے خون کو قانونی طور پر مباح قرار دیتی ہے اور اس پر قتل کا حکم لگا کر اس حکم کو نافذ بھی کرتی ہے اور ایک دوسرے زنگی کو عدالت نے فقط اس امر پر موت کی سزا دی کہ اس نے ایک سفید عورت کو گناہ کی ترغیب دی تھی اور کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا؟

کیا یہی وہ عالی شان تہذیب ہے جسے اسلام سے کینہ رکھنے والے اور اس کی طرف منسوب ہونے والے بیوقوف، انسانیت اور رحم و عدل کا اعلیٰ پیمانہ قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے ترازو میں تاریخ کے سب سے عظیم، سب سے عادل اور سب سے رحیم انسان محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو تولتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق جو حکم نافذ کیا تھا وہ قساوت اور سنگدلی کا حامل تھا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کی تہذیبی روح کے منافات رکھتا ہے[2]۔

بنی قریظہ کے یہودیوں کے اجتماعی طور پر قتل کرنے کے متعلق جو حکم نافذ ہوا ہم نے اس کے متعلق شرعی نصوص سے احتجاج نہیں کیا اور معترضین کے ساتھ عصری قوانین کے مفہوم کی حدود میں

---

[1] تقریباً پانچ سال کی بات ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی عدالت نے ایک زنگی (جیمس ولسن) کے قتل کا فیصلہ دیا اور عدالت کے اعلان کے مطابق اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک سفید عورت کے دو ڈالر چرائے تھے (ہماری کتاب صراع مع الباطل کے صفحہ ۱۱۱ کو ملاحظہ کیجیے)

[2] وہ لوگ کہاں ہیں جو بنی قریظہ کے آٹھ سو جانبازوں کے متعلق نافذ ہونے والے حکم کو اس دلیل کی بناء پر اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں کہ وہ انتقام اور وحشیانہ پن کا آئینہ دار ہے، ان مہذب لوگوں کو رچرڈ (شیر دل) جو فلسطین میں صلیبی حملوں کا سالار تھا کا یہ فعل یاد نہیں رہا کہ اس نے فلسطین میں تین ہزار مسلمان قیدیوں کو امان دینے کے بعد قتل کر دیا تھا۔ حالانکہ اس نے ان کے خون کی حفاظت کا قطعی عہد کیا تھا۔ جیسا کہ جوستاف لوبن نے اپنی کتاب (حضارۃ العرب) میں ثابت کیا ہے۔

مناقشہ کیا ہے جنہیں وہ مقدس قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام پر ایمان نہیں رکھتے جو یہودیوں پر نافذ ہونے والے احکام کا مصدر و منبع ہے۔ پس اس حکم کے مقابل، آیات و احادیث سے نصوص شرعیہ کو پیش کر کے انہیں منوانے کی کوشش کرنا ایک بے فائدہ بات ہے۔

ان نصوص و قواعد سے ان کی حدود کے اندر اس شخص سے مناقشہ کیا جاتا ہے جو ان کے منبع پر ایمان لانا اور اپنے آپ کو ان کے ماننے اور ان سے فیصلہ لینے کا پابند سمجھتا ہے۔

اور یہ دشمنانِ اسلام اور ان کے چونسے اُن لوگوں میں سے ہیں جو ان کے وضعی قوانین و اصول کے پابند ہیں اور یہودیوں کے متعلق صادر ہونے والے حکم پر اعتراض کرنے سے ان کا مقصد اسلام کی روشن شریعت کے اصولوں پر عیب گیری کرنا ہے۔ اس لیے ان کے خیالات و اعتراضات کا ابطال ان کے قانون اور منطق کی حدود میں لازم آتا ہے۔

بنی قریظہ کی شریعت میں ان کا حکم

اس جگہ پر ایک اہم بات کا ذکر کرنا بھی مناسبت کے لحاظ سے ضروری ہے اور وہ یہ کہ حضرت سعد بن معاذؓ نے بنی قریظہ کے متعلق جو حکم صادر کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تسلیم کیا۔ اور اس کی تنفیذ کے لیے تیار ہو گئے وہ تمام و کمال خود یہودیوں کی شریعت تورات کے مطابق ہے۔

ان کی مقدس کتاب کے صحیفہ استثناء باب ۲۰ میں ہے کہ ان پر لازم ہے کہ جب وہ دشمن پر فتح پالیں تو اس کے تمام مردوں کو قتل کر دیں اور ان کی عورتوں، بچوں اور تمام جائیداد پر قبضہ کر لیں۔

اور استثناء کے بیسویں باب میں یہ بھی لکھا ہے کہ

اگر تجھ سے کوئی بستی صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کرنے اور جب میرا رب اُسے تیرے قبضہ میں دیدے تو تو اس کے تمام مردوں کو تہ تیغ کر دے اور اس شہر کی تمام عورتیں بچے، چوپائے اور ہر چیز جو شہر میں موجود ہے غنیمت ہے تو انہیں اپنے لیے غنیمت بنائے اور اپنے دشمنوں کی اس غنیمت کو کھا جسے تیرا رب تجھے دیتا ہے[1]

---

[1] استثناء باب ۲۰، آیت ۱۳ تا ۱۴

حاصل ہو جاتا تو یہ کتاب مقدس کے صریح حکم کے مطابق جو استثناء میں بیان ہوا ہے ان کے جانبازوں کے قتل کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور ان کی تمام جائیداد پر قبضہ کرنے میں ایک لحظہ بھی تردد نہ کرتے، اس لحاظ سے مسلمانوں نے یہودیوں کو وہی سزا دی ہے جو یہودی مسلمانوں کو، اگر وہ ان کے ہاتھ آ جاتے دینے کی نیت کیے ہوئے تھے۔

پس یہودیوں پر جو حکم لگایا گیا وہ تمام و کمال ان کی شریعت کے مطابق ہے۔ اور پوری جزا ہے۔ اس لیے (دینی، وجدانی اور قانونی نقطہ نظر سے) بنی قریظہ کے یہودیوں کے متعلق صادر نافذ ہونے والے حکم کے متعلق تنقید کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اس کے علاوہ ہم نے جو دلائل دیئے ہیں وہ جدل کو قبول نہیں کرتے، ہم اس حکم پر اعتراض کرنے والوں اور اسے برا جاننے والوں سے کہتے ہیں کہ تم اس حکم کو سخت اور تباہ کن کہتے ہو۔ پس اگر تم میں سے کوئی آدمی کسی زمانے میں فوجی نقطہ نگاہ سے اپنی قوم کی سلامتی کا ذمہ دار ہو۔ اور اسے اس کی فوج اور قوم کو وہی خطرہ پیش آ جائے جو ان حالات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی قریظہ کے یہودیوں کی غداری اور مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پیش آیا تھا اس غداری اور حملے نے مدنی فوج کو (جس کا معاہدہ کے مطابق یہودی بھی ایک حصہ تھے) اپنی عسکری تاریخ کی خطرناک دلدل میں پھنسا دیا تھا۔ یہ فوج بنی قریظہ کی غداری کے باعث اس حد تک خطرہ کے قریب پہنچ گئی کہ اگر عنایت الٰہی معجزانہ طور پر مسلمانوں کو نہ بچاتی تو مسلمان تباہی کے دہانے پر کھڑے تھے۔

ہاں ہم ان معترضین سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی شخص سالار جنگ ہو اور اسے اور اس کی فوج قوم اور ملک کو وہی صورت حال پیش آ جائے جو بنی قریظہ کے یہودیوں سے سالار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئی تھی تو اس کے لئے یہی چارہ کار ہوگا کہ وہ کم از کم انہیں وہی سزا دے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غدار اور عہد شکن یہودیوں کو دی تھی۔

شاندار دفاع بنی قریظہ کے متعلق حکم صادر کرنے والے قاضی سعد بن معاذ کے دفاع میں مجھے ایک تحقیق نے حیران کر دیا جسے ایک فاضل مسلمان رائٹر محمد البیومی نے لکھا ہے جس میں اس نے مستشرقین کے خیالات کو جھٹلا دیا ہے اور اسلام کی طرف منسوب ہونے والے ان قانون دانوں کو ملامت کی ہے مستشرقین کے

سے متاثر ہوئے ہیں۔ مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ "الحج" نے اپنی اٹھارویں جلد کے بارہویں شمارے میں اس رائٹر کا ایک مضمون شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے "سعد بن معاذ کا انصاف" اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر، ہم قارئین کی خدمت میں چند اہم پوائنٹ پیش کرتے ہیں جو ہماری اس تحقیق سے تعلق رکھتے ہیں۔

استاد البیومی کہتا ہے کہ ..... یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ غالی مستشرقین اور اس کے سردار سعد بن معاذ، بنی قریظہ کے استیصال کے متعلق عادلانہ حکم صادر کرنے کی وجہ سے نکتہ چینی کریں۔ جب کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت اور مسلمانوں کے متعلق سازش کی تھی۔ اور انہوں نے معاہدات کو توڑ کر اور اپنے اندرونی کینوں کا اظہار کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے قریش سے حلیفانہ تعلقات قائم کر رہے تھے۔

اور اس روز اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور کافروں کو ان کے غیظ سمیت واپس کر دیا اور انہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوئی اور قصاص کا وقت آ گیا۔ پس انہوں نے سعد بن معاذ کو حاکم مان لیا۔ اور انہوں نے ان کو ان کی نافرمانی اور غداری کی بڑی عادلانہ سزا دی۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ غالی مستشرقین کسی ظالمانہ غرض اور بیمار خواہش کے پیش نظر اس بات کے پیچھے پڑ جائیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہمارے بعض عقلمند مسلمانوں میں سے بڑے بڑے قانون دان ان کی باتوں کو سن کر سعد بن معاذ کے حکم میں بڑی بڑی غلطیاں دیکھتے ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ وہ یہ بات کیسے کہتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے موجودہ قوانین کو اچھی طرح پڑھا ہے اور وہ انہیں بنی قریظہ کے قضیہ پر منطبق کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ بیسویں صدی کے قوانین سعد بن معاذ کے حکم سے کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

پھر استاد البیومی کہتا ہے ..... لیکن غرض مند مستشرقین کے اقوال نے ہمارے آدمیوں کی عقلوں کو دھوکہ دیا ہے۔ پس جو کچھ انہیں یاد ہے اسے وہ بھول گئے ہیں۔ اور جو کچھ جانتے ہیں اس سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔

پھر استاذ البیومی ان اعتراضات پر حملہ کرتا ہے۔ اور عصری وضعی قوانین کے ساتھ سعد بن معاذ کے حکم کا موازنہ کر کے ان کا بطلان ثابت کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اس جگہ مجبوراً ان لوگوں سے مخاطب ہو رہے ہیں جنہیں قانون دانی نے یہاں تک پہنچا دیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو قریظہ کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا جو فریقین کے حقوق کی حفاظت کرتا تھا اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ہر فریق دوسرے فریق کی اس وقت مدد کرے جب اسے جنگ کے خطرے کا سامنا ہو لیکن یہودیوں نے سازش کی اور آپ کے دشمنوں سے مل گئے اور آپ کو مدینہ میں چکی کے دو پاٹوں میں ڈال دیا آپ ایک جانب سے اپنے مشرک دشمنوں کی اور دوسری جانب سے مشکل وقت میں اپنے حلیف یہودیوں کی زیادتی کی آگ میں جل رہے تھے۔

پس انہوں نے اس قبیح عہد شکنی سے تین جرائم کا ارتکاب کیا

اوّل ۔ غیر ملکی حملہ آوروں سے مل کر مدینہ کی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔

دوم ۔ مسلمانوں کے خلاف دشمن کے پاس جاسوسی کی۔

سوم ۔ ملک میں دشمن کو داخل ہونے کے لئے سہولتیں فراہم کیں۔

پھر استاذ البیومی ان تین جرائم کے ارتکاب پر یہودیوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مصری قانونِ سزا ــــ جو سعد پر نکتہ چینی کرنے والے قانون دان حضرات کے لئے قریب ترین قانون ہے وہ بھی ان تینوں جرائم میں سے (جن کا ارتکاب ان یہودیوں نے کیا تھا) ہر ایک جرم پر موت کی سزا دیتا ہے[1] اور اس کی صراحت ۷۷، ۷۸، ۷۹ میں پائی جاتی ہے اور بالترتیب اس کی عبارت یہ ہے (شق ۷۷) ہر اس مصری کو جو مصر کے خلاف ہتھیار اٹھائے گا یا مصر سے جنگ کرنے والی حکومت کی مسلح افواج سے مل جائیگا قتل کی سزا دی جائے گی۔

شق ۷۸ ہر وہ شخص جو غیر ملکی حکومت کے پاس یا اس کے کسی مامور آدمی کے پاس یا ان

---

[1] اب تک مصر میں جو قانون رائج ہے وہ غیر ملکی، فرانسیسی، سوئٹزرلینڈ کی، اطالوی اور انگریزی قوانین کا ملغوبہ ہے اور یہ قانون کسی بھی جہت سے اسلامی قانون پر اعتماد نہیں کرتا مشہور مصری استاذ محمد الغزالی کی کتاب "حقیقۃ القومیۃ العربیہ" کا مطالعہ کیجئے

کی مصلحت کے لئے کام کرنے والے شخص کے پاس جاسوسی کرے گا یا اس حکومت یا اس آدمی کو معرکے خلاف اس کی دشمنی کے ارادے خبریں دے گا یا اسے مصر پر قبضہ کرنے میں مدد دے گا اسے موت کی سزا دی جائے گی خواہ اس کی غرض پوری ہو یا نہ ہو۔

رشتق ۔ ہر اس شخص کو موت کی سزا دی جائے گی جو ملک میں داخل ہونے کے لئے دشمن کو سہولت فراہم کرے گا یا ملک کے دفاع میں استعمال ہونے والی چیزیں کشتیاں اور ہوائی جہاز اس کے سپرد کرے گا یا اسے خبریں دے گا یا فوجیوں کو اس کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دے گا یا فتنے کو ہوا دے گا اور افواہیں پھیلائے گا وغیرہ وغیرہ[1] پھر وہ بنی قریظہ کے یہودیوں پر نازل ہونے والی سزا کو بیسویں صدی کی تہذیب کے نقطۂ نظر سے عادلانہ ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

بیسویں صدی کا قانون واضح کرتا ہے کہ بنی قریظہ نے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا اس میں سے ہر ایک کی سزا قتل ہے

ہم حضرت سعد کی سیرت کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے وقت ان کی غداری کو بالتفصیل پیش کریں گے تاکہ انصاف پسند قارئین کو معلوم ہو جائے کہ دشمنان اسلام نے اس حکم کو سنگدلی عہد شکنی اور وحشیت قرار دے کر ان پر کس قدر ظلم کیا ہے اور ہمارے قانون دان حضرات نے یہ خیال کر کے کہ آپ کا فیصلہ بیسویں صدی کے احکام سے موافقت نہیں رکھتا کس قدر انصاف کے راستے سے پہلو تہی کی ہے نیز وہ اس قضیہ کی اطراف کا احاطہ نہیں کر سکے تاکہ انہیں اپنی زیادتی نظر آجاتی۔

حضرت سعد صحیح معنوں میں ایک بہادر اور سچے مسلمان تھے ان غداروں نے اپنی گنہگار غداری سے انہیں غصہ دلا دیا اور انہوں نے کسی عہد کا پاس نہ کیا اور سعد نے اپنی قوم اوس کے ساتھ آغاز کار میں ان سے استدعا کی کہ وہ اپنی رسوا کن غداری سے رجوع کر لیں پس انہوں نے کسی معاہدے میں اللہ تعالیٰ کا خیال نہ کیا یہاں تک کہ حیرت زدہ ہو گئے اور وہ اپنے ٹیلوں میں سر چھپا کر دیکھنے لگے کہ واقعات سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

---

[1] تمام دنیا کے قوانین کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب غلط باشندوں کو ان سزاؤں کے دینے پر متفق ہیں۔

اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ مسلمانوں نے ان غداروں کو سخت سزا دینے میں جلدی کی انہوں نے فوراً جا کر ان کے گھروں میں پندرہ راتوں تک ان کا محاصرہ کر لیا جس نے ان کی پسلیوں میں غلق وحرت کی آگ بھڑکا دی اور وہ بنو قینقاع کی طرح جلا وطنی کے لئے شرائط پیش کرنے لگے اور امید کرنے لگے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان شرائط کو پذیرائی بخشیں گے اور ان کی نظریں اپنے اوسی حلیفوں کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی سفارش کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی نفسیات سے واقف تھے اور آپ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتے تھے آپ نے سعد بن معاذ کو جو بنی قریظہ کے حلیف تھے منتخب کیا تاکہ آپ قاطع حاکم بن کر فیصلہ کریں اور دونوں فریق آپ کی رائے کو قبول کر لیں۔

اور سعد نے بھی اس موقف کا اندازہ اس شخص کی طرح کیا جس نے اس کی مشکلات اور مصائب کو دیکھا ہو اور اس چھپے ہوئے خوف کو بھی محسوس کیا جو افق پر نظر آ رہا تھا اگر عنایت الٰہی ہوا نہ چلاتی تو قریب تھا کہ وہ خوف مومن گروہ کو کچل دیتا۔

اور سعد کے ساتھیوں نے بھی ارادہ کیا کہ اس کے سامنے اپنے حلیفوں سے احسان کرنے کو خوبصورت کر کے دکھائیں اور اسے بچانے اور چھوڑنے کی طرف مائل کر دیں اس وقت اس نے کیا کیا؟

سعد نے فیصلہ دیا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور اموال کو تقسیم کر دیا جائے اور بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلے کو نافذ کرنے کا حکم دے دیا۔

اور یہودی بدترین غداری کے بدترین انجام سے دوچار ہوئے جو انہوں نے صلح پسند معاہدہ سے کی تھی جب کہ حلیف اس سے امن میں تھے پس اس کے مضبوط امن سے

لہ بلکہ ہر امن پسند باشندہ الذ یہودیوں سے جو ان دنوں اس ملک اور اس قوم کا حصہ تھے جس سے انہوں نے غداری کی تھی مدد کا منتظر تھا کیونکہ یہ یہودی فریقین کے باہمی معاہدہ کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم تھے جیسا کہ ہم پہلے اس کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔

خوف نے انہیں آلیا۔

اسلام پر افترا پھر استاذ البیومی کہتا ہے کہ اس سزا کی سختی، عدل و انصاف کے بغیر اسلام پر افترا کرنے کے باعث بنی، مسلمانوں نے بنی قریظہ کا خاتمہ کر کے اللہ پر ظلم نہیں کیا کیونکہ ان پر عظیم غداری کا اتہام تھا اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس غداری کا ارتکاب کیا تھا جس کے دلائل واضح اور نتائج بڑے گرا نبار ہیں اور اس خطرناک غداری کی سزا تمام قوانین ہی جلد قتل کر دینا ہے۔

یہودیوں کے تینوں قبائل کا موازنہ پھر یہ لکھاری کہتا ہے کہ بنی قریظہ کسی رحم کے مستحق نہ تھے اور نہ ہی یہ یہودی جنگی قیدی تھے کہ ان پر رحم کیا جاتا بلکہ وہ بدترین دشمن تھے کیونکہ وہ ان لوگوں کے متعلق منصوبے بناتے تھے جو انہیں امن دیتے تھے اور انہیں ہم وطن ہمسائے کے حقوق اور عہد کی ذمہ داری کا احساس دلاتے تھے، اس جگہ ان کا موقف بنی قینقاع اور بنی نضیر کے موقف سے واضح اختلاف رکھتا ہے۔

پس پہلوں نے اپنے منہ سے بغض کا اظہار کیا اور شکوک وشبہات کو پھیلایا اور ان کے خیال میں تنگدلانہ پروپیگنڈہ وہ ہتھیار ہے جو کند نہیں ہوتا۔

اور دوسروں (بنو نضیر) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور بعض منافقین کے ساتھ جنگ کی شرط پر بغیر اس کے کہ انہیں آپ کی تنفیذ کا موقع ملتا، حلیفانہ تعلقات پیدا کیے تھے۔ یہ اور وہ ان لوگوں سے کم معیت تھے۔ جنہوں نے تلواریں سونت لیں اور دشمن کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ اور ان دونوں میں گھبراہٹ ڈال دی جنہیں ہر طرف سے خوف گھیرے ہوئے تھا۔ پس دونوں پلڑوں کو جن کے درمیان جھکاؤ برابر قرار دینا ایسی بات ہے جسے انصاف قبول نہیں کرتا۔ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن ہو گئے۔ اور وہ فتنہ و اضطراب کو ہوا دینے والے اور مسلمانوں کے لیے تنگی پیدا کرنے والے تھے۔ ان لوگوں نے ہی احزاب کو مرتب کیا اور اختلاف کے زور کے لیے قبائل کو مشرکین کے ساتھ اکٹھا کیا۔ پس انہوں نے خوفناک سازش سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ کن درس دیا۔ گمان کے خاتمہ کو حتمی بنا دیتا ہے اور ان کے اژدھوں نے ہر کمین گاہ سے پیچھا کیا تاکہ اس شعلہ کو بجھا دیا جائے جو اس کے چلنے کے ساتھ پھیل

جاتا ہے اور استاد محمد رجب البیومی بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والے حکم کو اپنے اس دفاع پر ختم کرتا ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق ابتدائی تحقیق مکمل ہوئی اور اس کے قطعی نتائج خیبر میں نمایاں ہوئے جہاں یہودیوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے خوفناک لرزے آئے۔

ڈاکٹر محمد علی کا دفاع

جن لوگوں نے وحشیانہ پن اور قساوت کے شبہ سے تعرض کیا ہے جیسے دشمنان اسلام اور ان کے چوزے بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والے حکم سے نتھی کرتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد علی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب (حیاۃ محمد و رسالتہ) میں اس موضوع پر منطقی تجزیہ سے سیر حاصل بحث کی ہے اور اختصار کے ساتھ ان تمام اعتراضات کو رد کر دیا ہے جو اس قطعی حکم کے متعلق کیے جاتے ہیں

وہ اپنی کتاب میں (بنی قریظہ کے قتل کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے) لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس بات کو فراموش نہ کریں کہ اسلام اس وقت اپنی زندگی کے نہایت نازک مرحلے سے گذر رہا تھا اور یہ معرکہ احد کے زمانے کی بات ہے جب ہر جانب سے دشمن متحد ہو گئے۔ اور انہوں نے اسلام پر فیصلہ کن ضرب لگانے کے لیے ہتھیار اٹھائے تھے۔ جو حملہ خارج سے کیا جائے بلا شبہ وہ خطرناک ثابت ہوتا ہے لیکن وہ متوقع داخلی انتشار جس کا اندیشہ ہر گھڑی ہو وہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ مشہور مثل ہے کہ۔

"پہلے سے کیا ہوا احتیاط، پہلے سے کی ہوئی ہتھیار بندی کے برابر ہوتا ہے"

اور یہ بات خارجی حملے کی حالت میں ممکن ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے مسلمانوں کو وقت مل جاتا ہے جس کے دوران وہ پوزیشن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری کر لیتے ہیں۔ لیکن خود مدینہ میں غیر متوقع انتشار کا پیدا ہونا۔ خود اسلام کے دل پر قاتلانہ حملے کے مترادف ہے۔

بنی نضیر (دشمنان اسلام کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور جنگ احزاب میں بنی نضیر نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے قریش کے کھر لوں کو ترغیب دی۔ اور صحرا میں بدوؤں کے خیموں میں انہیں اسلام کے خلاف بھڑکانے کے لیے چکر لگائے

پھر مولانا محمد علی بنو قریظہ کی عظیم غداری کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ؛ اور بنو قریظہ نے بھی یہی تاثر لیا۔ اور احزاب کی ترتیب تک۔ ان کا بھی اسلام کے

خلاف، دوستانہ موقف ہی تھا یہ بھی اس پروپیگنڈانہ حملہ سے متاثر ہوئے۔

شروع شروع میں بنو قریظہ نے اسلام کے خلاف شرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن انہیں یقین دلایا گیا کہ مسلمان اس وقت بڑی طرح مایوس کن پوزیشن میں ہیں جس کی موجودگی میں وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ اور کسی بھی حال میں اس کثیر تعداد کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گے۔ جو ہر جانب سے اسلام کا خاتمہ کرنے کے لئے[1] مکھیوں کی طرح اُمڈ آیا ہے۔

اور بنی قریظہ سے یہ بھی کہا گیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ کہ انہیں مسلمانوں کے ساتھ ملنا ہے یا احزاب کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ اس طرح بنی قریظہ دیگر اسلام دشمنان قبائل کے ساتھ انضمام کرنے پر رضامند ہو گئے۔ اور انہوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ اور احزاب کے حلیف بن گئے۔ اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا گیا کہ وہ انہیں اگلے معرکہ، معرکہ احزاب میں مدد دیں گے۔ حق بات یہ ہے کہ اگرچہ نیا معاہدہ خفیہ طور پر طے ہوا اور اس کا کوئی حرف موجود نہیں۔ لیکن بنو قریظہ نے عملی طور پر جنگ میں شرکت کی اور اسی کی طرف قرآن کریم اشارہ کرتا ہے کہ، وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون وتأسرون فریقاً[3]

---

[1] صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ جب بنی نضیر نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تو بنی قریظہ کے یہودیوں نے اپنے بھائیوں بنی نضیر کے ساتھ مل کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی لیکن آپؐ نے دخاص حالات کی وجہ سے بنی قریظہ کو رہنے کی اجازت دیدی اور بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا۔

[2] یہ بات بنی قریظہ کے جرم کو انتہائی گھناؤنا بنا دیتی ہے۔ اس لئے کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنے ہم وطنوں اور حلیفوں کی عظیم مصیبت میں کچھ تخفیف کرتے انہوں نے دشمن کے ساتھ مل کر ان پر حملہ کرنے میں جلدی کی اور یہ غداری اور عہد شکنی کا بدترین ریکارڈ ہے اس کے باوجود بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والا حکم وحشیانہ فطرت کا آئینہ دار ہے اور بیسویں صدی کی تہذیب کی روح کے منافی ہے۔

[3] احزاب ـ ۲۶

اور تاریخ بھی معرکہ میں ان کی شرکت کی شہادت دیتی ہے بلکہ انہوں انہوں نے مسلمانوں کی عورتوں پر حملہ کرنے کے لیے منصوبہ بنایا۔ بنو قریظہ کی غداری ہیں ... خندق ہیں دوسری جانب چوبیس[1] ہزار جانباز مقابلہ پر آگئے جو اسلام کو کچلنے کیلئے آتش زیرپا تھے۔ اور منافقین بھی اندر سے مسلمانوں کو تکلیف پہم پہنچانے میں منہمک ہو گئے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی تکالیف میں از حد اضافہ ہو گیا۔

اور معرکہ احزاب کے خاتمہ کے بعد مناسب سمجھا گیا کہ بنی قریظہ کو ایسی سزا دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔ اور وہ سزا مستقبل میں دوبارہ ایسی غداری کرنے کی راہ میں حائل ہو جائے۔

پھر مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے تھوڑے سے مقابلہ کے بعد اطاعت اختیار کر لی اور بنو قریظہ نے خود ہی سعد بن معاذ کو (پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ ان کے حلیف تھے) چنانکہ وہ ان کے لیے وہ سزا مقرر کرے جس کے وہ مستحق ہیں۔ اور اگر وہ اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرتے تو ظن غالب یہی ہے کہ آپ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے جو آپ نے ان کے عزادوں بنی قینقاع اور بنی نضیر سے کیا تھا۔ اور آپ کی شایان شان بھی یہی تھا کہ بدترین حالات میں انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیتے[2] لیکن سعد جن کو انہوں نے حکم چنا تھا۔ ان کی خطرناک غداری کو جو نہایت نازک وقت میں کی گئی تھی بڑی نفرت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو جو عظیم تکلیف دی ہے وہ ایسی سزا کا تقاضا کرتی ہے جو ایک نمونہ ہو۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مستقبل کے معاہدات کا احترام کمزور پڑ جائے گا۔ اور دونوں فریقوں میں سے جو چاہے گا معاہدے کی دستاویز کو ایک بے قیمت کاغذ کا ٹکڑا قرار دے دے گا۔

آخر فیصلہ یہ ٹھہرا کہ ان کی سزا کسی حال میں بھی اس سزا سے کم نہیں ہونی چاہیئے جو ان کی مقدس کتاب (عہد قدیم) شکست خوردہ دشمن کو دیتی ہے اور اس بارے میں عہد قدیم کا بھی یہی فیصلہ ہے

---

[1] ہم نے تاریخی مصادر میں احزاب میں کی فوجوں کی تعداد اتنی نہیں دیکھی۔

[2] یہ مؤلف کا ظن ہے جس کی نادرستگی کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قول نے ثابت کر دیا جو آپ نے صدور حکم کے بعد سعد سے کہا تو نے ان کے بارے میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے جو سات آسمانوں کے اوپر سے ہے

اس کے بعد مولانا محمد علی اس نص کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کی کتاب کے بیسویں باب میں ہے اور کہتے ہیں کہ ... اسی طرح سعد کا حکم بھی جو بنو قریظہ کے مردوں کے قتل کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کے قیدی بنانے اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرنے کے متعلق ہے شریعت موسوی کے مطابق ہے۔

بھلا یہ سزا کیسے سخت ہو سکتی ہے۔ جبکہ خود یہودی اپنی مقدس کتاب کے مطابق مغلوب دشمنوں کو یہ سزا دیتے ہیں۔ بنو قریظہ نے جن حالات میں یہ قبیح غداری کی وہ اس لائق ہے کہ اس کی سزا کم نہ دی جائے۔ حتیٰ کہ اس تہذیب کے زمانے میں بھی قاضی انہوں نے خود چُنا تھا اور حکم بھی ان کی مقدس شریعت کے مطابق ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ انہیں خطرناک حد تک کی غداری کی سزا دی گئی ہے۔

اس جگہ فاضل مؤلف بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والے حکم پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کیا یہ بھی کوئی منطقیانہ بات ہے کہ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کی جائے اس سزا کی سختی پر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہی اعتراض شریعت موسوی پر بھی کیا جا سکتا ہے بحقیقت میں اس شریعت پر یہ لاشعوری انتقاد ہے اور یہ تسلیم کرنا ہے کہ اکثر انسانوں کا قانون ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اور اس بارے میں اسلامی شریعت سے کیا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ چاہیئے کہ نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر کی نقاب کشائی کی جائے کہ اسلام نے جس قانون کو پیش کیا ہے وہ کس قدر نرم اور رحیم ہے[1]

شیخ غزالی کی گفتگو

استاذ محمد الغزالی اپنی کتاب (فقہ السیرۃ) میں بنی قریظہ کے قتل پر حاشیہ لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ... بلاشبہ یہ قتل ہے اور یہ اس شخص کے حق میں بطور تاوان کے ہوتا ہے جس کو اس نے اپنے برے سلوک سے تکلیف پہنچائی ہوتی ہے۔ اور ان خبیث ارادوں کی وجہ سے ہوتا ہے جن کی قسمت یاوری نہیں کرتی اگر قسمت یاوری کرتی تو وہ ارادے پورے ہو جاتے اور اگر وہ پورے ہو جاتے تو ہزاروں مسلمان

---

[1] حیاۃ محمد رسالۃ ص۱۸۵

تمام اطراف سے ربط و تعلق رکھنے والے احزاب کے پاؤں تلے ہلاک ہو جاتے اور یہ یہودی ان کو انگیخت کر رہے تھے۔ اور انہیں مدد بھی دے رہے تھے اور لبا اوقات لیڈری کے طالبوں کی جنگیں بھی، بنی قریظہ پر نازل ہونے والی مصیبت کا باعث بنی ہیں۔ اگر حیی بن اخطب اور اس کے ہمجولی اسلام کی پناہ میں رہتے اور جو آسائشیں انہیں دی گئی تھیں ان میں زندگی بسر کرتے تو انہیں اور ان کی قوم کو اس خطرناک قصاص سے واسطہ نہ پڑتا۔

پھر استاد غزالی اس ظاہری سبب کے متعلق گفتگو کرتا ہے جو ہمیشہ سے ہر دور اور ہر زمانے میں موجود ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قومیں فقط وہی ہوتی ہیں جو اپنے ہوس پرست لیڈروں کی جنگوں کی مشقت کے ساتھ قیمت ادا کرتی ہیں جنہیں غلبہ پانے اور حکم چلانے کا مرض لاحق ہوتا ہے، وہ کہتا ہے۔۔۔ لیکن قومیں اپنے لیڈروں کی غلطیوں کی وجہ سے اپنے خون کی گرانقدر قیمت ادا کرتی ہیں۔ اور ہمارے اس موجودہ زمانے میں روس اور جرمن نے دھوکہ خوردہ لیڈروں کی خود غرضی کے باعث بڑی قیمت ادا کی ہے[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ان لیڈروں پر ان کے مظالم اور لالچوں کو آشکارا کرتا ہے۔ جو ان سے پہلے عرصے اٹھائے ہوئے تھے فرماتا ہے

الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفراً واحلوا قومھم دار البوار جہنم یصلونھا وبئس القرار[2]

---

[1] اس وقت مسلمانوں کے خون نہایت سستے بہائے جا رہے ہیں اس لئے نہیں کہ کسی جنگجو سے ملک کو آزاد کروانا ہے یا کوئی دخیل اس پر قابض ہو گیا ہے بلکہ ان لیڈروں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بہایا جا رہا ہے جنہیں اپنے دوسرے بھائیوں پر غلبہ اور تسلط حاصل کرنے کی بیماری لاحق ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عرب دوسرے عرب بھائی کو قتل کرتا ہے ان ہوس پرست لیڈروں کی ہوس کی قربان گاہ پر کئی لاکھ عرب قتل ہو چکے ہیں اور ان کا خون رائیگاں چلا گیا ہے اس طرح بعض ہی قومیں اپنے لیڈروں کے لئے مچھے پن کی قیمت اپنے خون سے ادا کرتی ہیں

[2] یہ آیت اس شخص پر کس شدت سے منطبق ہوتی ہے جس نے اپنی بہترین فوج کے ہزاروں جوانوں کو ناکام ظالم جنگ میں مرنے کیلئے بھیجا اور وہ فوج اس طرح مری جیسے ظالم باغی اور گنہگار مرتا ہے اور مسلمان کس قدر برے انجام کی طرف جا رہا ہے جب مسلمان اپنے قتل کرتا ہے حالانکہ وہ اپنی عزت اور علاقے سے اسی کے ظلم کو روک رہا ہوتا ہے

[3] ابراہیم ۲۸ — ۲۹ [4] فقہ السیرۃ صفحہ ۲۴۰

انصاف پسند انگریز کی رائے

مغربی مصنفین جب بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والے حکم کو سنگدلی اور وحشیانہ پن سے تعبیر کرتے ہیں تو جادۂ انصاف وصواب سے ہٹ جاتے ہیں مگر ان مصنفین میں بھی ایسے انصاف پسند موجود ہیں جنہوں نے سچی بات کہی ہے اور جذبات و خواہشات کی لہر میں انحراف سے کام نہیں لیا انہوں نے نہایت صفائی سے اس حکم میں وحشیانہ پن اور رذالت کے پائے جانے سے انکار کیا ہے ان میں سے ایک عظیم انگریزی مولف ڈاکٹر منٹگمری واٹ ہے وہ اپنی کتاب "محمد نبی اور حکمران" کے صفو ۱۷۱ پر لکھتا ہے بعض یورپی مصنفین نے بنی قریظہ کے متعلق صادر ہونے والے حکم پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے رذالت قرار دیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعض معاصرین بنی قریظہ سے منتج ہونے والے عواقب کا اندازہ نہ کرنے کے باعث حیران ہو گئے ہیں ...... مدینہ کے محاصرہ کے دوران اس قبیلے کا فعل اس مضبوط معاہدے کا توڑنے والا ہے جو اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کیا تھا پھر ڈاکٹر منٹگمری بعض مشرکین کے ان باطل اتہامات کا ذکر کرتا ہے جو انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے ہیں اور کہتا ہے۔

اس فرض کا بھی کوئی سبب موجود نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کو مجبور کیا تھا کہ وہ بنی قریظہ کو یہ سزا دے سعد جیسے دور اندیش انسان نے یہ ضرور ادراک کر لیا تھا کہ قبائلی دوستی کا اسلام دوستی سے بڑھ جانا نئے سرے سے ان خونی معرکوں کو شروع کر دے گا جن سے اوس اور خزرج کو بچانے کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے کہتے ہیں کہ جب سعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا حکم نافذ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے سعد کو بتایا کہ اب وقت آگیا ہے اور سب سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس واجب کو ادا کرے جو اس کے رب اور جماعت اسلامی، حتیٰ کہ قدیم حلیفوں کے متعلق وارد ہوتا ہے پھر انگریز مصنف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکمت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو یہودیوں کے حلیف سعد بن معاذ کے حکم منتخب کرنے میں تھی اور اس سے استدلال کرتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے دشمن ڈکٹیٹرشپ کا جو اتہام لگاتے ہیں وہ اس سے کہیں دور تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے سعد کی تعیین کا مقصد آمرانہ اختیارات کے پیچھے چھپانا تھا اور نہ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اس کے مالک تھے بلکہ آپ نے نہایت عقلمندانہ طریق سے ایک سخت مشکل کو حل کرنے کی کوشش تھی۔

پھر ڈاکٹر منٹگمری تاکید کے ساتھ کہتا ہے کہ بنی قریظہ کے متعلق جو حکم نافذ کیا گیا وہ اس لئے نہیں نافذ کیا گیا کہ وہ یہودی تھے بلکہ وہ غدار تھے جنہوں نے عظیم غداری کا ارتکاب کیا تھا وہ کہتا ہے کہ بنی قریظہ کے خاتمہ کے بعد مدینہ میں یہودیوں کا کوئی اہم قبیلہ باقی نہیں رہا ہاں کچھ چھوٹے چھوٹے گروہ تھے اور بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دولت مند یہودی نے بنی قریظہ کی کچھ عورتوں اور بچوں کو خریدا تھا اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو یہودی مدینہ میں باقی رہ گئے تھے وہ بہت محتاط تھے مگر پھر بھی وہ بعض دشمنانہ کاروائیوں سے باز نہیں رہے حتیٰ کہ بعض اجتماعی کاروائیاں بھی کرتے رہے بلاشبہ غزوہ خیبر میں ان کے جذبات اپنے یہودی بھائیوں کے ساتھ تھے۔

مدینہ میں کچھ یہودیوں کا مسلسل رہنا، ممکن ہے بعض ان یورپین علماء کے نقطہ نظر کے خلاف ایک دلیل ہو جو کہتے ہیں کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال، مدینہ کے تمام یہودیوں کے تباہ کرنے کی سیاست اختیار کی محض اس وجہ سے کہ وہ یہودی ہیں اور یہ سیاست سختی میں بڑھتی گئی پھر ڈاکٹر منٹگمری کہتا ہے کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً اس قسم کی سیاست پر چلنے والے نہ تھے آپ معاصر مشکلات کی بنیادوں کو معتدل نظر اور دیرپا سیاست کے نقطہ نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی روشنی میں عوامل کے مطابق اپنی سیاست کو اختیار کرتے تھے۔ اور یہودیوں کے قبیلوں پر آپ کے حملے کی نسبت یہ کہنا کہ آپ کو مناسب موقع میسر آگیا تھا ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ گہرے اسباب بھی ہیں...... یہودی اپنی طرف سے قرآنی وحی کے خلاف تنقیدات کر کے اسلامی معاشرے کو ہلانے کی کوشش کر رہے تھے نیز اپنی سیاسی تائید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور آپ سے دشمنی رکھنے والے منافقین کو دے رہے تھے اس کے باوجود محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بغیر کوئی تکلیف دیئے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی[1]

اسلام اور غلامی

اس باب میں ایک مسئلہ ایسا باقی رہ گیا ہے جس کی جڑیں نہایت گہری ہیں اس سے بحث و مناقشہ کرنا ضروری ہے اور وہ مسئلہ ہے بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے اور جہاد غنائم میں انہیں مسلمان جانبازوں کے درمیان تقسیم کرنے کا،

دشمنان اسلام عموماً اور بنی قریظہ کے متعلق نافذ ہونے والے حکم پر اعتراض کرنے والے خصوصاً بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور ان کے غلام بنانے کو اسلام پر حملہ کرنے کا پوائنٹ بناتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

یہ تصرف بیسویں صدی کی روح اور حقوق انسانی کے مخالف ہے جو اسلام کو ان رذیل نظاموں کی صفوں میں شامل کر دیتا ہے جو انسان کو اپنے بھائی انسان کو غلام بنانے کی اجازت دیتے ہیں۔

اور یہ وہ خبیث ترین شبہ اور تہمت ہے جسے اشتراکی اور صلیبی اور تمام وہ لوگ جو اسلام کی حکومت کے قیام سے خائف ہیں اپنے رنگوں میں پھونکتے ہیں تاکہ اس دین کی صلاحیت کے بارے میں شک اور الحاد کے وساوس داخل کر دیں۔

اور ان وساوس کے نتیجے میں بہت سے مسلم نوجوان حیرت و شک اور سوالات کا شکار ہو گئے ہیں کہ..... اسلام نے غلامی کو کیسے جائز قرار دیا ہے حالانکہ وہ بشریت کی آزادی

---

[1] ہم نے اس کتاب کی فصل دوم میں بتایا ہے کہ کس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کی انگیخت وا، دسیسوں اور اسلامی معاشرے کو تباہ کرنے والی کوششوں کے بالمقابل حلم و صبر اور رواداری سے کام لیتے رہے آپ نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور نہ ہی انہیں کوئی تکلیف دی یہاں تک کہ انہوں نے طاقت خونریزی فوجیں کولانے اور ظلم و سرکشی سے جنگیں بھڑکانے کا کام شروع کر دیا۔

اور تمام انسانوں کے درمیان، مساوات کے اعلان کے لئے آیا ہے۔

یہ سوال بعض مسلم نوجوان ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں جو اس دین کے دشمنوں کے بعض وساوس سے متاثر ہیں ان جوانوں کو دشمن کلیۃً کفر کے گڑھے میں دھکیلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک حساس سوال ہے اور ہم اس جگہ موقع کی مناسبت سے اس کا تفصیل سے جواب دیں گے اور کم از کم ہم حیرت کے ان بادلوں کو پراگندہ کر دیں گے جو کبھی کبھی بعض موجودہ نوجوان دانشوروں کے دلوں سے لپٹ جاتے ہیں جو تشکیک و اتہام کے ان حملوں سے متاثر ہو جاتے ہیں جو اسلام دشمن لوگ اس دین پر کرتے ہیں خصوصاً غلامی کے مسئلہ پر۔

ہم ان سوالات اور اتہامات کا جواب (جو اسلام کے غلامی کے موقف کے متعلق) کتاب و سنت کی نصوص سے استدلال کر کے نہیں دیں گے کیونکہ یہ دشمن اور اس دین کی طرف منسوب ہونے والے افراد جو ان کے وساوس سے متاثر ہیں اسے تسلیم نہیں کریں گے لہٰذا ہم ان کا جواب عقل مندی کے فیصلے کے مطابق دیں گے۔

اسلام نے غلامی کو جائز قرار نہیں دیا

(۱) اسلام، غلامی کے نظام کو جائز قرار دینے والا پہلا دین نہیں اس نے دشمن کے قیدیوں اور بیوی بچوں کو غلام بنانا ابتداءً جائز قرار نہیں دیا لیکن جب یہ دین آیا تو اس وقت غلامی ایک عالمی نظام تھا جس پر بغیر کسی استثناء کے تمام اقوام میں وسیع پیمانے پر عمل ہوتا تھا اور ان اقوام میں کوئی اسے برا نہیں سمجھتا تھا اور ظہور اسلام سے قبل دنیا میں (جنگ کے علاوہ) غلامی کے بہت سے مصادر تھے خصوصاً رومی حکومتوں میں مثلاً

(ا) رومی دور میں کاشتکار بھی زمین کے مالک کا ایک قسم کا غلام ہوتا تھا اور اسے اس کی خرید و فروخت کی اجازت تھی۔

(ب) ایرانیوں اور رومیوں وغیرہ کے نزدیک سیاہ رنگ ہونا بھی غلام بنانے کو جائز قرار دیتا تھا ہر سیاہ فام ان کے نزدیک غلام تھا جس کی خرید و فروخت جائز تھی خواہ کسی طریق سے ہو اور اس نظام پر امریکہ کے دونوں حصوں میں عمل ہوتا تھا جہاں سے غلاموں کے مغربی تاجر پچاس سال کے اندر تقریباً ۱۵ ملین سیاہ فام افریقیوں کو لوٹ کر لے گئے اور انہیں امریکی باشندوں

کا غلام بنا دیا اور وہ ابراہیم لنکن کے زمانے تک جس نے ان کی آزادی کا اعلان کیا تھا غلام رہے اور باوجود اس اعلان کہ وہ غلاموں کی پوزیشن میں ہی رہے کیونکہ انہیں وہ حقوق حاصل نہ تھے جو سفید فام لوگوں کو حاصل تھے۔

(ج) یورپ اور دنیا کے بہت سے ممالک میں مقروض کو اس قرض کے مقابلہ میں جسے وہ ادا کرنے سے عاجز ہوتا غلام بنا لیا جاتا اور قانون انہیں اس بات کی اجازت دیتا تھا۔

(د) بہت سی اقوام (خصوصاً مشرق اقصٰی میں) میں ان کا نظام انہیں اپنے لڑکوں اور حتیٰ کہ بیویوں تک کو فروخت کی اجازت دیتا تھا تاکہ وہ غلام دنیا میں شامل ہو جائیں۔

(ہ) اسی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی ایک قسم کی غلامی تھی جو غلامی کی گھٹیا ترین قسم تھی، حرامزادوں کے متعلق ہندوؤں کا خیال تھا (حتیٰ کہ آج تک بھی ہے) کہ یہ ان کے ابدی غلام ہیں اور اسی لئے پیدا ہوئے ہیں اور وہ موت تک غلامی سے نجات نہیں پا سکتے تھے اور ان کے نزدیک یہ دینی نظام ہے اور حرامزادوں کو تلقین کی جاتی تھی کہ وہ اسے ایک دینی اصول کے طور پر مانیں اور اس سے خروج کرنا ان کے لئے جائز نہ تھا

(و) علاوہ ازیں اس وقت دنیا میں غلام بنانے کا ایک بڑا سبب وہ جنگیں تھیں جن کے متعلق ظہورِ اسلام سے قبل کا عالمی نظام فیصلہ کرتا ہے کہ جنگ میں مغلوب ہونے والے اور ان کی عورتیں اور بچے غلام ہیں اور اس غنیمت کا حصہ ہیں جسے فاتح فوج حاصل کرتی تھی۔

اسلام ہر قسم کی غلامی کو لغو قرار دیتا ہے

۲۔ جب انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کرانا اور اس سے ظلم کو دور کرنا خواہ وہ کسی نوع، رنگ، دین یا جنس کا ہو اسلام کے اہم اہداف میں سے ہے تو اس نے غلامی کے سوتوں کو خشک کرنے میں جلدی کی اور تمام مصادر کو بند کرنے کا حکم دیا اور اس غلامی کی تمام انواع کو لغو قرار دیا جسے عالمی نظام تسلیم کرتا اور مباح قرار دیتا تھا پس اسلام نے ان تمام انواع کو حرام قرار دیا اور ان پر عمل کرنے کو باطل قرار دیا اسلام نے اپنے پیروکاروں کو صرف ایک نوع کی غلامی کی اجازت دی ہے اور وہ ان عادلانہ اور قانونی جنگوں سے وجود میں آتی ہے جن میں مسلمان اپنے

دشمنوں[1] کے خلاف حصہ لیتے ہیں تاکہ اسلام تمام اقسام کی غلامی کو باطل قرار دے جو اس سے پہلے (سوائے جنگی غلامی کے) دنیا میں رائج تھی۔ اس نے پوری وضاحت سے اعلان کیا کہ آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے (خواہ اس کا رنگ، دین اور قوم کوئی ہو) اور اسلام نے جس جنگی غلامی کو برقرار رکھا ہے یہ ایک عارضی بات ہے جو انسان کو آزادی کے بعد میدانوں میں پیش آجاتی ہے ورنہ اسلام کے نزدیک جنگ کا غلام بھی انسان ہے اور اسے آدمیوں کے پورے حقوق حاصل ہیں۔"

اسلام نے جنگی غلامی کو کیوں جائز قرار دیا

اسلام نے جنگی غلامی کے نظام کو دوسری انواع کی طرح لغو اور حرام کیوں نہیں قرار دیا۔ یہ وہ سوال ہے جو ہر اسلام پر اعتراض کرنے والے بار بار دہراتے ہیں اور اس سے اس دین کی طرف منسوب ہونے والے موجودہ دانشوروں کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور کبھی کبھی وہ ان وساوس سے متاثر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں خطیرۃ الاسلام سے دور کر دیتے ہیں اس طرح یہ وساوس اس دین کی صلاحیت اور عدالت میں شک کا سبب بن جاتے ہیں... اسلام نے جنگ سے پیدا ہونے والی غلامی کے نظام پر عمل کرنے کو کیوں لغو قرار نہیں دیا؟ -

---

[1] اسلام کی نگاہ میں عادلانہ جنگ وہ ہے جس میں مسلمان اعلائے کلمۃ اللہ کے جذبے سے اور ان لوگوں کو شامل کرنے کے لئے شامل ہوں جو اس کی اشاعت میں قوت استعمال کرتے ہوں اس لئے مسلمان کفار سے اس وقت تک جنگ نہیں کرتے جب تک انہیں تین باتوں میں سے ایک کا اختیار نہ دے سکیں۔ اسلام میں داخل ہونے کا (۲) جزیہ دینے کا تاکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے یہ اسلامی حکومت سے عدم معاوضہ کی دلیل ہے جس کے اتباع صرف کلمۃ اللہ کی اشاعت کے لئے ہی نکلتے ہیں (۳)۔ جنگ کرنے کا اس جنگ پر صرف اس لئے موافقت کی جاتی ہے کہ دشمن اپنی قوم میں کلمۃ اللہ کی اشاعت کو بزور قوت روکنے کا ارادہ کر لیتے ہیں یہ اسلام کی عادلانہ جنگ ہے اگر کفار کے خلاف جنگ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے یا مسلمانوں پر ظلم کو روکنے کے لئے نہ ہو تو وہ فقط اموال حاصل کرنے کے لئے ہے یہ غیر عادلانہ جنگ ہے جسے اسلام تسلیم نہیں کرتا اس لئے جو کچھ حاصل ہو اس کا حکم جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہونے والی چیز کا نہیں، کیا اسلام پر اعتراض کرنے والے اس بات کو سمجھیں گے؟

ہمارا جواب طبعاً جدلی، منطقی اور عقلی نقطہ نگاہ سے ہوگا . . . دینی نقطہ نگاہ سے نہیں ہوگا جو قرآن وحدیث کی نصوص پر اعتماد رکھتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ عادۃً اس قسم کے سوال کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث پر ایمان نہیں رکھتے۔ اب جواب ملاحظہ ہو۔

(۱)۔ ہم بتا چکے ہیں کہ جب اسلام آیا تو غلامی کا ایک عالمی نظام موجود تھا۔ اور بغیر استثناء کے تمام اقوام اسے ایک اقتصادی عامل سمجھ کر معاملہ کرتی تھیں . . . اور جنگ سے پیدا ہونے والی غلامی بھی غلامی کی ایک نوع تھی۔ پس مغلوب ہونے والے اور ان کے بیوی بچے اس عالمی عرف اور قومی نظام کے مطابق جو ظہور اسلام تک قائم رہا غالب آنے والے کے غلام بن جاتے اور جب مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے ساتھ بہت سی جنگوں میں الجھنا پڑا تو اسلام کے دشمن، مسلمانوں پر فتح پانے کی صورت میں اس نظام کے مطابق ان کے جوانوں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیتے۔

اسلام میں غلام بنانا بالمثل معاملہ ہے

(ب) اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ عدل و عقل اور منطق کی رُو سے اسلام نے بھی اپنے پیروکاروں کو اس جنگی غلامی کے نظام کے مطابق عمل کرنا جائز قرار دیا ہے جس کی اس دین کے ظہور سے قبل پیروی کی جاتی تھی اور مسلمانوں کے لیے اس کارروائی کا کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ بالمثل معاملہ ہے اور جنگی حالات میں فوج اور قوم کی مصلحت پر (عسکری، سیاسی، نفسیاتی لحاظ سے) اس کے قیام کا تقاضا کرتی ہے اور بالمثل معاملہ (حتیٰ کہ ظلم کے مقابلہ میں ظلم کرنا ایک جائز کام ہے۔ جس کو آج تک کہ تمام اعراف اور قوانین تسلیم کرتے ہیں۔

اگر ہم فرض کے طور پر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کا غلام بنانا ظلم ہے تو بھی مسلمان جانبازوں کا حق ہے۔ مقابل کی حربی کارروائی کے مطابق ان کا دین انہیں اجازت دیتا ہے کہ دشمن کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیں اور ہمیشہ سے جب دشمن کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیتا ہے۔

کیا اسلام کے دشمن اور بنی قریظہ کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانے پر بُرا منانے والے چاہتے ہیں کہ اسلام محارب دشمن سے یہ کارروائی کرنا ترک کردے (جو مقابل کی جنگی کارروائی ہے) اور اسے معلوم ہے کہ اگر دشمن کو فتح نصیب ہوجاتی تو یہ مسلمانوں کے مردوں، عورتوں اور

بچوں کو غلام بنا لیتے ہیں اور انہیں ظہورِ اسلام سے قبل بین الاقوامی متعارف اعمال کی طرح دردناک سزا دیتے ہیں۔[1] پس اسلام نے غلامی کو جائز قرار نہیں دیا اور نہ اس کی دعوت دی ہے اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ اسلام نے (جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا) غلامی کے خلاف جنگ کی ہے۔ اور اس کے سوتوں کو خشک کیا ہے۔ اور ایک نوع کے سوا اس کی تمام صورتوں پر تعامل کو باطل قرار دے کر اس کے سرچشموں کو بند کر دیا ہے۔ (جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے) غلامی ان جنگی کارروائیوں سے پیدا ہوتی ہے جنہیں مسلمان اپنے دشمن کے خلاف عادلانہ جنگ میں بروئے کار لاتے ہیں۔ جس میں عہد شکنی اور ظلم نہیں ہوتا اور وہ فقط اسلام کی سربلندی اور اس کی دعوت کی حفاظت میں ہوتی ہے۔

اسلام نے اس نوع کی جنگی غلامی کو (اگر یہ تعبیر درست ہے تو) ایک ایسی کارروائی کے طور پر باقی رکھا ہے۔ جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ غلامی کی یہ نوع اکیلے مسلمانوں کی جانب سے نہیں آتی بلکہ سب سے پہلے یہ ان اقوام کی جانب سے آتی ہے جس پر اسلام کا کوئی غلبہ حاصل نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان پر تسلط حاصل ہے۔ کہ وہ انہیں غلام بنانے سے منع کریں۔ وہ ایسی اقوام ہیں جن کے ہاتھوں میں جو مسلمان قیدی بھی آجاتے ہیں وہ انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں یا بچے، پس مسلمانوں نے جو دشمن کے جنگی قیدیوں کو غلام بنایا ہے تو یہ ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی مفر نہیں، کیونکہ یہ بالمثل معاملہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور بنی قریظہ کے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانا بھی اسی باب سے ہے۔

---

[1] استاد محمد غزالی اپنی کتاب (الاسلام والاستبداد السیاسی) کے صفحہ ۱۲۶ پر بیان کرتا ہے کہ غلامی کو اصلاً حرام قرار دینا ممکن ہے لیکن مسلمانوں کی جانب یہ تصرف ایک عبث بات سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے دشمن اس تحریم کی پابندی کا انکار کر دیتے پھر یہ ہوتا کہ وہ ان کے پاس مسلمان قیدی غلام ہونے اور ہمارے پاس مشرکین آزاد ہوتے اور کسی جنگ میں یہ تناقض ہوا ہے اس جنگ میں ہم عقل و ضمیر کی آزادی کا دفاع کر رہے ہیں۔ اور ظالموں اور متکبروں کی ہٹ دھرمی کو بُرا بھلا کہہ رہے ہیں اور ہمارے مخالف ہم میں جاہلی شاعر کی سیاست چلا رہے ہیں جس نے کہا ہے کہ وہ باغی اور ظالم ہیں۔ ہم نے ظلم نہیں کیا بلکہ ظلم کا آغاز کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاملہ بالمثل پر عمل کیا ہے تاکہ اس تعلق سے کامل آزادی کو ٹھیس نہ پہنچے۔

اگر بنی قریظہ کے یہودیوں کو (آپ کو معلوم ہے کہ ان کی کتاب کی نص صریحہ دشمن کے مغلوب مردوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کے غلام بنانے کا فیصلہ کرتی ہے) مسلمانوں پر فتح حاصل ہو جاتی تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا۔

انسان کی آزادی کی زبردست خواہش اور ہر موقع پر غلام کی آزادی کی ترغیب دینے کے باوجود اسلام کے لیے ممکن نہیں کہ وہ ایک جانب سے جنگی غلامی کی اس نوع کو لغو قرار دیدے۔ اس طرح تو دن بدن بہت سے مسلمان، جزیرہ عرب کے اندر اور باہر، اسلام اور اس کے دشمنوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں، دشمنوں کے قابو میں آجائیں گے[1]

اسلام میں ایسی کوئی تعلیم موجود نہیں جو غلامی کو لغو قرار دینے کے معاہدے میں مانع ہو

ممکن ہے کہ ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ اس دین کو اس امر سے کوئی دلچسپی نہیں کہ غلامی کا نظام ابدی ہو گی کا لغو قرار دینا جائز نہ ہو۔ لیکن اس کے برعکس اس نے دروازے کو کھلا رکھا ہے تاکہ آخری حد تک غلامی کے سوتوں کو بند کرنے کا جائز معاہدہ ممکن ہو۔ اور یہ بات عام اور جزوی بین الاقوامی معاہدات سے ہو سکتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس دین نے جنگی قیدیوں کے غلام بنانے کے معاملہ کو ایسا قرار نہیں دیا کہ اس سے کوئی مفر ہی نہ ہو (جیسا کہ موسوی شریعت اور دیگر نظاموں اور قوانین میں ہے) بلکہ اس نے ان قیدیوں کے معاملہ کو حاکم اعلیٰ کے سپرد کر دیا ہے کہ ان کے بارے میں مصلحت عامہ کے مطابق تصرف کرے چاہے احسان کر کے چھوڑ دے چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ فاما منا بعد و اما فداء[2]

جب حاکم یہ دیکھے کہ مصلحت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن سے معاہدہ کر کے دونوں جانب کے قیدیوں کو رہا کرے اور غلام نہ بنا کر غلامی کے سوتے آخری حد تک بند ہو سکتے ہیں تو قرآن کریم کے وضع کردہ اصول تخییر عامہ سے استنباط کرتے ہوئے اس کے لیے ایسا کرنا جائز

---

[1] استاد محمد قطب اپنی کتاب (شبہات حول الاسلام ص۴۵) پر کہتا ہے کہ یہ کوئی اچھی سیاست نہیں کہ دشمن تجھے اپنے قیدی چھوڑنے پر جرأت دلائے جبکہ تیرے گھر والے خاندان اور تیرے دین کے اتباع ان دشمنوں کے ہاں ذلت سے دوچار رہیں۔ اس جگہ باہمی معاملہ عادلانہ قانون ہے

[2] سورہ محمد آیت ۴ ۔

ہوگا۔ (فاما منا بعد و اما فداء) اور یہ جو مختلف زمانوں میں کبھی کبھار مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ ہوتا رہا ہے یہ بھی غلامی کو لغو قرار دینے والے معاہدات کی ایک نوع ہے جسے اسلام نے مباح قرار دیا ہے۔ اگر اسلام غلامی کو ابدی نظام سمجھتا تو وہ اس کو لغو قرار نہ دیتا اور نہ اس کے سوتے آخر تک بند کرتا۔ اور نہ قیدیوں کا تبادلہ کرتا بلکہ اس نے مسلموں اور غیر مسلموں کو رضاکارانہ طور پر غلاموں کے آزاد کرنے کی دعوت دی ہے اور اسے ایسا عمل قرار دیا ہے جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس پر بڑا ثواب عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ساتھ آنے والی کتاب میں مفصل بیان ہوگا۔ انشاء اللہ ہم نے (اسلام میں غلامی کے موقف کے متعلق) اسلام دشمنوں کے سوالات اور ان کے وساوس سے متاثر نوجوان دانشوروں کے جوابات دے دیئے ہیں جو ہر روز اسلام کے لیے ایک نقص طلب کرتے ہیں تاکہ وہ اس پر نیا حملہ کر سکیں۔ میرے خیال میں عقل مستقیم اور منطق سلیم کی نظر میں اس جواب کی صحت و درستگی میں کوئی شک نہیں اور اس کے بعد کسی عقلمند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اسلام کو برا بھلا کہے یا اس کے اس نظام پر نکتہ چینی کرے جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو حربی غلام بنانے کی اجازت دی ہے۔

۲۳۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو غلام بنانے کی جو اجازت دی ہے اس کے متعلق ہمارا یہ مختصر جواب جملہ بالتفصیل کی طرح ہے۔

اور اسلام نے اس معاملہ میں جو دقیق عادلانہ نظام وضع کیا ہے اس میں غلام سے معاملہ کرنے کے نقطہ نگاہ کو سمجھنے کے لیے عاقل، انصاف پسند اور ہواوہوس سے خالی انسان کو اس نظام کے اس اصول اور قواعد کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اسے (اگرچہ اسلام نے اپنے اتباع کو جنگجو دشمن کو غلام بنانے کی اجازت دی ہے) اس خوفناک اور وحشتناک سلوک پر غور کر کے جس کے ساتھ غلاموں کو ظہور اسلام سے قبل واسطہ پڑتا تھا، معلوم ہو جائے گا کہ غلامی کی صرف ایک ہی شکل باقی رہ گئی ہے۔ غلام کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق اسلام نے جو اصول وضع کیے ہیں (خواہ وہ کسی دین، رنگ اور قوم کا ہو) اور ان پر عمل کو فرض قرار دیا ہے۔ اس سے عاقل اور انصاف پسند آدمی کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ تسلیم کیئے بغیر چارہ نہیں کہ اسلام غلام کی آزادی کا خواہاں ہے حتیٰ کہ اس نوع کو بھی آزاد کرنے کا خواہاں ہے جس کی اس نے اصولاً اجازت دی ہے۔

رومیوں اور دیگر اقوام کے نزدیک غلام کی حیثیت

رومیوں کے قانون میں اور ایران و ہند کے عرف میں غلام کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے قوانین میں اس غلام کا کوئی حق نہیں۔ پس اس لیے ان کے قوانین نے غلام کے کسی حق کی حفاظت کا قانون وضع نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ (خصوصاً رومیوں کی نظر میں) کہ غلام بہائم سے کم تر درجہ رکھتا تھا۔ اسے دائرہ انسانیت سے باہر پھینک دیا گیا تھا، رومی آقا کو اپنے غلام کو خصی کرنے کوڑے مارنے اور جس طریق سے وہ چاہے اُسے قتل کرنے کا حق حاصل تھا۔ مگر اس غلام کو اس بے پناہ ظلم سے بچانے کے لیے رومی قانون میں اس غلام کے لیے ایک حرف بھی موجود نہ تھا۔ اور بغیر کسی ضروری جنگ کے صرف تسلی کے لیے بڑے بڑے مقابلہ کرنے والے حلقے تلوار، نیزے اور کلہاڑے سے مغلوب کو ہمیشہ قتل کرتے تھے۔ جن کے لیے رومی ادوار میں بڑے بڑے جشن کیے جاتے جن میں بادشاہ اور متکبر حاضر ہوتے، جن میں مقابلہ کرنے والوں کو مجبور کیا جاتا کہ ان کا مقابلہ حقیقی مقابلہ ہو گا۔ جن میں نیزوں اور تلواروں کے ساتھ قتل کے ارادے سے جسم کے کسی بھی حصے میں قاتلانہ ضربیں لگائی جائیں، وحشیانہ مقابلوں کے یہ حلقے کیا تھے، صرف رومی سرداروں کی غلاموں کو عذاب دینا اور قتل کرنے کی کارروائی تھی تاکہ صرف تسلی حاصل ہو۔

رومیوں کے تمام مشہور مقابلے جن کے لیے جشن کیے جاتے اور میدان اور راستے جائے جاتے جن میں انسانی جان صرف تسلی کے لیے نکالی جاتی۔ انہیں صرف وہ غلام تیار کرتے جن میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی سے حقیقی مقابلے کے لیے (سرداروں کے گونجدار قہقہوں اور بداخلاق نعروں کے درمیان) موت تک مجبور کیا جاتا۔

مختصر یہ کہ اسلام سے قبل کسی دور میں (رومیوں، ایرانیوں اور ہندیوں کے دور میں) غلام کو کوئی ایسا حق حاصل نہ تھا جسے انسانی حقوق کا نام دیا جاتا اور ان تمام ادوار میں اُسے اپنے آقا کے ظلم کے متعلق شکایت کرنے کا بھی حق حاصل نہ تھا۔ اور اگر وہ کبھی شکایت کی جرأت کرتا تو وہاں ایسا کوئی قانونی گوشہ موجود نہ تھا جس کو حق حاصل ہوتا کہ وہ اس شکایت پر نظر ہی ڈال سکے کیونکہ ان اقوام کے عرف میں غلام انسان کی فہرست سے خارج تھا۔

غلام کو اسلام کے عطاکردہ حقوق

اس اثناء میں کہ غلام کے ساتھ وحشیانہ پن اور رذالت کا یہ طریق جاری تھا کہ اسلام آگیا اور اس نے غلام کے حالات کا جائزہ لیا اور اس کے لیے یہ انسانی عادلانہ نظام وضع کیا جس کے ذریعے اس نے غلام کو اسکی بشریت اور انسانیت دوبارہ عطا کی۔ حتیٰ کہ وہ محسوس کرنے لگا کہ اُسے اپنے آقا کے ساتھ تمام حقوق میں مساوات حاصل ہے۔ اسلام نے خون اور قصاص میں غلام اور آقا کو برابر قرار دیا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مساوات کا اعلان یہ کہہ کر کیا (جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے) کہ

جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اُسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کی ناک کاٹی ہم اس کی ناک کاٹیں گے۔ اور جس نے اپنے غلام کو خصی کیا ہم اُسے خصی کریں گے۔

اور اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان وحدت اصل اور پیدائش اور انجام کا اعلان کیا کر

تم آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھا[1] تم ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہو[2]

اور آپ نے اعلان فرمایا کہ آقا کو محض آقا ہونے کی وجہ سے غلام پر فضیلت حاصل نہیں فضیلت صرف تقویٰ سے ہے، سو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے۔ اور نہ کسی کالے کو سرخ پر بغیر تقویٰ کے فضیلت حاصل ہے[3]

اور اسلام نے تسلیم کیا ہے کہ آقا، غلاموں پر خرچ کرنے کی وجہ سے فضیلت والے نہیں کیونکہ وہ سب ایک وضع سے ہیں کیونکہ سب کا خالق اور رازق ایک اللہ ہی ہے۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقهم علی ما ملکت ایمانهم فهم فیه سواء[4] اسلام نے آکر آقاؤں پر فرض کر دیا کہ وہ غلاموں سے حسن سلوک کریں۔

وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا[5]

---

[1] مسلم، ابوداؤد، [2] سورہ النساء ۲۵، [3] طبرانی کتاب آداب النفوس، [4] سورہ نحل ۷۱،

[5] سورۃ النساء ۳۶ -

اسی طرح اسلام نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ غلام اور آقا کا تعلق، اعلیٰ اور غلام یا تسخر و تحقیر کا نہیں (جیسا کہ رومی اور اس جیسے ادوار میں تھا) بلکہ یہ تعلق اخوت و قرابت کا ہے۔ پس آقا لونڈی کے اہل ہیں اسے شادی کی اجازت دیں۔

”فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف“[1]

اور اسلام نے یہ اعلان بھی کیا کہ غلام، اپنے مالک کا بھائی ہے اور اس نے مالک پر فرض قرار دیا کہ لباس اور خوراک کے بارے میں اس سے برابری کا سلوک کرے۔

”تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اُسے وہ کھانا کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہ لباس پہنائے جو خود پہنتا ہے اور انہیں طاقت سے زیادہ کام نہ دو۔ اگر انہیں ایسے کام کے لیے مکلف کرو تو ان کی مدد کرو“[2]

بلکہ اسلام نے تو غلام کے نازک جذبات اور اس کی عزت کی محافظت کے لیے مالک کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ اپنے غلام کو، غلام کے نام سے آواز دے۔

”تم میں سے کوئی آدمی یہ نہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے اور یہ میری لونڈی ہے بلکہ میرا بچہ یا بچی کہے“[3]

اور غلام کے معاملہ میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حدیث سے استناد کرتے ہوئے ایک سوار سے کہا جس کے پیچھے اس کا غلام دوڑ رہا تھا۔

”اسے اپنے پیچھے سوار کر لو، یہ تمہارا بھائی ہے اور اس کی روح بھی تمہاری روح کی طرح ہے“[4]

اسلام میں، مالک اور غلام کے درمیان مساوات

بلکہ اسلام تو غلام کی حمایت اور اس کے انسانی حقوق کی حفاظت میں اس سے بھی زیادہ آگے چلا گیا ہے۔ اس میں، مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں

---

[1] سورہ نساء ۲۵ [2] بخاری [3] حدیث ابوہریرہؓ [4] شبہات حول الاسلام صفحہ ۳۴ از استاذ قطب۔

ہے۔ اگر وہ عارضی حالات پیش نہ آتے جنہوں نے اُسے غلام بنا دیا ہے تو وہ اُسے اتنی زیادہ ضمانتیں دیتا جو اُسے مالک کی کسی زیادتی سے بھی محفوظ رکھتیں اور یہ ضمانتیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ جب غلام کو اس کا مالک ظلم و زیادتی سے تھپڑ مارے تو ظلم زیادتی پر تادیب کے لیے اس پر اس کا آزاد کرنا واجب ہو جاتا ہے، مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ لگائے یا اُسے مارے، اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اُسے آزاد کر دے"

غلام کے معاملے میں حمایت و عنایت کا یہ وہ قیام ہے جس تک دنیا کا کوئی قانون نہیں پہنچا، نہ اسلام سے پہلے اور نہ اس کے بعد،

اسلام نے غلام کی آزادی کا دروازہ کیسے کھولا

پھر اسلام نے ان عادلانہ انسانی قوانین کے وضع کرنے کے ساتھ ساتھ جن سے تاریخ میں پہلی مرتبہ غلام کو اس کی ضائع شدہ انسانیت اور پامال شدہ عزت واپس ملی، اس نے تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسا قانون وضع کیا ہے جس کے بموجب کسی بھی غلام کے لیے جو غلامی سے آزادی چاہتا ہے آزاد ہونے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ کیونکہ دین اسلام ہر انسان کی آزادی کا خواہاں ہے۔ اس قانون کو قانون مکاتب کہتے ہیں جسے اسلام نے علی الخصوص غلام کے مفاد کے لیے وضع کیا ہے۔ اس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ مملوک غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مالک سے معین رقم پر اپنی غلامی سے آزادی کا تقاضہ کرے، غلام اس رقم کو جمع کرنے کے لیے کام کرے اور اسے ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے۔

اسلام مالک کو اپنے غلام کے آزاد کرنے پر کیسے مجبور کرتا ہے

جب غلام مکاتبت کے ذریعے آزادی کا مطالبہ کرے (جیسا کہ نص قرآنی سے ظاہر ہے) غلام کے مطالبے سے انکار کا اختیار نہیں رکھتا، مالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام سے مکاتبت کرے اور جب تک اسکے آزاد کرنے سے حکومت اسلام کی سلامتی کو خطرہ نہ ہو، اُسے آزاد ہونے میں مدد دے۔ قرآن نے اس بات کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا[1]

---

[1] سورہ نور ۳۳۔

"جو مملوکہ غلام مکاتبت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم ان میں بھلائی پاتے ہو تو ان سے مکاتبت کرو"

اور حضرت فاروقؓ نے انس بن مالک کے غلام سیرین کی شکایت پر انہیں بلا بھیجا۔ اور اس کی تحقیق کی کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ مکاتبت کرنے سے انکار کر دیا تھا، آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ مکاتبت کریں اور ان پر دُرّہ اُٹھا کر انہیں یہ آیت سُنائی۔

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم . . .

پس آپ نے اس سے مکاتبت کی یہاں تک کہ وہ آزاد ہو گیا[1]

آزادی پر غلام کی امداد کا وجوب بلکہ اسلام نے تو غلام کے مالک پر فرض قرار دیا ہے کہ جب اس کا غلام مکاتبت کے ذریعے اس سے آزادی حاصل کرنا چاہے تو وہ اس کی مادی امداد کرے۔

فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیراً و آتوھم من مال اللہ الذی آتاکم[2]

اگر تم ان میں بھلائی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو مال تمہیں دیا ہے اس سے انہیں بھی دو۔

حنابلہ اور شافعیہ کا خیال ہے کہ جس رقم پر غلام نے آزادی کے لیے مکاتبت کی ہے اس کا چوتھا حصّہ امداد کے طور پر ساقط کر دیا جائے، مثلاً غلام اور اس کے مالک کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہو کہ غلام اپنے مالک کو آزادی کے بدلہ میں ہزار دینار دے گا تو مالک پر واجب ہے کہ وہ پوری رقم حاصل کرنے کے بعد اڑھائی سو دینار سے دستبردار ہو کر یہ رقم اُسے واپس کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

و آتوھم من مال اللہ الذی آتاکم[3]

غلاموں کی آزادی کے لیے خاص مالی دفعہ چونکہ اسلام وسیع پیمانے پر غلام کی آزادی کا خواہاں ہے اس لیے اس دین نے ایک خاص دفعہ بنائی ہے جس سے حکومت ان لوگوں کو جو مکاتبت کے طریق پر غلامی سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وسیع پیمانے پر امداد دیتی ہے۔ اور یہ اس آیت کریمہ کی چوتھی دفعہ ہے جس نے

---

[1] دیکھئے المغنی ابن قدامہ جلد ۹ صفحہ ۴۱۲ [2] سورہ نور ۳۳ [3] المغنی ابن قدامہ جلد ۹ صفحہ ۴۲۴۔

زکواۃ کے مصارف کو بیان کیا ہے جو عہد اوّل میں حکومت اسلامی کی آمد کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب[1]

پس قرآنی نص بیت المال پر (جسے آج کے دور میں وزارت مالیات کہا جاتا ہے) یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ مکاتبین کو آزادی حاصل کرنے میں مالی مدد دے۔ یہ اس صورت میں ہو گی جب کہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی خاص کمائی سے مقررہ رقم کو ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتا اور مالک اور اس کے غلام کے درمیان صرف مکاتبت کے معاہدے کے پختہ ہو جانے پر بھی اسلام مالک کو مجبور کرتا ہے کہ وہ غلام کے لیے جائز طریقوں سے مال کمانے کا راستہ کھول دے تاکہ وہ مقررہ رقم کو جمع کرے۔

اگر غلام مکاتبت کے بعد اپنے مالک کے پاس کام کرنا قبول کرے تو یہ کام اُجرت پر ہو گا۔ جو مکاتبت غلام کے حساب میں جائے گی۔ اور اگر مکاتب مطلوبہ رقم جمع کرنے کے لیے کسی اور کے پاس کام کرنا چاہے تو اُسے اس بات کے بارے میں مطلق آزادی دینا لازم ہو گا اور مالک کے لیے جائز نہ ہو گا کہ وہ اُسے کسی معین کام پر مجبور کرے۔

اسلام نے غلام پر مالک کے اختیار کو کیسے سمیٹا ہے

اسلام میں قانون مکاتبت کو غلام کے لیے آزادی حاصل کرنے پر حوصلہ افزائی کرنے والا اور اس پر مالک کے اختیار کو سمیٹنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے (اس خاص قانون کے نفاذ کے بعد) کہ غلام کو ظہور اسلام سے قبل کے متعارف مفہوم میں غلام نہیں سمجھا جاتا تھا (اُسے اس قانون کے نفاذ کے بعد اور ظہور اسلام سے قبل کی بُری حالت پر نظر کرتے ہوئے) آزاد سمجھا جاتا ہے نہ کہ غلام۔ کیونکہ اسلام نے غلام کی حمایت میں خاص قوانین وضع کرتے وقت۔ مالک کو غلام پر مطلق سیادت عطا نہیں کی اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مکاتبت کے طریق سے اُسے غلامی کی قید سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزاد قرار دیا ہے۔ خواہ اس کا مالک راضی ہو یا ناراض جیسا کہ قرآن اس کی صراحت کرتا ہے اور جیسا کہ خلیفہ ثانی نے سیرین کے مطالبہ پر اس کے مالک مشہور صحابی انس بن مالک کو اس سے مکاتبت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

---

[1] سورہ توبہ ۶۰۔ [2] ان کے حالات ہماری کتاب غزوہ اُحد میں دیکھئے۔

یہ وہ حقوق ہیں جو اسلام نے غلام کو عطا کیئے ہیں۔ اور ان جیسے حقوق غلام کو نہ اسلام سے پہلے کسی قانون نے دیئے ہیں اور نہ بعد میں، یہاں تک کہ ابراہیم لنکن نے بھی جس نے امریکہ میں غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ اس کے اعلان نے فرنگیوں کی بڑی حالت میں کچھ بھی تبدیلی نہیں کی۔ اور آج تک ان سے غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود امریکی اس اعلان پر فخر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگی ان حقوق سے محروم ہیں جن سے ان کے ہم وطن سفید فام متمتع ہو رہے ہیں[1]

اسلام میں غلامی کی صرف شکل ہی باقی ہے

اگرچہ اسلام نے جنگی غلامی کی نوع کو باقی رکھا ہے مگر اس نوع کی صرف شکل ہی باقی ہے کیونکہ اسلام نے اس قسم کے غلاموں کے سامنے غلامی سے آزاد ہونے کے لیئے بہت سے راستے کھول دیئے ہیں۔ خواہ وہ اس قانونی طریق سے جس کے بموجب اسلام نے غلام کو مطلق آزادی عطا کی ہے کہ وہ مکاتبت کے طریق سے اپنے مالک کی ملکیت سے آزادی کا مطالبہ کر سکتا ہے اور اپنے ہاتھ سے کام کر کے مکاتبت کی اقساط پوری کرے اور جب وہ کام سے کمائی کر کے اقساط کی ادائیگی نہ کر سکتا ہو تو وزارت مالیات سے رقم لے کر اقساط پوری کر دے، یا رضا کارانہ طریق سے آزادی حاصل کرے جسے اسلام نے غلام کی آزادی کے لیے کھولا ہے۔

وہ قانونی طریق جو تنفیذی اختیارات اور حکومت کی مالی امداد سے غلام کے سامنے آزادی کا رستہ کھولتا ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت اس حاشیہ میں کر دی ہے جو ہم نے اسلام میں غلام کی مکاتبت کے قانون پر لکھا ہے۔

غلامی سے اسلام کا جنگ کرنا

اسلام نے مسلمانوں کو دعوت دی ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر غلام کو آزاد کر دیں بنرا نہیں گر مجوشی اور اصرار کے ساتھ رضا کارانہ طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کی وسیع پیمانے پر ترغیب بھی دی ہے اور رضا کارانہ طور پر غلام آزاد کرنے والوں کی جزا جنت قرار دی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام، غلامی سے جنگ کرتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ اور جب ہم کتاب و سنت کی تمام نصوص پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک بھی ایسی نص نہیں ملتی جو غلام بنانے کا حکم دیتی ہو یا اس کی ترغیب دیتی ہو بلکہ ہم غلام سے تعلق رکھنے والی تمام نصوص کو، جو سینکڑوں تک پہنچتی ہیں۔ آزادی کی فضیلت بتاتی

اور اس کی طرف دعوت دیتی پاتے ہیں اور وہ غلاموں کی آزادی اور انہیں غلامی کی قید سے چھڑانے کی ترغیب دیتی ہیں۔

قرآن کریم کبھی تو غلاموں کی آزادی کی فضیلت بیان کرتا ہے اور ایسا کرنے کو آگ سے نجات کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

فلا اقتحم العقبة، وما ادراك ما العقبة (فك رقبة) او اطعام فی یوم ذی مسغبة، یتیماً ذا مقربة، او مسکیناً ذا متربة [1]

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیسیوں احادیث میں رضاکارانہ طور پر غلام کو آزاد کرنے کی دعوت دی ہے اور رضاکارانہ طور پر اس کام کے کرنے والوں کو اللہ کے ہاں بہترین جزا اور آگ سے نجات کا وعدہ دیا ہے، اس بارے میں آپؐ سے یہ احادیث بیان ہوئی ہیں۔

"جس نے ایک مومن گردن آزاد کی یہ اُسے آگ سے چھڑانے کا فدیہ ہوگی [2]

"جس آدمی نے ایک مسلمان آدمی کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو آگ سے بچائے گا" [3]

"جس آدمی کے پاس ایک خوبصورت لونڈی ہو اور وہ اُسے اچھی طرح شائستہ بنالے پھر اُسے آزاد کرے پھر رضائے الٰہی کے لیے اس سے شادی کرے اسے دو مرتبہ اجر ملے گا

جو شخص کسی مسلمان آدمی کو آزاد کرے وہ اسے آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہوگا [5]

ایک اعرابی نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، فرمایا اگرچہ تو نے مختصر بات کی ہے لیکن لمبا سوال کیا ہے۔ جان کو آزاد کرا اور گردن کو چھڑا [6]

اس کے علاوہ اور بھی سی احادیث نبوی ہیں جن میں غلاموں کی آزادی پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

[1] البلد آیت ۱۱۔ [2] جمع الفوائد جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ [3] بخاری و مسلم، [4] الاسلام والاستبداد السیاسی صفحہ ۱۳۵

[5] ترمذی، [6] احمد۔

غیر مسلم غلام کی آزادی

اسلام نے غلام کی آزادی کے متعلق جو دعوت و ترغیب دی ہے یہ انہی غلاموں کے متعلق نہیں ہے جو غلام بننے کے بعد اسلام میں داخل ہو گئے تھے بلکہ دعوت آزادی تمام غلاموں پر حاوی ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، جیسا کہ فقہ اسلامی کی کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ جو وضاحت سے بتاتی ہیں کہ کافر غلام کو آزاد کرنا ایک نیک عمل اور قرب الٰہی کا باعث ہے جس پر اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا۔ یہ آزادی کی طرف دعوت دینے والی عام نص ہے۔[1]

غلامی کا صفایا کرنے میں اسلام کی دلچسپی

اسلام کو غلامی کا انتہائی طور پر صفایا کر دینے یا اس کی وسعت کو نہایت تنگ کر دینے میں بڑی دلچسپی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے غلاموں کے لیے غلامی کی قید سے آزادی حاصل کرنے کے طریق کو وسعت دینے کے لیے ضروری قوانین بنائے ہیں۔ اور جب غلام کا مالک اس پر ناحق ظلم کرے تو اس نے اس کے لیے غلام کو آزاد کرنے کی سزا مقرر کی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مسلمانوں کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اسلام نے غلام کے مفاد میں اور بھی بہت سے قوانین بنائے ہیں جن سے بڑی تعداد میں آزاد کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس نے غلام کی آزادی کو ایسی سزا قرار دیا ہے جس کی تنفیذ بہت سے مخالفانہ کام کرنے والوں پر ضروری ہے۔

(۱) قتل خطا کی سزا میں اس نے آزادی کو کفارہ قرار دیا ہے۔

ومن قتل مؤمناً خطأً فتحریر رقبة مؤمنة[2]

(۲) اسی طرح اپنی عورتوں سے ظہار کرنے والوں کی سزا بھی آزادی مقرر کی ہے۔

والذین یظاھرون من نساءھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا[3]

(۳) اسی طرح جو شخص رمضان میں جماع کر کے روزہ افطار کرتا ہے اس پر بھی گردن آزاد کرنا لازم[4]

---

[1] دیکھئے کتاب، مطالب اولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی جلد ۴ صفحہ ۶۹۳ (فقہ حنبلی) [2] سورہ نساء ۹۲
[3] سورہ مجادلہ ۳۰

(۴) اسی طرح جو شخص اپنی قسم توڑتا ہے وہ بھی غلام آزاد کرے۔

لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ[1]

غلاموں کے مالکوں کو اسلام نے جو بار بار تاکیدی احکامات دیئے ہیں۔ نیز انہیں غلام آزاد کرکے رضائے الٰہی کے حصول کی جو ترغیب دی ہے اس کے بعد اولین مسلمانوں نے غلاموں کی آزادی کے میدان میں ایک دوسرے سے مقابلہ شروع کر دیا اور رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں پہلا نمونہ ہیں۔ آپ نے اپنے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اور خصوصاً دولتمندوں میں رضاکارانہ طور پر غلاموں کی آزادی کی لہر چل پڑی اس بات کا پتہ ہمیں اس روایت سے ملتا ہے جسے اصحاب حدیث و تاریخ نے بیان کیا ہے کہ افریقیہ کی طرف حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نمائندے یحییٰ بن سعید نے جب اموال کی تقسیم کے لیے فقراء نہ پائے تو آپ نے حکومت کے نام سے بہت سارے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے افریقیہ کے صدقات کے لئے نمائندہ بنا کر بھیجا میں نے صدقات کو جمع کیا پھر فقراء کو انہیں دینے کے لئے بلایا تو ہم نے کوئی محتاج نہ پایا اور نہ ہی ہمیں کوئی صدقہ لینے والا ملا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو غنی کر دیا تھا۔ ۔ ۔ پس میں نے ان صدقات سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا

اور اسلام نے غلام کے حال کو بہتر بنانے اور اس کی آزادی کے لئے عمل کرنے اور اس دین کے آفتاب کے طلوع سے قبل کی اس کی ضائع شدہ انسانیت کو دوبارہ واپس دلانے پر ہی اکتفا نہیں کیا (جیسا کہ ہم قبل ازیں ان قوانین کا ذکر کر چکے ہیں) بلکہ وہ (خصوصاً خود غلاموں کو آزاد کرانے کے میدان میں) اس سے بھی بہت آگے گیا ہے۔

---

[1] المائدہ - ۸۹

غلاموں اور آزاد آدمیوں میں مساوات اس وقت جب رومی، ہندی اور ایرانی قانون غلام کی انسانیت کو لغو قرار دے رہے تھے اور اسے دائرہ انسانیت سے باہر پھینکی ہوئی چیز تصور کرتے تھے اور اس کے مالک کے لئے (بغیر کسی تحفظ کے) اسے عذاب دینا یا خصی کرنا یا قتل کرنا جائز قرار دے رہے تھے خواہ وہ اس کے دین کا پابند ہو اسلام اس غلام کو بلند مقام پر لے جا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے اس کے اور اس کے آقاؤں کے درمیان مساوات پیدا کر دی۔

پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن رباح حبشی اور خالد بن رویحہ خثعمی کے درمیان اور اپنے غلام زید بن حارثہ اور اپنے چچا حمزہ بن عبد المطلب کے درمیان اور غلام خارجہ بن زید اور ابوبکر صدیقؓ کے درمیان مواخات کرا دی پس مواخات کے مطابق یہ غلام عرب کے ان سرداروں کے بھائی بن گئے۔

اور یہ مواخات ایک حقیقی تعلق تھا جو خونی تعلق کے برابر تھا اور میراث میں اشتراک کی حد تک پہنچا ہوا تھا[1]

غلام اور اسلام میں قیادت کا منصب بلکہ اسلام نے ان غلاموں کو اس حد تک بلند کیا ہے کہ وہ ان فوجوں کے سالار ہو گئے جن میں انصار اور مہاجرین کے سردار بھی موجود تھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں اپنے غلام زید بن حارثہ کو اس فوج کا سالار بنایا جس میں انصار مہاجرین اور خالد بن ولید جیسے سادات عرب موجود تھے اور جب آپ کے غلام جو اس معرکے میں فوج کے سالار تھے شہید ہو گئے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے اسامہ بن زید کو اس فوج کی قیادت سونپ دی جس میں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسے لوگ موجود تھے اس طرح اسلام نے ان غلاموں کو عرب کے آزاد سادات پر قیادت کا حق عطا کیا اور یہ سادات بڑی خوشی سے ان کی اطاعت کرتے تھے

---

[1] شبہات حول الاسلام ص۴۰۔

غلام اور منصب خلافت بلکہ اسلام تو غلام کی آزادی اور اکرام میں اس حد تک پہنچا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

"سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر حبشی غلام کو عامل مقرر کیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو جب تک وہ تم میں کتاب اللہ کو قائم کرے اس کی اطاعت کرو[1]"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر غلام کے اندر اہلیت موجود ہو تو اسلام اُسے خلیفۃ المسلمین بننے کے لئے نامزد مقرر کرتا ہے (یعنی وہ مسلمانوں میں کتاب اللہ کو قائم کرنے کی اہلیت رکھتا ہو) اس حدیث صحیح کے وضع کردہ اصول سے استناد کرتے ہوئے حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا ہے (جب وہ خلیفہ بنانے کے متعلق سوچ رہے تھے)

"اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اُسے خلیفہ بناتا"

انصاف پسندوں سے ایک بات وہ انسان جو انصاف پسند اور ہوا و ہوس سے خالی ہو وہ غلام کے مفاد میں اسلام کے لائے ہوئے قوانین سے یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس دین کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کو غلام بنالیں (جیسا کہ اس کے دشمن افتراء کرتے ہیں) بلکہ اس نے غلاموں کی آزادی اور غلامی کے صفایا کے لئے عمل کرنے پر پورا زور لگایا ہے اور اس کے تمام سوتوں کو بند کر دیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے صریح قاطع حکم صادر کیا ہے جس کے بموجب اس نے غلامی کی تمام انواع کو جن پر ظہور اسلام سے قبل عمل ہوتا تھا لغو قرار دے دیا ہے اور غلامی کی وہ نوع جسے اسلام نے (شکل کی صورت میں) باقی رکھا ہے وہ جنگی غلامی کی نوع ہے اسلام نے اس غلام کی بہتری کے لئے لاتعداد قوانین صادر کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی سچی رغبت یہ ہے کہ غلامی کا پوری طرح صفایا کر دیا جائے یہی وجہ ہے کہ تمام مناسب مواقع پر غلام آزاد کرنے کی بکثرت دعوت دی گئی ہے کیا ہماری اس وضاحت کے بعد کسی عقلمند آزاد ضمیر اور سلیم وجدان انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اسلام پر یہ اتہام لگائے کہ اس نے انسان

---

[1] بخاری

کو اپنے بھائی انسان کے غلام بنانے کو تسلیم کیا ہے یا غلامی کو خوش آمدید کہا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

جو لوگ اسلام پر اس کے غلامی کے موقف کے بارے میں اتہامات لگاتے اور انتقادات کرتے ہیں وہ صرف ایک معین مقصد تک پہنچنا چاہتے ہیں اور وہ ہے لوگوں کو شک میں ڈالنا (خصوصاً موجودہ دانشور مسلم نوجوان کو) اور انہیں اس دین قدیم سے بے رغبت کرنا اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔

مسلم نوجوانوں سے خطاب مسلم نوجوانو! قبل اس کے کہ تم دشمنانِ اسلام کے اس شبہ کو تسلیم کرو اور قبل اس کے کہ تم ان کے وساوس کو قبول کرو اپنی عقلوں کو حاکم بناؤ اور ہر چیز سے پہلے اپنے دین کے اصولوں اس کے قوانین کے مصادر اور ان کی غایات واہداف پر آزادانہ غور کرو تاکہ تم اس دین کی حقیقت کے درمیان اور ان لوگوں کے اقوال کے درمیان آزادانہ حقیقی موازنہ کر سکو جن کے متعلق کم از کم یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ دین کے لیے پر جوش دشمن ہیں اور اس کے خلاف میدان جنگ میں کام کر رہے ہیں، جب تم یہ کرو گے اور تمہارے دین کے جس پہلو کو بھی ان دشمنوں نے طعن و تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس کی تحقیق کرو تو تمہیں ان اعتراضات کی کمزوری اور ان انتقادات کے بطلان کا پتہ چل جائے گا اور تم پر وہ ظلم و افتراء بھی واضح ہو جائے گا جو ان اعتراضات اور انتقادات کے اندر پایا جاتا ہے

ہم یہ بات فقط غلامی کے موضوع کے متعلق ہی نہیں کہتے بلکہ ہم آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ نرم روی اختیار کریں اور اس دین سے متعلق تدابیر کرنے والے ماہر دشمنوں سے جو تم اعتراضات و انتقادات اور تشنیعات کبھی کبھی تحقیق موازنہ کے نام سے اور کبھی تہذیب و تمدن اور آزادانہ غور و فکر کے نام سے سنتے ہو اس کے بالمقابل یہ مستقل آزاد اور مردانہ مسلک اختیار کر لو کیا تم ان اعتراضات کو تسلیم کرتے ہو اور ان وساوس سے متاثر ہو جاتے ہو جو تمہارے دین کے متعلق اس کے کینہ ور پر جوش دشمن پیدا کرتے ہیں حالانکہ تم نے ان نقطہائے نظر پر کوئی مستقل آزاد تحقیقی نگاہ نہیں ڈالی ہوتی اور نہ ہی اس دین کے دوسرے مدافعانہ محاذوں کے موقف کو دیکھا ہوتا ہے جو ہمیشہ سے ان اعتراضات کو رد کرنے اور عقل و علم اور منطق کی رو سے

ان انتقادات کو جھٹلانے کے ذمہ دار ہیں ..... کیا تم ایسا کرتے ہو تمہارے متعلق عقلمند
آزاد فکر آدمی (خواہ وہ آپ کے دین سے تعلق نہ رکھتے ہوں کم از کم جو بات کہہ سکتا ہے وہ
ہے کہ تمہاری سوچ طفیلی ہے اور تمہاری حیثیت ان آلات سے بڑھ کر نہیں جو بلا سوچے
سمجھے وہی بیان کرتے ہیں جو ان میں بھر دیا جاتا ہے
اور یہ وہ بات ہے جسے اپنے آپ سے دشمنی کرنے والا انسان بھی پسند نہیں کرتا
کجا یہ کہ دانشور اور سمجھدار انسان اسے اپنے لئے پسند کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

Bought on 17th Ramadan 1432
17 Aug 2011
from Idara Hamijat .